بھٹو خاندان۔ جہدِ مسلسل

بشیر ریاض

منصور حیدر راجہ

بھٹو خاندان ۔ جہدِ مسلسل

بشیر ریاض

اہتمام   رانا عبدالرحمٰن

پروڈکشن   ایم سرور

سرورق   ریاظ

کمپوزنگ   محمد انور

پرنٹرز   نوید حفیظ پرنٹرز، لاہور

اشاعت سوم 2007ء

تعداد   2000 ہزار

ناشر   بک ہوم لاہور

بک سٹریٹ 46- مزنگ روڈ لاہور۔ فون: 042-7231518-7245072
E-mail:bookhome1@hotmail.com - bookhome_1@yahoo.com

انتساب

پاکستان کے جمہوریت پسند عوام کے نام

"انسان کی سب سے پیاری متاع اس کی زندگی ہے اور چونکہ یہ اسے صرف ایک بار زندہ رہنے کے لیے دی جاتی ہے اس لیے اسے اس طرح زندہ رہنا چاہیے کہ کبھی اسے اپنے بُرے اور بزدلانہ ماضی پر ندامت نہ ہو تا کہ بلا مقصد اذیت برداشت کر کے زندہ رہنے کی بجائے مرتے ہوئے یہ کہہ سکے "میں نے اپنی ساری زندگی اور طاقت دنیا کے اولین نصب العین بنی نوع انسان کی آزادی کے لیے وقف کی تھی۔"

(ذوالفقار علی بھٹو کی کتاب "اگر میں قتل کر دیا گیا" سے اقتباس)

ترتیب

قابلِ اعتماد دوست

بشیر ریاض جنہیں جاننے والے انہیں ''بیش'' کہتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کے بہت اہم اور باخبر تجزیہ نگار ہیں۔ وہ ایک تجربہ کار صحافی ہیں۔ جن کے مضامین بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں ان کی سیاسی اور صحافتی بصیرت کا آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ انہوں نے اپنے ایک تجزیہ میں 1977ء میں پیشنگوئی کی تھی کہ میں ایک دن پاکستان کی وزیراعظم منتخب ہوں گی۔

میری ملاقات بشیر ریاض سے خاکوانی ہاؤس لاہور میں 1977ء میں ہوئی وہ میرا انٹرویو کرنے کے لیے آئے تھے۔ مجھے اس وقت ان کی باتوں سے محسوس ہوا کہ وہ مارشل لاء کے سخت مخالف ہیں۔ آزادیٔ صحافت، عدلیہ کی آزادی اور اصول پرستی میں یقین رکھتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فوجی حکمران صحافیوں کی مارشل لاء کی تائید اور حمایت کے لیے پیسہ پانی کی طرح بہا رہے تھے مگر بشیر ریاض اپنے جمہوری اصولوں اور لگن پر قائم رہے اور بڑی بے خوفی سے اپنے قلم سے فوجی آمریت کے خلاف جہاد جاری رکھا۔

بشیر ریاض تین دہائیوں سے پاکستان کی تاریخ کو بگڑتے دیکھتے آئے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں کے انٹرویو بھی کیے۔ ان لوگوں میں بھٹو، اندرا گاندھی، سر ظفر اللہ خان اور شیخ عبداللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بشیر ریاض نے کئی مرتبہ تاریخ کے ان ہنگامہ خیز دنوں کی یادوں اور واقعات کو قلمبند کرنے کی کوشش کی، مگر جب بھی وہ اس کام کا آغاز کرتے تو کوئی نہ کوئی انہونی بات ان کی راہ میں حائل ہو جاتی تھی۔ وہ قلمکاری کی بجائے سیاسی جدوجہد میں تن من سے سرگرمِ عمل ہو جاتے اور اس طرح ہمارے اس دور کی تاریخ کا رقم ہونا ٹل جاتا تھا۔

دوستوں کے بے حد اصرار پر بشیر ریاض نے آخرکار اپنی یادوں کو قلمبند کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اب ان کی محنت کا ثمر آپ کے سامنے ہے اس میں تاریخ بھی ہے اور ''بیش'' کے مشاہدات بھی۔ یہ کتاب وطنِ عزیز کے سیاسی اور سماجی واقعات سے پُر ہے۔ کس تاریخی موقع پر کیا ہوا، بشیر ریاض نے بڑی خوبی اور سچائی سے اسے اپنے الفاظ میں ڈھال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

بشیر ریاض میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ یہ بہت قابلِ اعتما دوست اور ساتھی ہیں ان کی دشمنی اور ان سے دشمنی لوگوں پر بڑی بھاری پڑتی ہے مگر وہ دل میں کچھ نہیں رکھتے، تلخیوں کو بھلا دیتے ہیں اور دوسروں کی کوتاہیوں پر درگزر کر لیتے ہیں۔

بشیر ریاض کی جدوجہد کی یہ داستان ایک تاریخی دستاویز ہے۔ مورخین کے لیے اس میں اتنا کچھ ہے کہ وہ اس پر مزید کئی کتابیں قلمبند کر سکتے ہیں۔

بشیر ریاض نے یہ کتاب رقم کر کے پاکستانی قوم اور آنے والی نسلوں کے لیے ایسا بیش بہا کام کر دکھایا ہے جس پر قوم کو ان پر فخر ہو گا۔ بشیر ریاض کی یہ تحریر پاکستان کی تاریخ وزوال اور تاریک ادوار پر ایک جامع کمنٹری ہے اور انہوں نے بڑی خوبی سے اپنی بات قاری تک پہنچائی ہے کہ پاکستان کے جمہوریت پسند عوام نے فسطائی اور آمرانہ قوتوں سے کس عزم سے ہر دور میں مقابلہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بشیر ریاض نے تاریخ ساز قلمکاری کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا۔ بشیر ریاض اپنے منفرد انداز میں اور لکھیں گے اور خوب سے خوب تر۔ انشاءاللہ۔

بینظیر بھٹو

واقعاتی تاریخ

یہ کئی برس پہلے کی بات ہے بشیر ریاض نے اپنے افسانوں کا مجموعہ ''اجنبی سائے'' روزنامہ ڈان کراچی کو تبصرے کے لیے بھیجا تھا اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں اس پر تبصرہ لکھوں۔ تبصرہ میں نے لکھا، نسبتاً مختصر سا مگر اس میں خیال آرائی بھی کی۔ مجھے یاد آتا ہے میں نے لکھا تھا کہ بشیر ریاض کی افسانہ نگاری اگر صحافت کی نذر نہ ہوجاتی تو ان کا فن ارتقا کی منزلیں طے کرتا ہوا یقیناً بامِ عروج تک پہنچتا۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ سوچا جاسکتا ہے کہ اگر بشیر ریاض پورے انہاک سے افسانے ہی لکھتے رہتے اور ان مناظر کو موضوع بناتے جنہیں انہوں نے قریب سے دیکھا، جن میں دہشت گردی بھی تھی، ظلم واستبداد بھی۔ مدافعت ومزاحمت بھی تھی اور عزم واستقلال بھی، تو ان کی داستانوں میں کتنی دل گیری، کتنی دل آویزی ہوتی۔ بشیر ریاض نے پچھلی صدی کی چھٹی دہائی میں افسانہ نگاری کی اور اس میں اپنے فن کے جوہر بھی دکھائے، مگر رفتہ رفتہ صحافت غالب آنے لگی اور وہ بھی سیاست کی اور سیاست سے تعلق کی۔ اس طرح افسانوی رومانویت سے تو وہ دور ہوگئے مگر داستانیں اب بھی سنا رہے ہیں اور انہی مناظر کے حوالے سے جن کا ذکر ہوا ان کی واقعاتی داستانیں کتابی صورت میں ان کی تخلیق میں درج ہیں جس کا نام ہے ''بھٹو خاندان۔ جہدِ مسلسل۔''

اس کتاب کے متعلق دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور توجہ طلب بھی۔ اولاً اس کا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس کا موضوع بلکہ مرکز اور محور بھٹو خاندان ہے۔ دوئم اس کے مصنف بشیر ریاض مختلف اوقات اور مختلف حالات میں مختلف ہیئتوں میں نظر آتے ہیں۔ افسانہ نگار کی طرح، سیاسی کارکن کی طرح، حکومت کے مشیر کی طرح مگر بنیادی طور پر وہ صحافی ہیں اور یہ کتاب بھی ان کے صحافتی مشاہدوں اور تجزیوں پر مبنی ہے۔ جن کا تعلق بھٹو خاندان کے نشیب وفراز سے

بھی ہے اور ملکی حالات کے اتار چڑھاؤ سے بھی۔

بشیر ریاض اپنی صحافتی زندگی میں منجملہ اور اداروں کے روزنامہ ''مساوات'' سے بھی منسلک رہے ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات لاہور میں ان دنوں ہوئی جب میں ''مساوات'' کا ایڈیٹر تھا۔ انہی دنوں مجھے بشیر ریاض کی صحافیانہ خوبیوں سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ وہ 1977ء کے انتخابات اور اس کے بعد کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ بشیر ریاض کے متعلق ان دنوں کی چند باتیں مجھے یاد آ رہی ہیں۔

جنرل ضیاء کے دور میں بھٹو خاندان کے ساتھ ''مساوات'' بھی ہدفِ ستم بنا اور ''مساوات'' کو متعدد اور متنوع دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت بشیر ریاض زیادہ تر سیاسی حالات پر تجزیاتی مضامین لکھتے تھے اور گوناگوں پابندیوں کی وجہ سے ان کی تحریروں پر گزند پہنچی۔ صعوبتوں کے اس دور میں جب ''مساوات'' اپنی بقا کی جدوجہد کے کٹھن مراحل سے گزر رہا تھا، بشیر ریاض صحافیوں اور کارکنوں کے ساتھ رہے۔

اخبار نویسی اور صحافتی کارکردگی کے حوالے سے ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے۔ اخبار کے لیے خبر لانے والے کو بہر نوع ''باخبر'' ہونا چاہیے۔ خبر لانے والا خبریں مختلف ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ اس کے ذرائع جتنے وسیع اور بااعتبار ہوں گے وہ خود بھی اتنا ہی کامیاب اور معتبر ہوگا۔ بشیر ریاض اس معیار پر بہ درجہ اتم پورے اترے مارشل لاء کے بندشی دور میں بھی ان کے ذرائع محفوظ رہے اور ایسی خبریں بھی انہیں ملیں جو دوسروں کو دستیاب نہیں تھیں۔ اس کی ایک مثال اس واقعہ سے ملتی ہے جس کا ذکر بینظیر بھٹو صاحبہ نے اپنی کتاب ''دخترِ مشرق'' (Daughter of The East) میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''اگست 1977ء کے آخری دنوں میں بشیر ریاض نے میری والدہ کو میرے والد کے متعلق ایک خطرے سے آگاہ کیا۔ بشیر ریاض نے میری والدہ سے کہا کہ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ بھٹو صاحب سے کہیں کہ وہ ملک سے باہر چلے جائیں۔ ضیاء کے ایک رازدار نے جو میرا دوست ہے، مجھ سے کہا ہے کہ بھٹو صاحب کو بھول جاؤ وہ اب کبھی اقتدار میں نہیں آئیں گے۔ ضیاء نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ قتل کے الزام میں بھٹو صاحب کو پھانسی دلوا دے گا، تم بھاری رقم لے لو اور بھٹو کی وفاداری سے باز آجاؤ مگر میں نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔''

اس وقت ضیاء کے اس ارادے کا کسی کو اندازہ نہیں تھا مگر جو خبر بشیر ریاض کو حاصل ہوئی وہ

درست نکلی۔

جیسا کہ ذکر ہوا کتاب کا موضوع بھٹو خاندان ہے۔بشیر ریاض کا ان سے پہلے رابطہ 1966ء میں ہوا جب اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو استعفیٰ دے کر ایوب حکومت سے الگ ہو گئے تھے اور انہوں نے صحافی بشیر ریاض سے رابطہ قائم کیا تھا اس کے بعد سے اب تک کے 35 برسوں میں بھٹو خاندان سے ان کا جو واسطہ رہا ہے اس میں استواری آتی رہی ہے۔اتنی طویل رفاقت اور وابستگی کے نتیجہ میں بشیر ریاض کا بھٹو خاندان سے قلبی تعلق بھی قائم ہوا جسے محبت اور عقیدت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔اس عرصہ میں انہوں نے بھٹو خاندان کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ مختلف حالات میں مختلف کیفیتوں سے گزرتے ہوئے بھی دیکھا۔جن میں صعوبت، مزاحمت، حکومت، شوکت سبھی دور تھے۔ان کی کتاب کی بنیاد انہی مشاہدات پر ہے۔

یہاں پر یہ کہنا بھی برمحل ہوگا کہ بھٹو خاندان مخالفین اور معترضین کا ہدف ملامت بھی رہا اور سیاسی طور پر متنازع بھی۔ ہمارے ملک میں بلکہ دنیا کے بڑے چھوٹے ملکوں میں ایسا کونسا سیاسی رہنما اور حکمران ہے جو متنازع نہ رہا ہو۔خوبیاں اور خامیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں اور تعریف کے ساتھ تنقید سے بھی کوئی مبرا نہیں ہوسکتا۔بشیر ریاض کی تحریروں کے متعلق کچھ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ ان کا روّیہ بھٹو خاندان کے ساتھ نہ صرف ہمدردانہ بلکہ ستائشی ہے۔معروضیت کی اہمیت اپنی جگہ پر، مگر ہر لکھنے والے کی، جن میں صحافی بھی شامل ہیں، اپنی سوچ، اپنا رجحان ہوتا ہے مگر جو واقعات بیان ہوتے ہیں وہ بہرحال واقعات ہوتے ہیں اور ان کی تاریخی اہمیت ہوتی ہے اس لیے جہاں بھٹو خاندان کے حوالہ سے معاندانہ یا مخالفانہ تحریریں موجود ہیں، وہیں بشیر ریاض کے بیان کردہ واقعات کو بھی تاریخی تناظر میں دیکھنا چاہیے، کیونکہ معروضیت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہر معاملے کے مختلف پہلوؤں پر نظر رکھی جائے۔کتاب محنت سے لکھی گئی ہے اور بہرنوع توجہ کی مستحق ہے۔

ایس جی ایم بدرالدین
سابق ایڈیٹر ''مساوات''

رفاقت کا سفر

ذوالفقار علی بھٹو شہید کے ساتھ میرے تعلق کا آغاز جنوری 1966ء میں تحریری تعارف سے ہوا بعدازاں خط وکتابت کا باقاعدہ سلسلہ چل نکلا۔ اگست 1967ء میں لندن کے ڈارچیسٹر ہوٹل میں ان کے ساتھ طویل ملاقات میں پاکستان کے سیاسی حالات اور پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام کے بارے میں تفصیلی بات چیت ہوئی۔ یہ ملاقات قریبی تعلقات کی اہم بنیاد تھی اور رفاقت کے لازوال رشتے میں ڈھل گئی۔

بھٹو خاندان کے ساتھ میرے تعلقات کا نقطہ عروج میرے ساتھ پیش آنے والا وہ واقعہ ہے جب 1975ء میں مجھ پر ایک انتہا پسند پاکستانی نے حملہ کیا۔ اس وقت وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو ویانا میں تھے۔ اس کی اطلاع ملتے ہی جناب بھٹو نے اسی شام پاکستانی سفیر میاں ممتاز دولتانہ کو فون کرکے ہدایت کی کہ میرے تحفظ کے لیے برطانوی حکام سے بات کریں۔ اگلے ہی روز برکشائر کاؤنٹی کے چیف کانسٹیبل مجھ سے ملے۔ انہوں نے اس شخص کے بارے میں ضروری تفصیلات معلوم کیں۔ اس واقعہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جناب بھٹو نے پاکستان میں متعین برطانوی سفیر کے ساتھ بھی یہ مسئلہ اٹھایا تھا۔

بیگم نصرت بھٹو کی شفقت مجھے ہمیشہ حاصل رہی ہے اوران کی خواہش پر میں نے روزنامہ ''مساوات'' میں شمولیت اختیار کی۔ بھٹو صاحب کے دونوں صاحبزادگان 1978ء میں جب لندن منتقل ہوئے تو میں ان دونوں بھائیوں کے ساتھ قائدعوام کی زندگی بچانے کی مہم میں شریک رہا۔ محترمہ بینظیر بھٹو 1984ء میں لندن آئیں تو ان کے ساتھ رفاقت کا جو رشتہ استوار ہوا وہ تمام نشیب وفراز کی زد سے محفوظ ہے۔

یہ ہے بھٹو خاندان کے ساتھ میری رفاقت کا پس منظر۔اس کتاب میں رفاقت کے اسی سفر کی رُوداد بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے بیگم نصرت بھٹو نے 1977ء میں جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف یہ تاریخی اعلان کیا تھا ''پاکستان کے لیے ہم نسل در نسل لڑیں گے۔'' بھٹو خاندان نے اپنے عمل سے یہ بات سچ ثابت کر دی ہے۔

قائد عوام کا عدالتی قتل کیا گیا۔ان کے دونوں بیٹے جدوجہد کی راہ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ اب ان کی بیٹی محترمہ بینظیر بھٹو عوام کے حقوق کے حصول کی جنگ لڑ رہی ہیں۔بھٹو خاندان کی اس جہدِ مسلسل میں میری رفاقت کا سفر جاری ہے۔بقول فیض ؎

ہم خستہ تنوں سے محتسبو! کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشتِ خاکِ جگر، ساغر میں ہے خونِ حسرتِ مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا، لو جام اُلٹائے دیتے ہیں

بشیر ریاض
لندن۔اپریل 2001ء

ایک عہد کا آغاز ہوتا ہے

1965ء کی جنگ کے بادل پاکستان کی سرزمین پر منڈلا رہے تھے۔ لندن میں موجود پاکستانی بڑے بے چین تھے۔ حب الوطنی اور پاکستان کے لیے کچھ کرنے کا جو جذبہ انگلینڈ میں موجود پاکستانیوں میں اس وقت موجزن تھا، اس کی مثال یہاں پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد جو پاکستانی یہاں آئے اور جن میں اکثریت کشمیریوں کی تھی برسوں سے اپنے روزی روزگار میں ایسے مگن تھے کہ انہیں اپنے وطن کی کچھ خبر ہی نہیں رہی تھی اور ہوتی بھی کیسے کہ دیارِ غیر اور وہ بھی مغرب کے جھومر انگلینڈ جن کی رنگینیوں اور روشنیوں میں داخل ہوتے ہی غریب پسماندہ ملکوں کے باسی اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں مگر جیسے جیسے خوشحالی آتی گئی اور ان کے سامنے ان کے بچے بڑے ہونے لگے تو انہیں بھی وہ پاکستان یاد آنے لگا جو ان کی پہچان تھا اور جس کا خیال انہیں اس وقت اور زیادہ آتا جب انگلینڈ میں مقیم ہندوستانی بڑے غرور وتکبّر سے اٹھتے بیٹھتے اپنے وطن کی مالا جپتے۔

65ء کی جنگ برطانیہ کے پاکستانیوں کے لیے ایک نعمت ''غیر مترقبہ'' تھی۔ 6 ستمبر کو یہاں پر موجود پاکستانیوں کو جب یہ خبر ملی کہ ہندوستان نے پاکستان کی سرحدوں پر شب خون مارا ہے تو بیشمار پاکستانی اس صدمے سے بے ہوش ہو گئے۔ بعد میں جب یہ خبر آئی کہ پاکستانی افواج نے ہندوستانی فوج کا حملہ پسپا کر دیا ہے تو برطانیہ میں جہاں جہاں پاکستانی تھے ان میں خوشی اور ولولہ کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت برطانیہ میں پاکستانیوں کی کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں تھی کہ جس کے پلیٹ فارم سے وہ اجتماعی ردِعمل کا مظاہرہ کرتے مگر جوش وجذبہ اپنا راستہ خود نکال لیتا ہے بیشتر پاکستانیوں نے اپنے ہفتے بھر کی تنخواہوں کو پاکستان کے دفاعی فنڈ میں دینا شروع کر دیا۔ 65ء کی

جنگ سے پہلے پاکستان کا نام برطانوی اخبارات میں بہت کم آتا تھا بلکہ آتا ہی نہیں تھا مگر 65ء کی جنگ کے پس منظر میں جوں جوں صورتحال واضح ہوتی گئی ایک آواز ایسی تھی جو برٹش میڈیا میں سب سے نمایاں تھی۔ یہ آواز پاکستان کے نوجوان وزیرخارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی تھی جس کی گھن گرج سرحدوں پر چلنے والے ٹینکوں اور توپوں سے کم نہیں تھی اور پھر اقوام متحدہ میں بھٹو صاحب کی شہرہ آفاق تقریر کہ ''ہم ایک ہزار سال تک بھارت سے جنگ جاری رکھیں گے۔'' ایک ایسا تاریخی جملہ تھا جس نے بھٹو صاحب کو پاکستان اور پاکستان سے باہر کی دنیا میں ایک کرشمہ ساز شخصیت بنا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں ''پاکستان اور بھٹو'' ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہو گئے۔ پاکستانی قوم کو ایک ایسا قائد مل گیا جس کا انہیں قائداعظم کی رحلت کے بعد سے بڑی شدت سے انتظار تھا، ایک ایسی شخصیت جو بھارت کے مقابلے میں پاکستان کا نام اجاگر کرسکتی ہو جس کا نام لے کر پاکستانی دنیا بھر میں دیگر قوموں خاص طور پر ہندوستانیوں کے مقابل میں سر بلند کر کے چل سکتے ہوں۔ بھٹو صاحب کی پاکستان اور پاکستان سے باہر اس مقبولیت کو دیکھتے ہوئے بھارتی حکمرانوں اور ان کے میڈیا کا ردِعمل غیر متوقع نہیں تھا۔ ستمبر کی جنگ کے چند دن بعد ایک بھارتی اخبار ''ملاپ'' کو بھٹو صاحب کی شخصیت اور ان کی شاندار سیاست کا کوئی اور پہلو تو نظر نہیں آیا جس پر وہ تنقید کرتے۔ لے دے کر انہوں نے ایک انتہائی گھٹیا اور شرمناک ہتھکنڈا استعمال کیا اور بھٹو صاحب کے خاندانی پس منظر پر انتہائی گرا ہوا حملہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ ان کی والدہ ہندو تھیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس متعصب بھارتی اخبار ''ملاپ'' کی خبر کو دائیں بازو کے بھٹو دشمن پریس نے خاص طور پر خوب اچھالا ''ملاپ'' کی یہ گالی بھٹو صاحب کو نہیں پوری پاکستانی قوم کو تھی جس پر یہاں پاکستانیوں میں شدید ردعمل ہوا کیونکہ اس وقت تک بھٹو صاحب ایک ہیرو کا درجہ اختیار کر چکے تھے ان دنوں میں نیو کاسٹل میں رہتا تھا اور ایشیا ویکلی کے لیے لکھتا تھا۔ میں نے اخبار ''ملاپ'' کے اس جھوٹ کا نہ صرف منہ توڑ جواب دیا بلکہ ترکی بہ ترکی ہندوستانی وزیراعظم لال بہادر شاستری اور اس وقت کی حکومت میں وزیر اطلاعات ونشریات مسز اندرا گاندھی پر بھی اسی زبان وبیان میں مگر شائستگی کے ساتھ جوابی تنقید کی۔ میں نے اس مضمون کو ایک خط کے ہمراہ قائداعظم کے یوم ولادت 25 دسمبر 1965ء کو بھٹو صاحب کو بھیجا۔ اس خط میں ایک جملہ یہ بھی تھا کہ ''قائداعظم کے یوم ولادت کے موقع پر ایک پاکستانی جو آپ کا عقیدت مند اور

مدّاح ہے آپ کو اپنی جانب سے یہ پرخلوص نذرانہ عقیدت پیش کر رہا ہے۔'' یہ خط بڑی محبت اور لگن سے لکھا گیا تھا اور اس میں خلوص اور ہم آہنگی بھی تھی اس کا مجھے فوری جواب ملا جس سے مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ایک تو اس بات کی کہ بھٹو صاحب اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے اور 65ء کی جنگ کے بعد ان کی مصروفیات اور بھی بڑھ گئی تھیں، نہ صرف یہ کہ انہیں میرا خط مل گیا بلکہ انہوں نے اسے پڑھ کر مجھے جواب بھی دیا۔ بھٹو صاحب کی یہ ایک ایسی ادا تھی کہ جس نے جذباتی حد تک مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ یہ تھا میرا بھٹو صاحب سے پہلا جذباتی رابطہ جو جنوری 1966ء میں قائم ہوا۔

☆☆☆

تاشقند ڈکلیرشن جس طرح ہوا، اس پر عام پاکستانیوں کا یہی خیال تھا کہ اس میں پاکستان کی شہ رگ ''کشمیر'' پر کوئی خفیہ سمجھوتہ ہوا ہے خود بھٹو صاحب کے روّیہ سے بھی جو ان کی تحریروں اور تقریروں میں صاف جھلک رہا ہوتا تھا، اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ اس سے خوش نہیں تھے۔ بھٹو صاحب کے اس وقت کے اخبارات میں جو بیانات اور انٹرویو آ رہے تھے اس میں بھی انہوں نے یہ تاثر دیا کہ وہ تاشقند سمجھوتے سے متفق نہیں تھے۔ ان کے خیال میں 65ء کی جنگ ایک ایسا سنہرا موقع تھا جس سے فائدہ اٹھا کر ''کشمیر'' کے ایک بڑے حصے کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ پاکستان میں حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ جنگ ستمبر کے حوالے سے ایوب خان کے خلاف مختلف حلقوں کی جانب سے تنقید کی جا رہی تھی عام پاکستانیوں کا یہ خیال تھا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ بھٹو صاحب کو حکومت سے نکل کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ میں نے اپنے اخبار میں 65ء کی جنگ اور اس کے بعد ہونے والے تاشقند ڈکلریشن کے حوالے سے چند مضامین لکھے اور ان مضامین کو بھٹو صاحب کو ارسال کیا اور ساتھ یہ درخواست بھی کی کہ وہ مجھے اپنا آٹوگراف اور تصویر بھیجیں۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ مجھے بھٹو صاحب نے ٹھیک اسی دن اپنا آٹوگراف، تصویر اور اس کے ساتھ ایک خط بھیجا جس دن انہوں نے وزارت خارجہ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

حکومت چھوڑنے کے بعد بھٹو صاحب کا لاہور میں جو تاریخی استقبال ہوا اس نے ایوب خان اور اس کے حواریوں کی نیندیں اڑا دیں۔ راولپنڈی کے ریلوے اسٹیشن سے جب بھٹو صاحب ایک سابق وزیر کی حیثیت سے رخصت ہوئے تو انہیں الوداع کہنے کے لیے مداحوں

کا ایک ہجوم تھا یہ خبر پنڈی سے لاہور تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ بھٹو صاحب فیلڈ مارشل ایوب خان کی تمام پیشکشوں کو ٹھوکر مار کر بذریعہ ٹرین روانہ ہو گئے ہیں اگر بھٹو صاحب اس وقت ایوب خان اور ان کے طاقتور گورنر نواب آف کالاباغ سے خوفزدہ ہو جاتے تو انہیں خاموشی سے بذریعہ جہاز سفر کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے اس تاریخی لمحے میں خوف کا جُوا اتار پھینکا اور ایوبی آمریت سے فیصلہ کن لڑائی کا عزم کر لیا اور اس کے لیے آغاز میں وہ راستہ اختیار کیا جو عوام کا راستہ ہوتا ہے۔ نہ کسی اخبار میں اشتہار شائع ہوا نہ پوسٹر، نہ لوگوں کو بسوں اور ٹرکوں میں لایا گیا نہ کسی جاگیردار وڈیرے کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پانچ گھنٹے کا سفر طے کر کے بھٹو صاحب جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو دو لاکھ زندہ دلانِ لاہور کے پرجوش نعروں سے ریلوے اسٹیشن گونج رہا تھا بعد میں ملتان، سکھر، کراچی اور لاڑکانہ میں بھی بھٹو صاحب کا شاندار استقبال ہوا۔ ساری دنیا کے پریس نے اس تاریخی استقبال کو بڑی اہمیت دی اور اس بات کی پیشگوئی کی کہ پاکستانی عوام کو ایک طویل عرصے کے بعد ایک ایسا قائد مل گیا ہے جو ان کی زندگی میں انقلاب لائے گا۔

وزارت خارجہ سے علیحدگی کے بعد بھٹو صاحب جب لاڑکانہ میں قیام پذیر تھے میں نے تحریری سوالات بھیج کر ان سے پہلا انٹرویو لیا جو مئی 67ء میں برطانیہ سے نکلنے والے ممتاز جریدے ''ویکلی ایشیا'' میں شائع ہوا جس کی کاپی میں نے بھٹو صاحب کو پاکستان روانہ کی۔ اس وقت پاکستان میں تقریباً تمام پریس بھٹو صاحب کی کردار کشی میں مصروف تھا اگر ان کے حق میں کوئی لکھنا بھی چاہتا تو وہ ایوب خان کے خوف سے کہیں شائع نہیں ہو پاتا تھا انہی دنوں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ انڈونیشیا میں سوئیکارنو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور وہاں کے وزیر خارجہ سوباندریو کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جناب سوباندریو نے 65ء کی جنگ میں پاکستان کی بڑی مدد کی تھی اپنے ملک میں اور ملک سے باہر بین الاقوامی فورمز میں بھارت کے خلاف کھل کر اسٹینڈ لیا تھا۔ بھٹو صاحب گو کہ خود وزارت خارجہ سے علیحدگی کے بعد سخت دباؤ میں تھے مگر انہوں نے اس مشکل وقت میں اپنے دوست کو اکیلا نہیں چھوڑا اور جناب سوباندریو کی پھانسی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ پاکستان سے انہوں نے مجھے ایک بیان بھیجا کہ میں اسے برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک کے اخبارات میں شائع کراؤں۔

بھٹو صاحب سے خط و کتابت کا جو سلسلہ گزشتہ دو سال سے جاری تھا اس نے مجھے ان سے بہت قریب کر دیا تھا مگر اس وقت تک میری ان سے ذاتی طور پر ملاقات نہیں ہوئی تھی۔1964ء میں ایک بار پاکستان ہائی کمیشن کی ایک تقریب میں انہیں دیکھنے کا موقع ضرور ملا تھا جب وہ غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس میں شرکت کے لیے ایوب خان کے ساتھ وزیر خارجہ کی حیثیت سے الجیریا جاتے ہوئے لندن رکے تھے۔الجریا میں بن بیلا کی حکومت کا تختہ الٹنے کی وجہ سے یہ کانفرنس منسوخ ہو گئی تھی۔ہائی کمیشن کی تقریب میں اور بہت سے لوگوں کے ساتھ رسمی سلام دعا ہوئی تھی۔

پہلی بار بھٹو صاحب کو دیکھنے اور قریب سے جاننے کا بھرپور موقع مجھے اگست 67ء میں ملا جب وہ اپنی بہن کی عیادت کے لیے لندن آئے ہوئے تھے ان دنوں پاکستان میں پیپلز پارٹی کے قیام کے سلسلے میں ابتدائی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں بھٹو صاحب لندن کے Dorchester ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔اس ملاقات میں ریٹائرڈ ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ بھی تھے۔یہ وہی مشہور زمانہ راولپنڈی سازش کیس والے جنجوعہ تھے جو لندن میں پی آئی اے کے منیجر رہ چکے تھے اور ان دنوں ایک ٹریول ایجنسی کاکس اینڈ کنگز کے سربراہ تھے۔میں ان سے بہت متاثر تھا میرا خیال تھا کہ وہ چونکہ فیض احمد فیض اور سجاد ظہیر کے ساتھ جیل میں رہے ہیں تو بڑے ترقی پسند اور انقلابی ہوں گے، وہ باتیں بھی بڑی متاثر کن کرتے تھے۔میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ آپ انہیں یہاں لندن میں پارٹی کا کنوینیر بنا لیں بھٹو صاحب نے میری بات کو خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے کہا کہ ابھی تو پارٹی کا قیام عمل میں آنا ہے اس کے بعد لندن میں بھی دیکھیں گے۔اس ملاقات میں، میں نے بھٹو صاحب کو لنچ کی دعوت دی اور اگلے دن Kensington کے علاقہ میں واقع اسٹار آف انڈیا ریسٹورنٹ میں لنچ کیا یہ بڑا خوشگوار تجربہ تھا۔ریسٹورنٹ کے مسلمان مالک میرے جاننے والے تھے، ان کا تعلق بمبئی سے تھا۔بھٹو صاحب کی آمد کو انہوں نے اپنے لیے بڑا اعزاز سمجھا اور خود میزبانی کا فرض ادا کیا۔

بھٹو صاحب کے لیے لنچ میں ایشیا ویکلی میگزین کے مالک بھی تھے۔بھٹو صاحب کو پین ایم کے دفتر پکاڈلی جانا تھا۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم انہیں وہاں چھوڑ دیں۔باتوں کے دوران میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ ان دنوں ایک کتاب Last Days of British Raj کے بڑے

چرچے ہیں۔ کتاب کے مصنف مسٹر موزلے نے لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور جواہر لال نہرو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔

"Nehru was a widowed man and

Lady Mountbaten filled the important gap of his life"

اس پر بھٹو صاحب نے ہنستے ہوئے کہا ''ان دنوں اگر میں ہندوستانی سیاست میں ہوتا تو نہ صرف یہ کہ کشمیر پاکستان میں شامل ہوتا بلکہ پنجاب اور بنگال کی بھی تقسیم نہ ہوتی۔''

☆☆☆

لاہور میں 30 نومبر 1967ء کو پیپلز پارٹی کا کنونشن ہوا، لندن میں ہمیں یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ اس کنونشن میں شریک ہونے والوں کو بڑی دھمکیاں مل رہی ہیں۔ بھٹو صاحب کا مجھے خط ملا کہ میں اس کنونشن میں شریک ہوں مگر انہوں نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ زیادہ بہتر ہے کہ میں لندن میں پارٹی کے قیام کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے لیے کام کروں۔ ایوب خان اور نواب کالا باغ کے خوف کے سبب بڑے بڑے نامی گرامی سیاستدانوں نے وعدے کے باوجود پارٹی کنونشن میں شرکت نہیں کی مگر چاروں صوبوں میں جو نوجوان سیاسی کارکن اور دانشور شریک ہوئے وہ اس عہد کی انتہائی پڑھی لکھی باشعور اور انقلابی قیادت تھی۔

بھٹو صاحب جب ایوب خان کی حکومت میں وزیرخارجہ تھے تو لاہور کے سارے بڑے سیاسی اور تجارتی گھرانوں کی حویلیاں اور کوٹھیاں انہیں دونوں ہاتھوں سے خوش آمدید کہنے کے لیے دن رات کھلی ہوتی تھیں، مگر عوامی بھٹو نے جب اپنی پارٹی کے کنونشن کے لیے تمام بڑے ہوٹلوں اور ہالوں سے اجازت نہ ملنے کے بعد ان کے وسیع وعریض لان میں اجلاس کرنے کی درخواست کی تو انہوں نے یک زبان ہو کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔ ان نامساعد حالات میں لاہور کے ایک معروف دانشور اور انجینئر ڈاکٹر مبشر حسن نے جو بعد میں بھٹو صاحب کی حکومت میں وزیرخزانہ بھی بنے، اپنے گھر میں کنونشن کا انعقاد کرنے کی پیشکش کی۔ حکومت کی طرف سے یہ دھمکی ملی کہ اگر کنونشن یہاں ہوا تو گھر کو آگ لگادی جائے گی۔ بھٹو صاحب پر بڑا دباؤ تھا کہ وہ کنونشن کی تاریخ ملتوی کر دیں مگر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ''اب یا کبھی نہیں'' ایوب خان کی ساری مشینری کی کوششوں اور رکاوٹوں کے باوجود ملک بھر سے تقریباً چھ سو مندوبین

جمع ہوئے اور متفقہ طور پر بھٹو صاحب کو پارٹی کا سربراہ منتخب کیا گیا۔

پیپلز پارٹی کا قیام بلاشبہ پاکستان کی تاریخ میں ایک بڑا تاریخی واقعہ تھا۔اس وقت ملک میں خاص طور پر مغربی پاکستان میں بیشمار سیاسی پارٹیاں تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی پاکستانی عوام کے حقیقی جذبوں اور ان کے مسائل کے حل کی ترجمانی نہیں کرتی تھی۔یہ صحیح ہے کہ اس وقت پی پی بھٹو اور بھٹو پی پی تھے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بھٹو صاحب نے اپنے گرد اپنے اپنے شعبوں کے ماہرین اور ملک وقوم کے لیے کچھ کرنے کے جذبے سے سرشار نوجوانوں کی ایک ایسی ٹیم بھی مختصر عرصے میں بنالی جس نے بعد میں پاکستان کی سیاست میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔پیپلز پارٹی نے ابھی اپنی تنظیم سازی اور سرگرمیاں شروع ہی کی تھیں کہ ایوب حکومت کی مشینری ان پر ٹوٹ پڑی گرفتاریوں اور سنگین مقدمات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔

فروری 1968ء میں، میں نے پاکستان جانے کا پروگرام بنایا اور بھٹو صاحب کو ملاقات کے لیے اپنی آمد کی اطلاع دی۔انہوں نے مجھے جواب دیا کہ جب چاہوں ان سے ملاقات کرسکتا ہوں۔قیام پاکستان کے دوران ممتاز برطانوی روزنامہ ٹیلی گراف نے مجھے امیگریشن سے متعلق خبریں بھیجنے کے لیے اتھارٹی دی جو وہاں میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔میں نے بھٹو صاحب سے رابطہ کیا تو مجھے انہوں نے کراچی آکر ملنے کے لیے خط لکھا لیکن بعض نجی مصروفیات کی وجہ سے ان کی مقررہ تاریخوں پر ملاقات نہ ہوسکی۔

بھٹو صاحب کے مخالفین ہمیشہ یہ طعنہ دیتے تھے کہ جس دن انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈالا گیا وہ ساری سیاست بھول کر ملک سے راہ فرار اختیار کر جائیں گے۔ان لوگوں کا خیال تھا کہ بھٹو صاحب نے ساری زندگی شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے گزاری ہے اور وہ جیل کی سختیاں اور صعوبتیں برداشت نہیں کر پائیں گے۔7 نومبر 1968ء کو جب بھٹو صاحب ایوبی فوجی آمریت کے گڑھ راولپنڈی پہنچے تو اطراف کے سارے چھوٹے بڑے شہروں سے طالب علموں اور محنت کشوں کے غول کے غول انٹر کانٹی نینٹل میں جمع ہونے لگے جہاں بھٹو صاحب کا قیام تھا۔شہر میں دفعہ 144 لگ چکی تھی اور سارا علاقہ پولیس چھاؤنی میں تبدیل ہوگیا تھا مگر عوامی جوش وخروش نے ساری رکاوٹیں توڑ ڈالیں اور انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل پر پی پی کا پرچم لہرا دیا۔پولیس نے بغیر کسی وارننگ کے طالب علموں اور محنت کشوں پر گولی چلادی جس سے ایک طالب علم عبدالحمید جاں بحق ہوگیا۔ایوبی

آمریت کے خلاف عبدالحمید پہلا شہید تھا۔ بھٹو صاحب کا اس پر فوری ردعمل یہ تھا کہ اب ایوب خان اپنا اقتدار نہیں بچا سکے گا۔

پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور رہنماؤں کی بڑے پیانے پر گرفتاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ اسی دوران ایوب خان کے مشیروں نے انہیں آمادہ کیا کہ وہ بھی عوامی جلسے کریں اور پیپلز پارٹی کی عوامی طاقت کا مقابلہ کریں۔ ایوب خان نے 10 نومبر 1968ء کو پہلا جلسہ پشاور میں کیا ابھی انہوں نے یہ جملہ کہا ہی تھا کہ ''میں اب باہر نکل آیا ہوں اور اسے دیکھ لوں گا۔'' تو جلسے کے چاروں جانب سے ایوب خان کے خلاف نعرے لگنے لگے اور ایک نوجوان نے اپنی پستول سے ایوب خان پر فائر کر دیا جس سے وہ محفوظ رہے مگر جلسہ اکھڑ گیا۔ بھٹو صاحب اس وقت لاہور میں تھے یہ خبر سنتے ہی ان کا کہنا تھا کہ ایوب خان اب مجھے ضرور گرفتار کر لے گا۔ بھٹو صاحب کا اندازہ صحیح تھا 13 نومبر 1968ء کو انہیں گرفتار کر لیا گیا مگر جیل کے اندر سے بھی ان کے بیانات اور پیغامات سارے ملک میں پھیلی عوامی جدوجہد کی آگ پر تیل کا کام کرتے رہے۔

بھٹو صاحب دو ماہ 27 دن قید رہنے کے بعد 7 فروری 1969ء کو رہا ہوئے۔ ان کی رہائی پر سارے ملک میں جشن منایا گیا۔ بھٹو صاحب نے اپنی رہائی کے بعد جو پہلا بیان دیا اس میں اس عزم کا اظہار کیا گیا تھا کہ عوام ان کی رہائی پر خوشی نہ منائیں اصل میں عوام اس وقت جشن منائیں جب انہیں دس سالہ ایوبی آمریت سے نجات ملے۔

☆☆☆

اکتوبر 1969ء کے اوائل میں بھٹو صاحب بیگم بھٹو کے ہمراہ لندن آئے۔ لندن میں ان کا قیام ساؤتھ کینزنگٹن میں واقع کراچی کے ایک ممتاز صنعتکار رفیع منیر کے فلیٹ میں تھا۔ بھٹو صاحب کی لندن آمد کی خبر نے پاکستانیوں میں جوش وخروش پیدا کر دیا اور وہ ان سے ملاقات کے لیے پاکستانی ہائی کمیشن سے رجوع کرنے لگے مگر پاکستان میں عوامی ابھار کے باوجود برطانوی ہائی کمیشن کے روایتی رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور بھٹو صاحب کا نام وفون نمبر پوچھنے پر ہی ہائی کمیشن کا عملہ فون بند کر دیتا تھا ان دنوں فارن سروس کے ایک لائق سفارتکار مقبول احمد بھٹی قائم مقام ہائی کمشنر تھے اور بھٹو صاحب کے مدّاح تصور کیے جاتے تھے۔

بھٹو صاحب نے ایشیا ویکلی کے دفتر میں فون پر مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی اور اگلے روز

میں ان سے ملنے لندن چلا آیا۔ اس ملاقات میں، میں نے ان سے درخواست کی کہ پی پی پی کے چیئرمین کی حیثیت سے انہیں لندن سے باہر بریڈفورڈ اور برمنگھم میں پاکستانیوں کے اجتماعات سے خطاب کرنا چاہیے۔ قبل ازیں وہ 1968ء میں لندن کے کانوے ہال میں طلباء سے خطاب کر چکے تھے جس میں حکومت کے ایجنٹوں نے گڑبڑ کی تھی۔ بھٹو صاحب نے پوچھا کہ کیا لوگ وہاں جلسوں میں آئیں گے۔ مجھے لوگوں کے جذبات و احساسات اور بھٹو صاحب کی ہر دلعزیزی کا علم تھا۔ میرا جواب اثبات میں پاکر انہوں نے ہاں کہہ دی اور مجھے جلسوں کے انعقاد کا فرض سونپا۔ بھٹو صاحب نے اس ملاقات میں بیگم نصرت بھٹو سے میرا ان الفاظ میں تعارف کرایا۔ ''یہ میرے دوست بشیر ریاض ہیں'' یہ سن کر مجھے عجیب سی خوشی ہوئی کہ وہ اپنی بیگم سے ایک دوست کی حیثیت سے مجھے متعارف کروا رہے ہیں۔

بریڈفورڈ میں جلسہ کے لیے میں نے وہاں اپنے ایک واقف کار ایف ڈی فاروقی سے رابطہ کیا۔ اول تو انہیں یقین نہ آیا کہ بھٹو صاحب بریڈفورڈ میں جلسہ سے خطاب کریں گے اور دوسرے اس کا سارا اہتمام خود انہیں کرنا ہے۔ برمنگھم کے پروگرام میں ایشیا ویکلی کی طرف سے بھٹو صاحب کے لیے لنچ اور بعد میں ٹاؤن ہال میں جلسہ عام طے کیا گیا، جس کا انتظام کشمیری لیڈروں اور بعض محب وطن پاکستانیوں نے کیا۔ ان دونوں مقامات پر جلسوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے پاکستانی ہائی کمیشن کی مشینری حرکت میں آ گئی اور اپنے ''خواص'' کے ذریعے جلسوں کو ناکام بنانے کے لیے مختلف گروپوں کو استعمال کیا۔ بھٹو صاحب نے اس صورتحال کے پیش نظر مجھے لندن بلایا۔ اس موقع پر کچھ کشمیری و پاکستانی لیڈر بھی موجود تھے، جو جلسہ کا اہتمام خود کرنا چاہتے تھے چنانچہ طے یہی ہوا کہ یہ لوگ بھی جلسہ میں شریک ہوں اور جو پاکستانی دونوں مقامات پر جلسہ کا انتظام کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون واشتراک کریں۔

اس موقع پر جناب بھٹو نے ہائی کمشنر مقبول بھٹی کو فون کیا اور کہا کہ پاکستان میں حالات تبدیل ہو رہے ہیں اور اب ہائی کمیشن کو بھی پرانے ہتھکنڈے چھوڑ دینا چاہئیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ بریڈفورڈ اور برمنگھم میں پاکستانیوں کے جلسوں میں وہ گڑبڑ کے منصوبے ترک کر دیں۔

یہ دونوں جلسے ہفتہ اور اتوار کو رکھے گئے، بریڈفورڈ میں ہفتہ کی شام جلسہ عام تھا۔ ایف ڈی فاروقی نے اس کے لیے مقامی ہال بک کیا، جس میں پانچ سو افراد کی گنجائش تھی لیکن جناب بھٹو بیگم

نصرت بھٹو کے ہمراہ جب بریڈفورڈ ریلوے اسٹیشن پہنچے تو وہاں تقریباً دو ہزار کے قریب پاکستانی وکشمیری ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ یہ عظیم الشان استقبال بریڈفورڈ کی تاریخ کا یادگار واقعہ تھا، ریلوے اسٹیشن سے ہوٹل تک ہجوم پُر جوش نعرے لگا رہا تھا۔ ایف ڈی فاروقی کافی گھبرائے ہوئے تھے ان کی پریشانی یہ تھی کہ اس چھوٹے سے ہال میں ہزاروں لوگ کیسے آئیں گے لہٰذا لمب لین کے پارک میں شام کو جلسہ سے بھٹو صاحب نے خطاب کیا اس موقع پر انہوں نے پاکستانیوں اور کشمیریوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا:

> ''اگر پاکستان کے اقتصادی حالات درست ہوتے تو آپ اس ملک میں کیوں آتے، مجھے آپ کی مشکلات کا احساس ہے اور ان مسائل کے حل کے لیے میں حکومتِ وقت کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا۔ پاکستان جس نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا وہ ہمارا ایمان ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے جس کے لیے ہم اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔''

بریڈفورڈ کی یہ ایک یادگار شام تھی اتنا بڑا جلسہ پہلے کبھی یہاں نہیں ہوا تھا۔

رات کو ایف ڈی فاروقی نے اپنے کامن ویلتھ ریسٹورنٹ میں ڈنر کا انتظام کیا تھا۔ اس موقع پر بھٹو صاحب نے برطانیہ کے لیے عبدالحمید غازی کو ناظم اعلیٰ مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ مظہر قاضی 1967ء میں برطانیہ کے لیے پہلے کنوینیر مقرر کیے گئے تھے مگر وہ اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے اس فرض سے سبکدوش ہو گئے تھے مظہر قاضی بعد میں وزیراعظم بھٹو کے پریس سیکرٹری بھی رہے، مگر ان کی زندگی نے زیادہ وفا نہ کی۔

اگلے دن اتوار کو جناب بھٹو اور بیگم بھٹو برمنگھم تشریف لائے۔ ان کے اعزاز میں ایشیا ویکلی کی طرف سے کشمیر ریسٹورنٹ میں لنچ دیا گیا جس میں شہر کی ممتاز سیاسی اور سماجی شخصیات شریک ہوئیں۔ مدیر ایشیا نے ایشیا ویکلی اور پاکستانیوں کی طرف سے بھٹو صاحب کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ بلاشبہ نوجوان نسل کے رہنما ہیں، اس لیے آپ کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ آپ ملک کے اتحاد اور پاکستان کی بقاء کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کریں۔'' بھٹو صاحب نے یقین دلایا کہ مستقبل کی نسل کے رہنما کی حیثیت سے وہ پاکستانی عوام کو ساتھ لے کر چلیں گے۔''

شام کو بھٹو صاحب ٹاؤن ہال پہنچے تو ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، پرجوش تالیوں اور پاکستان زندہ باد، ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کے نعروں سے ان کا استقبال کیا گیا۔ جناب بھٹو نے ٹوری لیڈر اینک پاول کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں آپ کے لیے پاکستان میں کارخانہ لگاؤں گا تاکہ آپ کو اینک پاول جیسے نسل پرست رہنماؤں کی نفرت کا شکار نہ ہونا پڑے۔ جناب بھٹو نے کشمیریوں اور پاکستانیوں کے نعروں کی گونج میں کہا۔

''اگر مجھ میں اسلامی غیرت کا جذبہ نہ ہوتا تو میں یو این او میں کیوں کہتا کہ ہم بھارت کے خلاف ایک ہزار سال تک جنگ لڑیں گے۔ میرا آپ سے آج جو رابطہ ہوا ہے، وہ ہمیشہ قائم رہے گا۔''

یہ حقیقت ہے کہ یہ رابطہ ایک لازوال رشتہ ثابت ہوا، یہ اس رشتہ کا اعجاز تھا کہ برطانیہ میں ایسے عظیم کارکن منظر عام پر آئے جنہوں نے اپنے قائد سے سیاسی رفاقت کا عہد آخری سانس تک نبھایا۔ ان میں چند شخصیات کے نام قابل ذکر ہیں۔ مڈلینڈ کے شہر برمنگھم سے چوہدری زمان علی، غازی عبدالرحمٰن، چوہدری علی شان، حافظ علی احمد، بریڈفورڈ یارکشائر سے کپتان حکمداد، مرزا یعقوب، سلامت عطا، لنکا شائر کے شہر مانچسٹر سے چوہدری ظفر علی، جارج فیلکس، اسکاٹ لینڈ سے رفیع عارف اور لندن سے مختار میر کی پیپلز پارٹی کے لیے خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا برطانیہ میں مقیم محب وطن پاکستانیوں نے جس گرمجوشی سے والہانہ استقبال کیا اس سے واضح ہو گیا کہ جناب بھٹو پاکستانی عوام میں بے پناہ مقبول ہیں۔ ان کا پیغام ملک کے کروڑوں غریب اور فلاکت زدہ عوام کے لیے بڑی کشش رکھتا ہے۔ بریڈفورڈ اور برمنگھم میں جس طرح پاکستانیوں کا جوش و خروش دیکھنے میں آیا وہ پاکستان میں اس عوامی ابھار کا ردعمل تھا جو پاکستان کے گلی کوچوں میں ''جئے بھٹو'' کی صورت میں پھیل چکا تھا۔

مشرقی پاکستان میں یقیناً ایوب خان کی آمریت کے خلاف چلنے والی تحرک میں بنیادی کردار عوامی لیگ اور نیپ بھاشانی گروپ کا تھا، مگر مغربی پاکستان میں اس کی قیادت بھٹو صاحب ہی کر رہے تھے۔ ایوب خان نے گول میز کانفرنس کا ڈرامہ رچا کر اپنے اقتدار کو بچانے کی ناکام کوشش کی مگر بھٹو صاحب اور مولانا بھاشانی نے گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کر کے ایوب خان اور ان کے مشیروں کی سازش ناکام بنا دی جس کے بعد ایوب خان کے لیے اقتدار سے دستبردار

ہونے کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ نہیں رہا۔ایوب خان کو اس وقت جتنی جلدی اقتدار چھوڑنے کی تھی،اس سے زیادہ بے قراری ان کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان کو اقتدار حاصل کرنے میں تھی۔جنرل یحییٰ خان اور اس کے ساتھی جرنیلوں نے جب ملک کی ارتخ میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پہلے عام انتخابات کا اعلان کیا تو انہیں یقین تھا کہ الیکشن کے نتائج چاہے کچھ بھی ہوں مگر وہ ضرور ایک طویل عرصہ تک اقتدار میں رہیں گے۔

عام انتخابات پہلی آزمائش:

بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار قومی اسمبلی کے انتخابات 7 دسمبر اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات دس دن بعد 17 دسمبر 1970ء کو ہوئے،مخالف سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں پیپلز پارٹی ایک نوزائیدہ سیاسی جماعت تھی صرف تین سال کی مختصر مدت میں گو کہ پارٹی نے صوبہ سندھ،صوبہ پنجاب اور ایک حد تک صوبہ سرحد میں بھی خاصی مضبوط تنظیم سازی کر لی تھی مگر پیپلز پارٹی کے درمیانہ طبقے کے دانشوروں اور محنت کشوں کے نمائندوں کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ ان نامی گرامی الیکشن باز وڈیروں،سرداروں اور خانوں کا مقابلہ کرتے جو اپنے اپنے علاقوں میں برسوں سے اپنے خاندانی وشخصی اثر ورسوخ کے سبب الیکشن جیتتے آ رہے تھے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بھٹو ''لہر'' نے چاروں صوبوں کی روایتی سیاسی جماعتوں اور بڑے بڑے سیاسی گھرانوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔پیپلز پارٹی کے مقابلے پر اصل قوت جماعت اسلامی کی تھی جس نے اپنے غیر ملکی سرپرستوں کے بھرپور وسائل سے بھٹو خاندان کے خلاف ایک نفرت انگیز مہم چلائی ہوئی تھی اور اس الیکشن کو اسلام اور کفر کی جنگ میں تبدیل کر دیا تھا۔پیپلز پارٹی کے نعرے ''اسلام ہمارا دین ہے،جمہوریت ہماری سیاست،سوشلزم ہماری معیشت اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔'' کے نعرے کا پاکستان کے غریب اور محروم طبقات نے پرجوش استقبال کیا۔پیپلز پارٹی نے 1970ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات میں جنہیں ٹکٹ دیئے ان میں غالب اکثریت درمیانہ طبقے کے سیاسی کارکنوں اور دانشوروں کی ہی تھی۔7 دسمبر کو جب انتخابی نتائج آنا شروع ہوئے تو یہ کسی کے تصور میں بھی نہ تھا کہ سندھ اور پنجاب کے بڑے سیاسی گھرانے دولتانے،ٹوانے،نون، قریشی،گیلانی،چانڈیو وغیرہ کے مقابلے میں پی پی کے امیدواروں کو اتنی بھاری اکثریت سے

کامیابی حاصل ہوگی۔خاص طور پر اس الیکشن میں جماعت اسلامی کو شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اسے سارے ملک میں صرف چار نشستیں ملیں۔قومی اسمبلی کی 313 نشستوں میں سے 169 نشستیں مشرقی پاکستان کی تھیں۔جن میں سے 167 نشستیں عوامی لیگ نے جیتیں۔مغربی پاکستان کی 144 نشستوں میں سے 88 نشستوں پر پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی جبکہ صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب کی اسمبلیوں میں پیپلز پارٹی نے واضح اکثریت حاصل کی۔اس طرح ملک میں دو بڑی پارٹیاں ابھر کر آئیں۔مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی۔شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں جو 95 فیصد نشستیں ملیں اس کا سبب وہ چھ نکات پر مبنی انتہاپسندانہ پروگرام تھا جس کا منطقی نتیجہ علیحدگی کی صورت ہی میں نکلنا تھا۔اس صورتحال کا المناک پہلو یہ ہے کہ مغربی پاکستان کی وہ تمام جماعتیں جو نظریہ پاکستان کی داعی ہونے کی دعویدار تھیں پیپلز پارٹی کے ہاتھوں شکست کے بعد انتقام کی آگ میں اتنی اندھی ہوگئیں کہ انہوں نے ڈھاکہ جاکر باقاعدہ صف بنا کر شیخ مجیب الرحمٰن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ادھر یحییٰ خان اور اس کے قریبی جنرلوں کا خیال تھا کہ دونوں صوبوں میں کوئی پارٹی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کر سکے گی۔اس کے لیے انہوں نے مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ مخالف دائیں بازو کی مذہبی جماعتوں میں کروڑوں روپے تقسیم کیے مگر یحییٰ ٹولے کی متضاد اور منقسم انتخابی نتائج لانے کی سازش ناکام ہوگئی جس کے بعد انہوں نے اپنی سازش کے اس دوسرے راؤنڈ پر عمل کرنا شروع کر دیا جس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کسی بھی صورت میں پیپلز پارٹی اقتدار میں نہ آسکے۔ادھر عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن بھی مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کی بحیثیت سب سے بڑی سیاسی قوت ابھرنے سے خوش نہ تھے۔ان کا خیال تھا کہ مغربی پاکستان میں ان کے سیاسی حلیف اتنی نشستیں حاصل کرلیں گے جن کی بنیاد پر وہ پی پی کو اقتدار سے باہر رکھ کر مرکز میں حکومت بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔عوامی لیگ نے انتخابی نتائج مکمل ہونے کے فوراً بعد اعلان کیا کہ عوامی لیگ واحد اکثریتی جماعت ہے اور مرکز میں حکومت بنانا اس کا حق ہے۔انتخابات کے بعد جنرل یحییٰ خان شیخ مجیب سے ملاقات کے لیے ڈھاکہ پہنچے تو انہیں ایک بدلا ہوا شیخ مجیب الرحمٰن نظر آیا۔شیخ مجیب نے دوٹوک الفاظ میں جنرل یحییٰ سے کہا کہ نیا آئین چھ نکات کی بنیاد پر بنے گا اور وہ اس سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

☆☆☆

1971ء میں بھٹو صاحب یورپ کے دورہ پر پیرس آئے تو میں نے فون پر ان سے رابطہ کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں پیرس پہنچ جاؤں۔ پروگرام کے مطابق جب میں جارج پنجم ہوٹل پہنچا تو گو وہ پُر تپاک انداز میں ملے مگر میں نے ان کے چہرے پر موجود تفکرات سے اندازہ لگایا کہ وہ پاکستان میں ہونے والی تیز رفتار تبدیلیوں، خاص طور پر مشرقی پاکستان کے پس منظر میں بھارت کے جارحانہ عزائم کے بار میں بڑے متفکر ہیں۔انہوں نے مجھ سے پوچھا لندن میں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں آگاہ کیا کہ لندن میں صرف بنگلہ دیش کے قیام کے لیے ہی سازشیں نہیں ہو رہیں بلکہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر آزاد کشمیر میں بھی مسلح بغاوت کا منصوبہ بنایا گیا ہے اور اس سلسلے میں ایئر کموڈور جنجوعہ مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔میں نے انہیں اس تشویش سے بھی آگاہ کیا جو ان دنوں برطانیہ اور یورپ میں بنگلہ دیش کی ممکنہ کامیابی کے خطرے سے پاکستانیوں میں پائی جاتی تھی۔ بھٹو صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں انہیں لندن میں ہونے والی سازش سے آگاہ رکھوں تا کہ ان کا ممکنہ توڑ کیا جا سکے۔

پیرس ہی کی اس ملاقات میں بھٹو صاحب نے یہ بیان دیا کہ ''پاکستان کی سالمیت پر آنچ نہیں آنے دی جائے گی اور ملک کی وحدت کے خلاف صف آرا سازشی عناصر کو کچل دیا جائے گا۔'' ان کا یہ بیان لندن سے شائع ہونے والے اردو روزنامہ ''ایشیا'' میں شائع ہوا۔ ملک توڑنے کی سازش پاکستان سے باہر اپنے عروج پر تھی لیکن پاکستانی ذرائع ابلاغ میں جس طرح کی خبریں آ رہی تھیں اس سے پاکستانی عوام تاریکی میں رہے مگر لندن اور یورپ میں مغربی ذرائع ابلاغ کی خبریں بڑی تشویشناک تھیں۔ سقوط مشرقی پاکستان کا خطرہ ہر آنے والے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔

✧

سانحہ مشرقی پاکستان

بھٹو صاحب کے مخالفین کی جانب سے ان پر الزامات کی جو بارش ہو رہی تھی ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اپنے اقتدار کی خاطر مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بالواسطہ طور پر ملوث ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ مخالفین جوش مخالفت میں پاکستان کے خلاف عالمی سازش کو پس پشت ڈال کر پاکستان توڑنے والی قوتوں کی صفائی پیش کر رہے تھے اور بھارتی جارحیت کی تلخ حقیقت سے چشم پوشی کر کے اپنے سیاسی انتقام کی آگ بجھانا چاہتے تھے یہ عناصر پاکستان کے دشمنوں کے واضح کردار کو فراموش کر کے تاریخی حقائق کی نفی کرنے پر کمر بستہ تھے۔ بنگلہ دیش تحریک کا ہر طالب علم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ بھارت نے تخریب وسازش اور مسلح جارحیت کے ذریعہ پاکستان توڑنے کی کارروائی کی تھی اور اس کا یہ شرمناک ریکارڈ صاف کرنے کے لیے بھارت کو ایسے پاکستانی عناصر سے بہتر دوست اور کہاں سے مل سکتے تھے جو پاکستان توڑنے کی اس سازش میں ملوث اصل قوتوں کی بجائے اپنے ہی ملک کے ایک ایسے رہنما کو اس کا ذمہ دار قرار دینے کے لیے کوشاں تھے جس نے مشکل ترین حالات میں پاکستان کی بقاء کا تحفظ کیا تھا۔

مشرقی پاکستان میں بھارت کا کردار پاکستان کے خلاف اس بین الاقوامی سازش کا اہم حصّہ تھا جس کا مقصد پاکستان کو نیست ونابود کرنا تھا اور اس سازش میں یہودی لابی بھی بڑی سرگرم رہی تھی۔ جناب بھٹو کے سیاسی مخالفوں کا یہ رویہ اور استدلال بڑا ہی غیر منطقی تھا کہ بھارت نے مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتحال سے فائدہ اٹھایا ورنہ وہاں کوئی ایسی علیحدگی کی تحریک نہیں تھی جس سے بھارت فائدہ اٹھاتا۔

1971ء میں سنڈے ٹائمز نے پاکستان کے ایک معروف صحافی انتھونی مسکرنیس کی بنگلہ دیش

پر تحریر کردہ رپورٹ شائع کی۔اس کے بعد برطانوی اخبارات پاکستان کے حق میں کسی رائے کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔اس صورتحال کے بارے میں سنڈے ٹائمز نے اپنی تاریخ میں ایک موضوع پر پہلی مرتبہ چار صفحات مخصوص کیے اور دنیا بھر کی رائے عامہ کو اس حد تک پاکستان سے بدظن کر دیا کہ وہ پاکستان کے حق میں ایک لفظ تک سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔اس یلغار کے نتیجے میں پاکستان کے خلاف بے بنیاد الزامات کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ لندن اور مغربی ممالک میں مقیم محب وطن پاکستانی جیسے اس سازش میں کچل دیئے گئے ہوں۔ بنگلہ دیش تحریک کے خلاف محب وطن پاکستانیوں نے بہت بڑے احتجاجی مظاہرے کیے اور وطن عزیز کی سالمیت کے خلاف مصروف عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی لیکن مخالفین کے منظم پروپیگنڈے اور وسائل کے سامنے پاکستانیوں کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔اس کے برعکس جو چند پاکستانی شکست خوردہ سیاستدان بھارتی لابی کا آلہ کار بن کر پاکستان کے خلاف اس محاذ پر سرگرم کار تھے ان کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی کہ پاکستان کے خلاف ان کی ہرزہ سرائی دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہونے لگی اور نشریاتی اداروں سے ان کے بیانات غیر معمولی انداز میں نشر ہونے لگے۔

پاکستان دشمن قوتوں اور بھارت نے اپنے مقاصد کے لیے جن پاکستانیوں کو استعمال کیا ان میں وہ عناصر بھی شامل تھے جنھوں نے پاکستان کو ذہنی اور دلی طور پر کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے خلاف اس سازش کو نکتہ عروج پر پہنچانے کے لیے برطانیہ میں مقیم بعض عناصر نے غیر ملکی قوتوں کے ساتھ مل کر کام ہی نہیں کیا بلکہ پاکستان کے بعض رہنماؤں نے لندن آ کر بنگلہ دیش تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو ہدایات دیں اور انہیں پاکستان توڑنے کی اس تحریک میں پوری سرگرمی سے کام کرنے کے لیے کہا کیونکہ اس تحریک کی کامیابی سے ہی ان کے اپنے علیحدگی پسند نظریات میں عملی رنگ بھرا جا سکتا تھا۔

پاکستان توڑنے کے لیے جو تحریک شروع کی گئی تھی اس کو کامیاب بنانے کے لیے بے پناہ وسائل بروئے کار لائے گئے۔ پاکستان کی بنیاد پر ضرب کاری لگانے کے لٹریچر کی بھرمار تھی اور دوقومی نظریہ کو باطل ثابت کرنے کے لیے انہوں نے یہ ہتھیار استعمال کیا کہ بنگالیوں کا جو قتل عام کیا جا رہا ہے کیا وہ مسلمانوں کے ہاتھوں نہیں ہو رہا ہے؟ کیا اس کارروائی سے مسلم قومیت کی پاکستان بنانے کی بنیاد ختم نہیں ہوگئی ہے اور پاکستان اپنی موت مر نہیں چکا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ

مشرقی پاکستان میں بھارت کی سرپرستی میں مکتی باہنی نے گوریلا کارروائیاں شروع کی تھیں اور بنگالی قومیت کے نام پر پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کر کے وہاں کے عوام کو بدظن کر دیا گیا تھا۔ یہ نفرت اس حد تک تھی کہ لندن کے ہائیڈ پارک میں ایک ریلی میں مغربی پاکستان کے ایک لیڈر نے بنگلہ دیش کے حق میں تقریر کرنے کی کوشش کی تھی تو اسے مغربی پاکستانی ہونے کی وجہ سے خطاب کرنے سے روک دیا گیا تھا۔

پاکستان کے خلاف اس بین الاقوامی سازش کی کامیابی کے لیے جب بھارت نے فوجی کارروائی کی تو دنیا خاموش تماشائی بنی رہی۔ شیخ مجیب پاکستان سے رہا ہو کر ڈھاکہ پہنچے تو انہوں نے برطانیہ کے معروف ٹیلی ویژن براڈ کاسٹر ڈیوڈ فراسٹ کو پہلا انٹرویو دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ''بنگلہ دیش کی آزادی ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا اور بنگلہ دیش بننے کے بعد ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو پوری ہو گئی ہے۔'' کئی بھارتی مصنفوں نے بڑے فخر سے یہ اعتراف اور انکشاف کیا کہ شیخ مجیب مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لیے تقسیم ہند کے بعد سے ہی بھارت کے لیے کام کر رہے تھے۔

برطانوی پارلیمنٹ میں لیبر رکن جان اسٹون ہاؤس اور مشرقی پاکستان کے جسٹس ابوسعید چودھری بنگلہ دیش تحریک کے رواح رواں تھے۔ 1974ء میں اصغر خان لندن دورے پر آئے ہوئے تھے بنگلہ دیش تحریک کے برطانوی سربراہ جان اسٹون ہاؤس سے جب تحریک استقلال کے سربراہ نے لندن میں ملاقات کی تھی تو اصغر خان نے بنگلہ دیش کو ''کبھی منظور کبھی نامنظور'' کا سیاسی پس منظر رکھتے ہوئے جناب بھٹو پر یہی الزام لگایا تھا کہ وہ عوامی لیگ کی قیادت کو اقتدار کی منتقلی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے لیکن جان اسٹون ہاؤس نے بنگلہ دیش کے شہری کی حیثیت سے اصغر خان کا خیر مقدم کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں یہ کہا کہ دسمبر 70ء کے انتخابات میں شیخ مجیب اور عوامی لیگ کی کامیابی اس امر کا ریفرنڈم تھا کہ بنگالی عوام پاکستان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے اور اپنا علیحدہ ملک بنگلہ دیش بنانا چاہتے ہیں اور شیخ مجیب کی کامیابی بنگالیوں کے اسی عزم کا اعلان تھا اصغر خان نے اس ملاقات میں جان اسٹون ہاؤس کو یہ جتانے کی بھی کوشش کی تھی کہ مسٹر بھٹو پاکستان توڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اصل میں جناب بھٹو کے خلاف اس پاکستان دشمن پروپیگنڈے کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس موقف کو جائز قرار دے دیا تھا جو جان

اسٹون ہاؤس نے بنگلہ دیش تحریک کو پروان چڑھانے اور بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموا بنانے کے لیے پاکستان کے خلاف اختیار کیا تھا کہ پاکستانی افواج بنگالیوں پر ظلم وستم ڈھا رہی ہیں اور بنگالیوں کو ان کی مرضی کے خلاف جبر وتشدد کے ذریعے پاکستان کے ساتھ رکھنے کے لیے ان کے حقوق سلب کر رہی ہیں۔

بنگلہ دیش عالمی سازش سے ظہور میں آیا تھا بنگلہ قومیت کے نام پر علیحدگی کی تحریک کے بہت گھناؤنے مقاصد تھے۔اصل میں یہ ''تحریک'' پاکستان کو ختم کرنے کی ایک سازش تھی تا کہ اس خطہ میں بعض طاقتیں اپنے عالمی مفادات کو پورا کر سکیں۔ پاکستان کے خلاف اس سازش میں اس کے ابدی دشمن بھارت نے مرکزی کردار ادا کیا اور شیخ مجیب کے ذریعے بنگالی قومیت کو نفرت کی انتہا تک پہنچا کر دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک کے طور پر قائم نہیں رہ سکتا اور اس کی وحدت کی بنیاد ہی غلط ہے۔ پاکستان کے خلاف اس سازش کو گمراہ کن پروپیگنڈے سے پروان چڑھانے کے لیے عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے میں کامیابی حاصل کی گئی اور پروپیگنڈا کی دنیا میں پاکستان کے خلاف اتنا بڑا محاذ کھول دیا گیا کہ پاکستان دنیا میں تنہا ہو کر رہ گیا اور اس کی آواز یا موقف سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا یہی وجہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں بھارت کی فوجی جارحیت کا خاموشی سے ''خیر مقدم'' کیا گیا۔

بنگلہ دیش کے قیام کے لیے اس وقت کی امریکی یہودی لابی نے بھارت کو جنوبی ایشیا کی قیادت سنبھالنے کی ترغیب دی۔ برطانوی وزیر خارجہ مسٹر ڈگلس ہوم نے یہی تجویز بنگلہ دیش کے قیام کے فوری بعد بھارت کا دورہ کر کے نئی دہلی میں پیش کی۔ برطانیہ جانتا تھا کہ بنگلہ دیش بننے کے بعد طاقت کا توازن بھارت کے حق میں ہو جائے گا اور برطانوی وزیر خارجہ نے انہی نئے حقائق کو پاکستان کو بھی تسلیم کرنے کا مشورہ دیا تھا اور اس نئی صورتحال کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھارت کو یہ آشیر باد دی تھی کہ وہ اس علاقے کی بڑی طاقت کے طور پر ابھرے اور اسے ایشیا کی قیادت کرنی چاہیے۔اس وقت برطانوی منصوبہ یہ تھا کہ سیٹو کے متبادل انتظام کے طور پر بھارت کی قیادت میں نیا بلاک تشکیل دیا جائے جس میں بنگلہ دیش، ملائیشیا، فلپائن، تھائی لینڈ شامل ہوں اس بلاک میں انجام کار آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس طرح برطانیہ جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے مفادات کو بھارت سے قریبی اور قدیمی رشتوں کی وجہ سے محفوظ رکھ

سکے گا اور مشرق بعید سے برطانوی انخلاء کو قابل اعتماد حلیف بھارت پُر کر سکے گا۔

بنگلہ دیش کے اس سارے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر جب ہم بھٹو صاحب کے سقوط مشرقی پاکستان کے دنوں میں کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے تھے کیونکہ بنگلہ دیش تحریک کا پودا جو قیام پاکستان کے فوراً بعد زبان کی بنیاد پر لگایا گیا تھا وہ 70ء کے انتخابات کے بعد ایک تناور درخت بن چکا تھا۔ بھارتی حکمرانوں نے کھل کر اعلان کرنا شروع کر دیا تھا کہ اگر آزاد بنگلہ دیش کے لیے انہیں پاکستان سے ایک مکمل جنگ بھی لڑنی پڑی تو وہ اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ بھارت کے روس سے فوجی معاہدے کے بعد ہی سے پاکستان کی سرحدوں پر حالات کشیدہ ہونے شروع ہو گئے تھے اور کئی محاذ پر زبردست جھڑپیں بھی ہوئیں۔

یحییٰ خان کا فوجی ٹولہ جواب تک بھٹو صاحب کو نظر انداز کر رہا تھا سرحدوں پر کشیدہ صورتحال سے بڑا پریشان ہوا اور انہیں ایک بار پھر اپنا واحد قابل اعتماد دوست چین یاد آیا جس سے صرف بھٹو صاحب ہی کامیاب مذاکرات کر سکتے تھے۔ بھٹو صاحب کے چین کے دورے سے پاکستانی عوام کو بہت حوصلہ ملا مگر فوجی ٹولے کی بے حسی اور عاقبت نااندیشی نے بڑی تیزی سے سقوط مشرقی پاکستان کی راہ ہموار کر دی۔ 3 دسمبر کو بھارت نے مشرقی پاکستان کی داخلی صورتحال سے فائدہ اٹھا کر دونوں محاذوں پر کھلی جنگ کا آغاز کر دیا، مگر اس صورتحال سے بے خبر جنرل یحییٰ خان ایوان صدر میں محفلِ ناؤنوش لگائے ملک توڑنے کا تماشا دیکھ رہا تھا جو کچھ ہوا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔

لندن پلان:

جناب بھٹو نے جب شکست خوردہ پاکستان کا اقتدار سنبھالا تو عالمی دارالحکومتوں نے پاکستان کی سیاسی اہمیت کو یہ کہہ کر گھٹا دیا تھا کہ پاکستان جغرافیائی وحدت سے محروم ہونے کے عمل سے گزر رہا ہے اور وہ اپنی سلامتی کو درپیش اس بحران پر قابو نہیں پا سکے گا چنانچہ اس وقت پاکستان پر کئی طرف سے دباؤ کی شدت پیدا کی گئی اور اندرون ملک ایسی ہی صورتحال پیدا کر کے جناب بھٹو کے لیے بیشمار مشکلات پیدا کی گئیں یہاں تک کہ وزیراعظم بھٹو کو اقتدار سے معزول کرنے کے لیے بھارت میں پاکستان کے جنگی قیدیوں کے مسئلے کو بھی حربے کے طور پر استعمال کیا گیا۔ شیخ مجیب نے یہ اعلان کیا کہ وہ پاکستان کے 195 جنگی قیدیوں پر مقدمات چلائیں گے۔ انہوں نے

پاکستانی مسلح افواج کے چھ اعلیٰ جرنیلوں پر مقدمے چلا کر پھانسی دینے پر بھی اصرار کیا۔ بھٹو صاحب اس سخت آزمائش میں شیخ مجیب کے مطالبہ کے سامنے نہیں جھکے اور باوقار طور پر اس مسئلہ کو حل کیا پاکستانی افواج کے اعلیٰ افسروں پر مقدمہ کی کارروائی سے یہ مقصود تھا کہ پاکستان کی افواج نے ملک کی سلامتی کا تحفظ کرنے کے لیے علیحدگی پسند تخریب کاروں اور باغیوں کے خلاف جو کارروائی کی تھی اسے غلط ثابت کیا جائے اور علیحدگی کی تحریک کے بجائے اسے بنگالی عوام کی قومی آزادی کا دعویٰ تسلیم کروایا جائے۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس طرح پاکستان کی بنیاد کو ہلا کر اس کے مزید ٹکڑے کرنے کی راہیں کھول دی جائیں اور پاکستان میں دوسرے علیحدگی پسند عناصر کو اپنے مذموم مقاصد اور منصوبوں میں کامیاب ہونے میں مدد دی جائے تاکہ پاکستان کے دوسرے ''شیخ مجیب'' باقی ماندہ پاکستان میں مزید بنگلہ دیش بنا سکیں اور جو عناصر پاکستان کی وحدت پر ایمان نہیں رکھتے، پاکستانی قومیت کے بجائے مختلف قومیتوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مسلم قومیت کی بنیاد کو تاراج کر کے ''بھارت ماتا'' کی تقسیم کو غلط ثابت کر سکیں۔ بنگلہ دیش کے معرض وجود میں لانے کے لیے بعض طاقتوں کی یہی پالیسی تھی اور پھر پاکستان میں سیاسی صورتحال کو سازگار پا کر بھارت کی پیٹھ ٹھونکی جا رہی تھی کہ وہ جنوبی ایشیا کی قیادت سنبھال لے لیکن بھٹو صاحب کے اقتدار سنبھالنے سے امریکہ، برطانیہ اور ان تمام مغربی ممالک کا جنہوں نے بنگلہ دیش کے قیام کے لیے بھارت کی پشت پناہی کی تھی سارے کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا مگر یہ عناصر سقوط مشرقی پاکستان کے بعد بھی چین سے نہیں بیٹھے کیونکہ ان کا اصل مقصد تو باقی ماندہ پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانا تھا۔ اس کے لیے ایک بار پھر لندن کو مرکز بنایا گیا اور مغربی پاکستان کے تمام سرکردہ پاکستان دشمن عناصر جمع ہونا شروع ہو گئے۔

پاکستان دشمن قوتوں کے آلہ کار جن میں پاکستانی لیڈروں نے 72ء میں لندن قیام کے دوران پاکستان کی تقسیم در تقسیم کا منصوبہ بنایا تھا اس وقت ملکی سالمیت کے خلاف اس سازش میں ناکامی کے بعد انہی عناصر نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں تیز کر دی تھیں۔ لندن میں مقیم پاکستان کے مختلف رہنماؤں نے شیخ مجیب کے تعاون سے بھٹو حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام طے کیا تھا جس کے بعد پاکستان بنگلہ دیش کی طرح چار خودمختار ریاستوں میں منقسم ہو جاتا۔ مزید برآں آزاد کشمیر اور بہاولپور بھی خودمختار ریاستوں کی حیثیت اختیار کر لیتے نواب اکبر بگٹی نے

16 اپریل 72ء کو لندن ہی میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ پاکستان پانچ سال کے اندر ختم ہو جائے گا جب میں نے روزنامہ نوائے وقت میں لندن میں ہونے والی علیحدگی پسندوں کی سرگرمیوں کی رپورٹنگ شروع کی تو ذرائع ابلاغ نے اسے ''لندن پلان'' کا نام دیا۔

شیخ مجیب 72ء میں اپنے علاج کے لیے سوئٹزرلینڈ آئے تو لندن میں پاکستان کے خلاف سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں۔ پاکستان کے کئی رہنما مختلف بیماریوں کے بہانے لندن میں جمع تھے۔ شیخ مجیب کے ان دوستوں نے سوئٹزرلینڈ میں بنگلہ بندھو کی عیادت کے دوران شیخ مجیب سے یہ ساز باز کی کہ 70ء کے انتخابات میں عوامی لیگ کو چونکہ واضح اکثریت حاصل ہوئی ہے اس لیے شیخ مجیب اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے پورے پاکستان پر حکمرانی کا مطالبہ کردیں تا کہ باقی چھوٹے صوبے بھی پنجاب کے غلبہ سے اسی طرح نجات حاصل کرسکیں جس طرح بنگالی عوام مغربی پاکستان کے تسلّط سے آزاد و خودمختار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کے ان رہنماؤں نے شیخ مجیب کو مکمل حمایت کا یقین دلاتے ہوئے انہیں یہاں تک پیشکش کردی کہ اگر غالب آبادی والے صوبے پنجاب نے اس اسکیم میں مزاحمت کی کوشش کی تو بلوچستان اور سرحد جہاں ولی خان کی نیشنل عوامی پارٹی کی اکثریت ہے، سندھ کو بھی اپنے ساتھ ملا کر بنگلہ دیش کے ساتھ فیڈریشن کا اعلان کردیں گے اور اس طرح پنجاب اور افواج بے بس ہو کر رہ جائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے بعد افواجِ پاکستان اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ تینوں صوبوں کے فیصلہ کو زبردستی دبا سکے۔ بھارت میں جنگی قیدیوں کے علاوہ پاکستانی فوج دنیا کی نظر میں پہلے ہی معتوب ہو چکی ہے اور بھارت کے نفسیاتی دباؤ کی وجہ سے وہ کوئی کارروائی کرنے سے گریز کرے گی۔ شیخ مجیب نے ان رہنماؤں سے یہ پوچھا تھا کہ اگر اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے وہ سرحد میں ولی خان، بلوچستان میں اکبر بگٹی، سندھ میں محمود ہارون اور تحریک استقلال کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل ملک غلام جیلانی کو پنجاب کا گورنر مقرر کرنے کا اعلان کردیں تو پنجابی افواج کی موجودگی میں وہ اپنی اتھارٹی اور احکام کس طرح نافذ کرا سکیں گے۔ اسکا جواب دیتے ہوئے انہوں نے پنجاب کے بغیر تینوں صوبوں سرحد، بلوچستان اور سندھ کی بنگلہ دیش کے ساتھ فیڈریشن بنانے کا متبادل منصوبہ پیش کیا تھا۔ ان رہنماؤں نے شیخ مجیب کو قائل کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے بنگالی عوام کے لیے آزادی حاصل کرلی ہے اب پٹھانوں، بلوچوں اور سندھیوں کو بھی پنجاب کی بالادستی سے

نجات دلانے میں ان کی مدد کریں تاکہ یہ تینوں صوبے بنگلہ دیش ہی کی طرح آزادی اور خودمختاری حاصل کر سکیں چنانچہ شیخ مجیب اور ان پاکستانی رہنماؤں میں مسٹر بھٹو کو اقتدار سے محروم کرنے کا یہ منصوبہ طے پا گیا کہ شیخ مجیب یورپ سے واپسی کے بعد ڈھاکہ جا کر ولی خان، اکبر بگٹی، محمود ہارون اور ملک غلام جیلانی کو چاروں صوبوں میں اپنے آئینی گورنر مقرر کرنے کا اعلان کر دیں گے اور اس کے لیے نومبر 72ء کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی تھی۔ اس منصوبہ میں ان عناصر کو بھارت کی بھی حمایت حاصل تھی اور جنیوا میں بھارتی سفیر نے اپنی حکومت کے خصوصی ایلچی کی حیثیت سے شیخ مجیب سے خصوصی ملاقات بھی کی۔ ان ایام میں نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں نے صوبائی خودمختاری کا مطالبہ بڑے زور سے شروع کر رکھا تھا اور ولی خان نے لندن پہنچ کر بی بی سی اور ٹائمز کو جو انٹرویو دیئے تھے اس میں پنجابی غلبے سے نجات پانے کے لیے صوبائی خودمختاری کے مطالبہ کا اعادہ کیا تھا۔ شیخ مجیب پاکستان کا نام تک سننے کے روادار نہ تھے اور اس منصوبہ میں بھی انہوں نے یہی موقف اختیار کیا تھا کہ ان کا نصب العین بنگلہ دیش کا قیام تھا اور انہیں اب پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پاکستان سے مجیب کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ ان کے پرانے دوست میاں دولتانہ شیخ مجیب کی عیادت کے لیے گئے تو شیخ مجیب نے ان سے ملنے سے اس لیے انکار کر دیا کہ وہ برطانیہ میں پاکستان کے سفیر ہیں۔

ایک پختون رہنما نے اسی زمانے میں ''پاکستان کی سہ طرفہ تقسیم'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا جس میں عظیم تر افغان مملکت کے ظہور پذیر ہونے کا ذکر کیا۔ انہوں نے اس مقالہ میں پاکستان کی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ پاکستان ٹوٹ کر تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کے بعد صوبہ سرحد اور بلوچستان عظیم تر افغان مملکت کا حصہ بن جائے گا۔ پختون لیڈر کا یہ مقالہ برطانوی جریدہ ''راؤنڈ ٹیبل'' میں شائع ہوا۔ انہوں نے یہ مقالہ ستمبر 1971ء میں اپنے دورہ لندن کے دوران تحریر کیا تھا اور پختونستان کے قیام کے منصوبہ کی تصدیق مشہور برطانوی اخبار ''اسکاٹ مین'' نے 1972ء کے وسط میں ایک اشاعت میں کی تھی۔ ''اسکاٹ مین'' کے سیاسی وقائع نگار مسٹر جے لاخ نے مشرقی یورپ کے سفارتی ذرائع کے حوالہ سے اس رہنما کے عظیم تر افغان مملکت کے منصوبہ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ لیڈر اور ان کی پارٹی پاکستان کو توڑ کر بلوچستان اور سرحد کو پختونستان بنانے کے لیے کام کر رہی ہے اور اسے

اس منصوبے میں بعض بڑی طاقتوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔

نواب اکبر بگٹی ان دنوں لندن اور یورپ کے ذرائع ابلاغ میں ٹائیگر آف بلوچستان اور بلوچستان کا مجیب کے نام سے شہرت اختیار کر چکے تھے۔ وہ لندن کے مشہور ہوٹل کمبر لینڈ میں رہائش پذیر تھے اور وہاں انہوں نے اپنی قومیت پاکستانی کی بجائے ایشیائی لکھائی تھی اکبر بگٹی کے رابطے یورپ اور لندن میں ان تمام عناصر سے تھے جنہوں نے بنگلہ دیش تحریک کے لیے کام کیا تھا۔

مسٹر جے لاخ نے ''اسکاٹ مین'' میں سرحد اور بلوچستان کو پختونستان بنانے کے منصوبہ کی نشاندہی اور تصدیق کی تھی اس کا انکشاف نواب اکبر بگٹی نے 16 اپریل 1972ء کو لندن میں ایک انٹرویو میں کیا تھا۔ اکبر بگٹی نے بڑے دعوے کے ساتھ کہا تھا کہ جس طرح ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی ہے کہ بنگلہ دیش بن کر رہے گا اس طرح وہ یہ پیش گوئی کر رہے ہیں کہ پختونستان بن کر رہے گا اور اس کے قیام کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

بھٹو صاحب نے اس ساری صورتحال کو بڑے تحمل اور بردباری سے سنبھالا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں گو کہ نیشنل عوامی پارٹی کی اکثریت نہیں تھی مگر بھٹو صاحب نے ملک کے وسیع تر مفاد میں دونوں صوبوں میں گورنر اور وزرائے اعلیٰ نیپ کے نامزد کردہ ارکان ہی بنائے۔ بھٹو صاحب کے اس وقت دو ہی بنیادی مقاصد تھے ایک تو ہندوستان جا کر پاکستانی سرزمین کو بھارتی قبضہ سے چھڑانا اور دشمن کی قید سے نوے ہزار فوجیوں کی رہائی اور دوسرے تمام سیاسی جماعتوں کی حمایت سے ایک متفقہ آئین کی تشکیل۔ بھٹو صاحب اپنے اقتدار میں آنے کے صرف سال بھر ہی میں ان دونوں مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اقتدار کی آزمائش

پاکستان میں پیپلز پارٹی کے اقتدار سنبھالنے کے بعد اکتوبر 72ء میں بیگم نصرت بھٹو پہلی مرتبہ لندن تشریف لائیں اور پاکستانی سفیر میاں ممتاز دولتانہ کی سرکاری رہائش گاہ پر قیام کیا وہاں میری بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔انہوں نے مجھے اسلام آباد میں وزیر اعظم ہاؤس میں ان سے باقاعدہ رابطہ رکھنے کے لیے کہا۔ میں نے ان سے جناب بھٹو سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا جب آپ پاکستان آئیں گے تو صدر بھٹو سے ملاقات کا وقت دے دیا جائے گا۔ مارچ 1973ء میں مجھے پیغام ملا کہ پاکستان پہنچ کر بیگم صاحبہ سے ایوان وزیر اعظم میں رابطہ کروں۔ پاکستان پہنچنے کے بعد میری بیگم صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ کمال شفقت سے پیش آئیں۔ وزیر اعظم ہاؤس میں خاتون اوّل سے ملاقات کا یہ پہلا تجربہ تھا اور میرے لیے انتہائی فخر وانبساط کی بات تھی۔

بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ میں پاکستان واپس آ کر ان کے ساتھ کام کروں۔اس کے جواب میں نے ان سے کہا ''میں انگلینڈ میں ہی ٹھیک ہوں، وہاں بھی آپ ہی کے لیے کام کر رہا ہوں۔'' انہوں نے مجھے یہ خوش کن اطلاع بھی دی کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو چند دنوں میں آپ کو ملاقات کا وقت دیں گے۔اس کے دو دن بعد صدر بھٹو سے ایوان صدر میں ملاقات ہوئی اتوار کا دن تھا وہ فائلوں میں گھرے ہوئے تھے۔بھٹو صاحب نے لندن کے احوال پوچھے اور کہا کہ بیگم صاحبہ کی خواہش کے مطابق کیا میں پاکستان میں کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔اس پر میں نے کہا کہ میں لندن میں ہی ٹھیک ہوں۔اس زمانے میں نوائے وقت کی پی پی حکومت سے محاذ آرائی چل رہی تھی اور حکومت نے اس کے اشتہارات بند کیے ہوئے تھے۔ میں نے نوائے وقت سے

اپنے دیرینہ تعلق کے سبب جناب بھٹو سے نوائے وقت کے اشتہارات بحال کرنے کی گزارش کی بھٹو صاحب نے اسی وقت سیکرٹری اطلاعات نسیم احمد مرحوم کو فون کر کے ہدایات دیں۔

دوران گفتگو انہوں نے پکاڈلی کے علاقہ میں واقع ''شفیع ریسٹورنٹ'' کے بارے میں پوچھا اپنے طالب علمی کے زمانے میں وہ یہاں کھانا کھایا کرتے تھے۔ میں نے بھٹو صاحب کو بتایا کہ آج کل لندن میں تندوری ریسٹورنٹ کا بزنس خوب چل رہا ہے اور شیزان ریسٹورنٹ بہت مقبول ہے۔ اردن کے شاہ حسین نے پورا ریسٹورنٹ بک کیا تھا، شہزادی مارگریٹ بھی وہاں کھانے کے لیے گئی تھیں اور پچھلے دنوں انڈین ایئر لائن نے بھی بہت بڑی دعوت کی تھی۔ بھٹو صاحب نے یہ سن کر فوراً فون اٹھایا اور اے ڈی سی سے ڈائریکٹر آئی بی سے بات کرانے کو کہا۔ بھٹو صاحب نے ان سے کہا کہ لندن میں پاکستانی ہائی کمشنر دولتانہ صاحب کو میرا یہ پیغام دیں کہ شاہنواز (شیزان کے مالک) سے کہیں کہ ان کے پاس کافی دولت ہے اسے نیک کام کے لیے خرچ کریں اور اپنے ریسٹورنٹ کو ہندوستان کی جاسوسی کا اڈا نہ بنائیں۔

☆☆☆

بھٹو صاحب کو بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ایک ایسے باقی ماندہ پاکستان کی باگ ڈور ملی تھی کہ جس کے ہر شعبے میں تباہی و بربادی کا دور دورہ تھا۔ زرمبادلہ کے ذخائر خالی تھے۔ صنعت وتجارت دگرگوں تھی۔ پاکستان کا ایک بڑا علاقہ بھارتی تحویل میں تھا۔ 90ہزار فوجی دشمن کی قید میں تھے۔ ان ہزاروں قیدیوں کے خاندانوں کا بھٹو حکومت پر بڑا سخت دباؤ تھا کہ وہ انہیں فوری طور پر واپس لائیں مگر یہ سب کچھ اتنا آسان نہ تھا ایک طرف تو ٹوٹے پھوٹے پاکستان کی تعمیر اور دوسری طرف بھارت جیسے مکار دشمن سے مذاکرات کے ذریعہ پاکستانی سرزمین اور جنگی قیدیوں کی باعزت واپسی مگر تاریخ میں یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جب کسی سیاسی رہنما کی قائدانہ صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ بھٹو صاحب نے سب سے پہلے اپنے عوامی جلسوں اور ذرائع ابلاغ سے دیئے جانے والے انٹرویوز میں اپنے پرجوش زور خطابت سے سقوط مشرقی پاکستان کے صدمے سے مایوس عوام کو حوصلہ دیا کہ وہ ایک نئے پاکستان کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ دوسری جانب بھٹو صاحب نے اپنے دیرینہ دوست چین اور مسلم دنیا سے رابطوں میں تیزی لانی شروع کی۔ اقتدار میں آنے کے صرف چھ ماہ بعد شملہ معاہدہ کے ذریعہ بھٹو صاحب نے اتنی بڑی کامیابی

حاصل کی جس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملتی ہے۔

نیپ ریفرنس:

جن دنوں پاکستان میں نیشنل عوامی پارٹی کے قائدین کے خلاف نیپ ریفرنس کیس چل رہا تھا تو مجھے وزیراعظم سیکریٹریٹ سے یہ پیغام ملا کہ میں فوراً پاکستان پہنچوں۔ پاکستان پہنچ کر میری اٹارنی جنرل جناب یحییٰ بختیار سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے نوائے وقت میں میرے مضامین اور رپورٹنگ کے تراشے دکھائے اور کہا کہ یہ سپریم کورٹ میں بطور شہادت پیش کیے گئے ہیں اور مجھے نیپ ریفرنس کیس میں بطور گواہ پیش ہو کر ان کی تصدیق کرنا ہے اور اس حوالے سے میرا بیان بہت اہم ہے میں نے اپنی رپورٹنگ اور مضامین کی صداقت کے پیش نظر یہ فرض قبول کرلیا۔

مارچ 1973ء میں پہلی بار جب میں صدر ذوالفقار علی بھٹو سے ملا تھا تو خاص طور پر بھٹو صاحب نے سابق ایئر کموڈور راے کے جنجوعہ کا ذکر کیا اور کہا کہ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھ سے لندن میں کہا تھا کہ میں جنجوعہ کو پارٹی کی لندن شاخ کا کنونیئر بنادوں اکتوبر 72ء میں مجھے جنجوعہ کی حقیقت کا علم ہوا کہ راولپنڈی سازش کیس کا یہ سزایافتہ ایوب خان کے لیے کام کر رہا تھا۔ انہوں نے 1960ء میں اسے پی آئی اے لندن کا سربراہ بنا کر بھیجا تھا۔ بھٹو صاحب نے مجھے بتایا کہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک طرف تو جنجوعہ پاکستانی انٹیلی جنس کا تنخواہ دار تھا دوسری جانب یہ لندن میں بیٹھ کر پاکستان مخالف قوتوں کے لیے کام کرتا تھا۔ بنگلہ دیش کی تحریک میں اس نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہماری حکومت کے خلاف جب کابل سے نیپ نے تخریبی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو جنجوعہ نے لندن میں وہاں نیپ کا ہیڈکوارٹر قائم کیا اور پاکستان کے خلاف بھرپور تحریک چلائی۔ میں نے یحییٰ بختیار کے معاون وکلاء سے پوچھا کہ اگر مجھ سے جنجوعہ کے بارے میں عدالت عظمیٰ میں سوال کیا گیا تو میں کیا جواب دوں گا۔ یحییٰ بختیار کے معاون وکیل ڈی ایم اعوان نے کہا کہ وہ اس بارے میں نہیں پوچھیں گے۔ مجھے کسی عدالت میں پیش ہونے کا کوئی تجربہ نہ تھا لہٰذا میں نے وہاں وہ سب کچھ کہہ دیا کہ کس طرح لندن میں بعض رہنما پاکستان توڑنے کی سازش کر رہے تھے اور ایئر کموڈور جنجوعہ جو لندن میں بیٹھ کر نیشنل عوامی پارٹی کے لیے کام کر رہا ہے۔ ایوب خان کے زمانے سے پاکستان انٹیلی جنس کا ایجنٹ ہے جب عدالت کے ججوں میں سے ایک جسٹس،

جسٹس یعقوب علی خان نے مجھ سے پوچھا کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ جنجوعہ پاکستانی انٹیلی جینس کا تنخواہ دار ہے، آپ کا سورس کیا ہے اب میں یہ تو کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس بارے میں مجھے بھٹو صاحب نے بتایا تھا۔ عدالت سے واپسی کے بعد میں شدید ذہنی پراگندگی کا شکار تھا مجھے یہ سوچ کر ندامت ہورہی تھی کہ میں نے جنجوعہ کی اصلیت تو بے نقاب کردی ہے اور اگر اس کا ثبوت نہیں ملا تو مجھے جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اب جب میں نے بختیار صاحب سے کہا کہ جنجوعہ کے بارے میں خود بھٹو صاحب نے مجھے یہ بتایا تھا اور اسی لیے میں نے ڈی ایم اعوان اور غلام علی میمن صاحب سے رہنمائی چاہی تھی۔

یحییٰ بختیار کو احساس ہوا کہ ان کے معاون وکلاء نے اس بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا کہ اگر عدالت نے سوال کردیا تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ بختیار صاحب نے اسی وقت اعلیٰ سطح پر انٹیلی جینس بیورو سے رابطہ کیا اور انہیں سختی سے کہا کہ وہ فوری طور پر ایئر کموڈور جنجوعہ کی فائل پیش کریں۔ بختیار صاحب اٹارنی جنرل ہی نہیں اس وقت حکومت میں بھی بڑے اہم آدمی سمجھے جاتے تھے۔ اگلی صبح انہوں نے کارروائی شروع ہونے سے پہلے بتایا کہ انہیں وہ فائل مل گئی ہے جس میں ریٹائر ایئر کموڈور جنجوعہ کے بارے میں انتہائی واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ وہ 1960ء ہی سے پاکستان انٹیلی جینس کا لندن میں تنخواہ دار ایجنٹ ہے اور اکتوبر 1972ء تک لندن میں فرائض انجام دیتا رہا ہے۔ بختیار صاحب نے یہ فائل کورٹ میں پیش کردی جس میں جنجوعہ سمیت اور بہت سے نام تھے۔ جو آئی بی کے لیے کام کررہے تھے۔ تمام فاضل ججوں نے فائل دیکھنے کے بعد مجھ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ اس دن مجھ پر ایک عجیب سی سرشاری کی کیفیت طاری تھی گزشتہ چند دنوں میں، میں نے عدالت میں جو بیانات دیئے تھے ان کو ٹی وی اور اخبارات میں بڑی کوریج ملی تھی۔ جنجوعہ کے بارے میں اس انکشاف کے بعد جہاں ذاتی طور پر مجھے سرخروئی حاصل ہوئی وہیں اخبارات وجرائد میں انٹیلی جینس ایجنسیوں کے خلاف بھی بڑا شدید ردعمل ہوا کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں کہ ایک طرف تو حکومت کی انتہائی اہم اور حساس ایجنسیوں سے منسلک ہیں اور دوسری طرف ملک توڑنے والی قوتوں کے بھی آلہ کار ہیں۔

31 جولائی 1975ء کو وزیراعظم ہاؤس میں بھٹو صاحب سے میری ملاقات ہوئی، وہ بہت خوش تھے۔ بھٹو صاحب نے نیپ ریفرنس کیس کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''میری شہادت بہت مؤثر تھی

اور آپ نے بڑی جرأت سے ملک دشمنوں کو بے نقاب کیا۔''

اس ملاقات میں بھٹو صاحب نے مجھے بتایا کہ انہیں نوائے وقت کے ساتھ میرے اختلافات کی اطلاع ملی ہے اور مجھے پیشکش کی کہ میں نوائے وقت کی بجائے مساوات کے لیے کام شروع کروں۔ یہ بڑی خوشگوار شام تھی بھٹو صاحب بہت اچھے موڈ میں تھے اور میں بڑی بے تکلفی سے بات کر رہا تھا میں نے انہیں بتایا کہ مجید نظامی صاحب سے میرے بہت دیرینہ تعلقات ہیں۔ میں ان سے بالمشافہ بات کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ دنوں بعد نوائے وقت کے دفتر میں نظامی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کا موقف تھا کہ سپریم کورٹ کے معاملہ پر مجھے ان سے پیشگی اجازت لینی چاہیے تھی۔ اس کے برعکس میرا استدلال تھا کہ نوائے وقت میں، میں نے جو کچھ 1971ء سے 1974ء تک لکھا اور رپورٹ کیا، وہ نوائے وقت میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا اور ان پر اداریے لکھے گئے۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ 1975ء میں نیپ ریفرنس کیس بنے گا اور عدالت عظمیٰ میں ان چار سالوں کی تحقیقاتی رپورٹنگ بطورِ ثبوت پیش کی جائے گی اور میرا بطور گواہ پیش ہونا رپورٹنگ کی صداقت کا تقاضا تھا۔

اس صورتحال کا ایک تو خوش کن پہلو ہے اور دوسرا افسوسناک کہ جہاں ایک جناب وزیراعظم بھٹو نے اسے میرے لیے قابل تعریف اور باعث فخر کارنامہ قرار دیا وہیں اسی کے نتیجے میں نوائے وقت سے میری طویل رفاقت ختم ہوگئی۔

بنگلہ دیش بننے کے بعد ایسی کتابیں اور دستاویزات سامنے آئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیخ مجیب اور عوامی لیگ کے دیگر رہنماؤں کا بنگلہ دیش تحریک کے لیے قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے ہی بھارت کے ساتھ رابطہ تھا۔ نیپ ریفرنس کیس میں جو شہادتیں پیش کی گئیں ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ نیپ کے اہم رہنماؤں کو آزاد بلوچستان اور پختونستان کی آزادی کے لیے افغانستان، بھارت اور روس کی حمایت حاصل تھی۔

سازش کا جال:

یہ بات کوئی راز نہیں رہی ہے کہ بھٹو صاحب کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مارچ 1977ء کے الیکشن میں دھکیلا گیا تھا۔ بھٹو صاحب نے اپنی کتاب ''اگر میں قتل کیا گیا'' میں جس

طرح اپنے ایک وزیر رفیع رضا کے بارے میں انکشاف کیا اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ، فوجی جنرل اور پی این اے کا گٹھ جوڑ مارچ 1977ء کے الیکشن سے کہیں پہلے ہو چکا تھا۔ بھٹو صاحب اس وقت ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔ انہیں اس بات کا بھرپور ادراک تھا کہ اگر اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کا ایک ملک ایٹم بم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر طاقت کا توازن ہندو، یہودی اور مغربی سامراج کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ خاص طور پر اسلامی سربراہ کانفرنس اور چین کو اقوام متحدہ کی رکنیت دلانے کے لیے بھٹو صاحب نے جو کردار ادا کیا تھا اس سے وہ اسلامی اور تیسری دنیا کے ایک ہردلعزیز قائد کے طور پر ابھرے تھے ان کا نام مصر کے جمال ناصر اور انڈونیشیا کے سویکارنو کے ساتھ لیا جانے لگا تھا۔ بھٹو صاحب اور پی پی کے کٹر مخالف بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اگست 1976ء میں اپنے دورے کے اختتام پر امریکی وزیر خارجہ کی بھٹو صاحب کو یہ دھمکی کہ "اگر پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام رول بیک نہیں کیا تو انہیں ایک بھیانک مثال بنا دیا جائے گا۔" محض ایک دھمکی نہیں تھی بلکہ اس کے بعد ایک منظم منصوبہ بندی کے ساتھ بھٹو صاحب کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کی سازش پر عملدرآمد شروع کر دیا گیا تھا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ امریکہ یا کوئی بھی بیرونی قوت اس وقت تک اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ اندرون ملک اور حکومت کے اندر ان کے حامی عناصر ان سے تعاون نہ کریں۔ یہی وہ تاریخی موڑ ہے جب کسی پارٹی اور قیادت کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ بیرونی طاقتوں اور ان کی جانب سے کی جانے والی سازشوں کا کس طرح مقابلہ کرتی ہے دنیا میں کم از کم دو ایسی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ایک کیوبا کے صدر فیڈل کاسترو اور دوسرے لیبیا کے صدر معمر قذافی، جن کے خلاف امریکہ اور ان کے حامیوں نے پوری دو دہائی تک باقاعدہ جنگی بنیادوں پر انہیں اقتدار سے ہٹانے کی مہم چلائی مگر وہ اس میں ناکام رہے۔ پاکستان کی صورتحال ذرا مختلف تھی ایک تو بھٹو صاحب کو تمام محاذوں پر لڑائی خود لڑنی پڑی۔ جہاں تک پارٹی کا تعلق ہے تو وہ اتنی جلد اقتدار میں آئی کہ اس کے مختلف سطح کے لیڈر نظریاتی طور پر ایک دوسرے سے ورکنگ ریلیشن قائم نہ کر سکے اور اپنے ذاتی مفادات کے لیے جلد ہی ایک دوسرے کے مقابل آ گئے۔ بھٹو صاحب اور خود اس وقت کی پیپلز پارٹی 1976ء کے اختتام تک مکمل طور پر نوکر شاہی اور انٹیلی جینس کے افسران کے نرغے میں آ چکی تھی۔ یوسف بچ، حیات محمد ٹمن، مسعود محمود، سعید احمد خان، محض چند علامتی نام ضرور

تھے مگر یہ لوگ کس طرح آئے اور پھر کیسے بھٹو صاحب کی آنکھ، کان اور زبان بن گئے یہ بھی ایک راز ہی ہے پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ 1970ء میں چاروں صوبوں میں جن بڑے سیاسی گھرانوں نے پیپلز پارٹی کے ہاتھوں شکست کھائی تھی۔ان میں سے بیشتر اپنی روایتی موقع پرستی کے سبب پیپلز پارٹی میں شامل ہو چکے تھے مگر اپنے طبقاتی پس منظر کے سبب انہوں نے دل سے بھٹو صاحب کی قیادت اور پارٹی کے منشور کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ مارچ 1977ء میں جب ہم پیپلز پارٹی کے قومی وصوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی فہرستوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان تمام وڈیروں، جاگیرداروں اور نوابوں کے نام نظر آئیں گے جو 1970ء کے انتخابات میں پارٹی کے کٹر طبقاتی دشمن تھے۔ 1977ء کے الیکشن کی جیسے جیسے دھمک تیز ہوتی گئی سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد کے پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کی مضحکہ خیز خبروں سے اخبارات کے کالم سیاہ نظر آنے لگے۔لوگوں کو بسوں، ویگنوں اور ٹرکوں میں لانے کا کام اس علاقے کا اے سی، ڈی سی اور ایس ایچ او کرتا تھا۔ ان دنوں میں پاکستان میں تھا اور ایک دوست کے ہمراہ پنڈی جا رہا تھا تو گجرات میں دیکھا کہ ویگنوں اور ٹرکوں کو پکڑا جا رہا ہے۔اس علاقے میں زیادہ تر لوگوں کا ذریعہ روزگار یہ ویگنیں اور بسیں ہی تھیں جنہیں حکومتی کارندے چھین رہے تھے اور لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر حکومت کو بددعائیں دے رہے تھے وہاں پر موجود میں نے ایک ایس ڈی ایم سے پوچھا کہ یہ تم کس کے حکم سے کر رہے ہو تو اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اوپر والوں کے حکم سے'' اگلے دن میں اور میرے دوست نے راؤ رشید سے پوچھا جو اس وقت بھٹو صاحب کے سیکرٹری تھے اور ایک دیانتدار اور طاقتور افسر کی حیثیت سے مشہور تھے کہ سرکاری افسر یہ کیوں کر رہے ہیں؟ اس سے تو بڑی نفرت لوگوں میں پھیل رہی ہے۔راؤ رشید نے کہا اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔یہ اے سی، ڈی سی اپنی ترقیوں کے لیے خود کارروائی ڈال رہے ہیں۔اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ حکومت کی گرفت بتدریج کمزور ہو رہی ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس منظم سازش کا حصہ ہے جس سے عوام کو بھٹو صاحب اور پیپلز پارٹی سے متنفر کیا جائے۔اس سلسلے میں تفصیل سے بھٹو صاحب کے سیکورٹی افسر سعید احمد خان کا ذکر کروں گا۔ یہ 1972ء کا واقعہ ہے نسیم احمد مرحوم نے لندن میں ان سے میرا تعارف کرایا تھا انہی دنوں بیگم نصرت بھٹو بھی پاکستانی سفیر دولتانہ صاحب کے ہاں قیام پذیر تھیں۔ میں نے بیگم صاحبہ سے سعید احمد خان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا تو انہوں نے برجستہ کہا کہ یہ پولیس والا ہے اور اس پر

اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ آپ اہم معاملات کے لیے مجھ سے براہ راست رابطہ رکھیں۔

میرے سامنے اس نے بڑی ڈینگیں ماری تھیں کہ میں بھٹو صاحب کی کئی بار جان بچا چکا ہوں۔ اپنی نجی محفلوں میں وہ کھلے عام کہا کرتا تھا کہ بھٹو صاحب کے بعد نمبر دو وہ ہے مرکزی وزراء اور سیاستدانوں کے لیے وہ توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا تھا، اسی طاقت اور بے پناہ اختیارات کی وجہ سے اسے ''بادشاہ گر'' بھی کہا جانے لگا اور پاکستان میں اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سعید احمد خان خود کو اتنا طاقتور سمجھتا تھا کہ وزیراعظم بھٹو کے بدترین مخالفوں سے اس کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ ان کی کھلے عام سرپرستی کرتا تھا اور اس کے خلاف کسی کو آواز اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ سعید احمد خان کی وجہ سے ان لوگوں نے مسٹر بھٹو کے بدترین مخالف ہونے کے باوجود بے پناہ مفادات حاصل کیے۔ سعید احمد خان کا یہ دبدبہ اور رعب پاکستان ہی میں نہ تھا بلکہ بیرون ملک بھی وہ پاکستانیوں پر رعب ڈال کر انہیں ڈراتا اور دھمکاتا تھا۔

سعید احمد خان کی بدعنوانیوں کا سلسلہ پاکستان میں بھی بڑا دراز تھا مگر اس پر کوئی انگلی اٹھانے والا نہیں تھا اور پھر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ پانچ سال تک بھٹو صاحب کا چیف سکیورٹی افسر ان کی اقتدار سے محرومی کے صرف دو ماہ بعد لاہور ہائیکورٹ میں سلطانی گواہ بنتے ہوئے یہ بیان دیتا ہے کہ وہ بھٹو صاحب کے سامنے مجبور ولاچار تھا اور اس کی حیثیت محض آلہ کار کی تھی۔ سکیورٹی فورس کا سربراہ مسعود محمود بھی اسی قماش کا آدمی تھا جو بعد میں احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کیس میں سلطانی گواہ بنا۔ موقع پرستوں کے اس ٹولے نے بھٹو صاحب کے اردگرد جو گھیرا تنگ کیا اس کے بعد بھٹو صاحب کے اردگرد صرف وہی سیاسی عناصر رہ گئے جو اٹھتے بیٹھتے Yes Prime Minister کی گردان کرتے تھے۔ مارچ 1977ء میں جب بھٹو صاحب نے الیکشن کا اعلان کیا تو ان کی ساری کامیابیاں اور کارنامے پس منظر میں جا چکے تھے اور وہ خود سازش کے جال میں گرفتار ہو کر رہ گئے تھے۔

مارشل لاء کے سیاہ سائے

مارچ 77ء کے انتخابات کے بعد حکومت کے خلاف مظاہروں اور توڑ پھوڑ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔فوجی بوٹوں کی دھمک صاف سنائی دے رہی تھی۔پاکستان قومی اتحاد کے رہنما کھلے عام فوج کو اقتدار سنبھالنے کی دعوت دے رہے تھے۔ایک طرف وہ پیپلز پارٹی کی حکومت سے مذاکرات میں مصروف تھے،دوسری جانب ان کی فوجی جنرلوں سے خفیہ ملاقاتوں کی خبریں بھی کوئی صیغہ راز نہیں رہی تھیں۔قومی اسمبلی میں اپنی مشہور زمانہ تقریر میں جس طرح بھٹو صاحب نے ''سفید ہاتھی'' کا ذکر کیا تھا۔اس سے امریکیوں کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے بھٹو صاحب کی یہ ایک تاریخی تقریر تھی جس میں امریکی ریشہ دوانیوں کا بڑی جرأت مندی سے پردہ چاک کیا گیا تھا۔

بھٹو صاحب نے امریکیوں کو للکارتے ہوئے کہا تھا پارٹی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے اور میں اپنا مشن پورا کرنے کے لیے موجود ہوں اور موجود رہوں گا۔وزیراعظم نے پارلیمنٹ میں انکشاف کیا کہ 12 اپریل 1977ء کو امریکی سفارتخانہ کے دو افسران نے ٹیلی فون پر ایک دوسرے سے بات چیت کے دوران ملک کی صورتحال پر نہایت مسرت وانبساط کا اظہار کیا اور ان میں سے ایک نے دوسروں سے کہا کہ ''پارٹی ختم ہو چکی ہے'' اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جناب بھٹو اور پیپلز پارٹی کی حکومت کا خاتمہ قریب ہے۔وزیراعظم نے یہ واقعہ دہرا کر انتہائی پرجوش الفاظ میں اعلان کیا کہ کیا حضرات! پارٹی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے اور یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک میں اپنا مشن پورا نہ کرلوں۔بھٹو صاحب نے اس واقعہ کے باوجود امریکی حکومت سے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس سابق امریکی سفیر کی سبکدوشی پر انہیں عشائیہ دیا۔

بھٹو صاحب نے کہا کہ یہ بین الاقوامی سازش دراصل اس لیے کی گئی ہے کہ دنیا کے بعض ہاتھیوں کو وہ پالیسیاں ناپسند ہیں جو انہوں نے پاکستان کو دنیا میں ایک باعزت مقام دلانے اور اسے مستحکم کرنے کے لیے اختیار کی ہیں۔ انتخابات سے قبل اور انتخابات کے بعد اپوزیشن کی جانب سے پیش کیے جانے والے مطالبات کا تجزیہ کرتے ہوئے بھٹو صاحب نے کہا کہ درحقیقت اپوزیشن کا تنازعہ انتخابات پر نہیں ہے سارا جھگڑا عوامی انصاف اور ان سماجی و اقتصادی اصلاحات کا ہے جو حکومت نے گزشتہ پانچ برس میں کی ہیں۔ جناب بھٹو نے بلند آواز میں کہا کہ پاکستان میں بیرونی کرنسی اس قدر بڑے پیمانے میں لائی جا رہی ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی اور یہی وجہ ہے کہ کراچی میں ڈالر کی قیمت کم ہو گئی ہے۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ یہ دیسی سازش نہیں بلکہ پاکستان کے خلاف ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ یہ اپوزیشن کی سازش نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ لوگ ایسی سازش تیار کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

جناب بھٹو نے سوال کیا کہ میرا جرم کیا ہے میں ان ملکوں کا نام نہیں لوں گا یا ان کے ساتھ تعلقات نہیں بگاڑوں گا۔ انہوں نے اس کہاوت کا حوالہ دیا کہ ہاتھیوں کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے اور کہا کہ دنیا میں بہت زیادہ ہاتھی نہیں ہیں۔ ان کی تعداد بہت کم ہے ہاتھی نہ بھول سکتے ہیں نہ معاف کر سکتے ہیں۔ جناب بھٹو نے اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کیا جو ویت نام کی جنگ کے دوران ہوا "جب میں ایوب خان کے دور حکومت میں وزیر خارجہ تھا تو ایک دوست ملک نے پاکستان سے کہا کہ وہ غلط فریق امریکہ سے ہمدردی اور یکجہتی ظاہر کرے، یہ تجویز کیا گیا کہ پاکستان کو کم از کم سیالکوٹ میں بنی ہوئی ٹینس یا پنگ پانگ کی گیندیں ہی بھیج دینا چاہیے۔ میں نے اس پر دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ اصولی طور پر اس فریق کی حمایت ہوگی جو کہ غلطی پر ہے۔"

بھٹو صاحب نے ایک اور مثال دی کہ پاکستان نے مشرق وسطیٰ کے سوال پر ہاتھیوں کے غضب کو برداشت کیا۔ ماضی کی حکومت نے بھی عربوں کے موقف کی حمایت کی تھی مگر اس کی نوعیت زبانی تھی جنگ رمضان کے موقع پر میں نے واضح طور پر بتایا کہ اب ہماری حمایت صرف زبانی جمع خرچ تک محدود نہیں رہے گی۔ میں نے عرب ممالک کو بتا دیا ہے کہ آپ کی جنگ ہماری جنگ ہے پاکستان کا سپاہی اسلام کا سپاہی ہے ہم صدق دل سے عربوں کے ساتھ ہیں۔

پاکستان میں ہونے والی بین الاقوامی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب بھٹو نے کہا کہ اپوزیشن کے لوگوں کے پاس ایسا دماغ نہیں کہ اس قسم کی احتجاجی تحریک منظم کر سکیں جو انہوں نے شروع کی ہے۔ یہ لوگ کم نرخوں پر اشیاء دے کر کوآپریٹو اسٹورز کھول رہے ہیں۔ آٹا اور دوسری ضروریات زندگی تقسیم کر رہے ہیں۔ اپوزیشن کے پاس اس قدر لامحدود وسائل نہیں ہیں سب لوگ ان سے واقف ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ پاکستان کے عوام اس وقت ان پر یقین نہ کریں لیکن تاریخ اور عوام کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ اصل واقعہ اور حقیقی ڈرامہ کیا ہے۔ اصل مسئلہ انتخابات میں دھاندلی کا نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسئلہ شریعت کے نفاذ کا ہے۔ اس سے قبل میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی لیکن عوام کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میرے خلاف سازش کوئی دیسی سازش نہیں ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی سازش ہے۔ اسی لیے یہ اتنی مربوط اور منظم تھی۔ حکومت پاکستان پر فرانس کے ساتھ معاہدہ توڑنے کے لیے ہر طرح سے دباؤ ڈالا گیا اور مختلف حربے اختیار کیے گئے لیکن اپوزیشن نے مجھ سے نہیں پوچھا کہ کیا میں معاہدہ توڑ رہا ہوں، کیا میں معاہدہ ملتوی کر رہا ہوں یا معاہدے پر عمل کروا رہا ہوں اگر میں اپوزیشن میں ہوتا تو حکومت پر دباؤ کو سمجھتے ہوئے میں سب سے پہلے یہی سوال کرتا اصل حقیقت یہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ میرے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک مصیبت اور مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ میری حکومت ایٹم بم نہیں بنائے گی لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کو پُرامن مقاصد کے لیے ایٹمی توانائی استعمال کرنے کا پورا حق حاصل ہے میری حکومت یقین دہانیاں کرا رہی ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ پاکستان کو آخر یہ صلاحیت کیوں حاصل ہو۔

☆☆☆

6 جولائی 1977ء کو میری بیگم بھٹو سے ملاقات طے تھی اور میں پنڈی میں ہی موجود تھا۔ 4 جولائی کو ابھی میری آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک دوست نے مجھے فون پر بتایا کہ فوج نے ٹیک اوور کر لیا ہے اور بھٹو صاحب کو حراست میں لے کر نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا ہے اس وقت نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس نہیں تھا کہ یہ مارشل لاء اتنا خوفناک بھی ہوسکتا ہے انہی دنوں مساوات میں، میں نے مسلسل پانچ مضمون لکھے۔ جن میں جناب بھٹو کے کارناموں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا کہ کن مشکل حالات میں انہوں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد ملک کو سیاسی اور معاشی میدان میں

اپنے پیروں پر کھڑا کیا اور بین الاقوامی میدان میں پاکستان کو ساری دنیا میں اہم مقام دلایا۔ ''قائدِ عوام کی عظیم کامیابی'' کے عنوان سے یہ مضامین فوجی حکومت کو پسند نہیں آئے۔ انہوں نے مساوات کے ایڈیٹر جناب بدرالدین سے کہا کہ وہ فوج پر براہ راست تنقید کرنے سے گریز کریں۔ بدرالدین صاحب ایک سینئر صحافی ہیں ان کا خیال تھا کہ مساوات کسی نہ کسی طرح چلتا رہے اور یہ بند نہ ہو۔ میرے ایک دوست جنرل ضیاء الحق کے خاص آدمی تھے۔ میں ان سے ملنے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل پہنچا تو ان کے کمرے میں ٹیلی فون کی مسلسل گھنٹیاں بج رہی تھیں کبھی وہ جی ایچ کیو میں بات کر رہے ہوتے تو کبھی کسی سیاستدان کی کال وصول کر رہے ہوتے۔ وہاں ایک صاحب جو اپنی وضع قطع سے فوجی لگ رہے تھے ان کے ہمراہ موجود تھے میرے دوست نے ان سے کہا کہ یہ اپنے ہی آدمی ہیں پھر وہ مجھ سے بڑی اپنائیت سے کہنے لگے آپ ہمارے پرانے دوست ہیں۔ اس لیے اب تک آپ گرفتار نہیں ہوئے بہتر ہے کہ آپ جلد لندن لوٹ جائیں۔ میں نے اپنے دوست سے کہا ویسے بھی میرا اب یہاں زیادہ کام نہیں ہے، چند روز بعد میں واپس جا رہا ہوں انہوں نے میری بات سن کر کہا کہ آپ کو یہ بیان دینا چاہیے کہ میں نے نیپ ریفرنس کیس میں بھٹو کے کہنے پر گواہی دی تھی، میں نے کہا آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کوئی مصلحت پسند آدمی نہیں ہوں۔ میں نے عدالت میں وہی کہا جو میں نوائے وقت میں اس زمانے میں لکھتا رہا اور پھر ولی خان اور اکبر بگٹی کے جن انٹرویوز کا میں نے عدالت میں ذکر کیا ہے وہ تو خود میں نے ان سے لیے تھے اور بعد میں ان کی تردید بھی ان لوگوں نے نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو علم ہے کہ میں بھٹو صاحب سے عقیدت اور محبت ان کے اقتدار میں آنے سے بہت پہلے سے رکھتا ہوں اور اب تو ویسے بھی اس بات کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میں ان مشکل حالات میں ایسا کوئی کام کروں کہ جس سے انہیں نقصان پہنچے بلکہ اب تو میں زیادہ تندہی سے ان کے حق میں لکھوں گا کیونکہ میرے خیال میں پاکستان کو قائداعظم کے بعد ایسا کوئی دوسرا بڑا لیڈر نہیں ملا جس نے ملک کی ترقی و خوشحالی اور ساری دنیا میں اسے روشناس کرانے کے لیے اتنا کام کیا ہو۔ اب وہ صاحب جنہیں میں نے فوجی سمجھا تھا میری بات سن کر مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا آپ مساوات میں ضمیر فروشی کر رہے ہیں؟ میں نے انہیں براہ راست جواب دینے کے بجائے اپنے دیرینہ دوست سے پوچھا کہ کیا آپ نے مجھے یہاں بے عزت کرنے کے لیے بلایا ہے؟ یہ کون ہے جو مجھ

سے اس طرح توہین آمیز انداز میں بات کر رہا ہے؟ کمرے کا ماحول سنجیدہ ہو گیا تھوڑی دیر بعد وہ صاحب چلے گئے کچھ توقف کے بعد میرے دوست بولے کہ ایک دوست کی حیثیت سے یہ میرا مشورہ ہے کہ آپ جلد یہاں سے نکل جائیں ورنہ آپ مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے۔اس وقت تک آپ میری وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔اپنے اس دوست سے کئی سالوں بعد کی یہ ملاقات عجیب تھی۔مشورہ، دھمکی، لالچ اور ضمیر فروشی کا الزام یہ سب باتیں مجھے مضحکہ خیز معلوم ہوئیں لیکن کچھ اشارے ایسے ملے کہ احتیاط لازم ہے اور میں نے لندن واپسی کے لیے تیاری شروع کر دی۔

اگست کے آخری ہفتے میں بعض امور کے سلسلے میں کراچی گیا تو میرے وہی دوست ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ایک اور پرانے دوست کے ہمراہ ملاقات صبح تین بجے تک جاری رہی۔اس ملاقات میں میرے ہمراہ ہفت روزہ مشرق لندن کے مینجنگ ایڈیٹر بھی تھے۔اس دوست نے بتایا کہ بھٹو کو احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں جلد گرفتار کر لیا جائے گا ان کا قصہ اب ختم ہو چکا ہے اور کبھی دوبارہ اقتدار میں نہیں آئیں گے کب تک گرفتاری متوقع ہے۔میرے بے تابانہ سوال پر ان کا جواب تھا، بہت جلد۔

میں نے بیگم بھٹو کو یہ اطلاع دینے کے لیے ان سے وقت مانگا مارشل لاء کے بعد 70 کلفٹن میں یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔میں نے انہیں اپنے دوست سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ بات فوری طور پر بھٹو صاحب تک پہنچانا چاہتا ہوں۔بیگم بھٹو بہت پریشان تھیں کیونکہ مارشل لاء کے خوف سے لوگ ان سے نہیں مل رہے تھے، میں نے بیگم صاحبہ کو بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ عید سے پہلے بھٹو صاحب کو قتل کے کیس میں دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا۔بھٹو صاحب ان دنوں پنڈی میں تھے اور ان کی جنرل ضیاء الحق سے ون ٹو ون ملاقات میں تلخ کلامی ہو چکی تھی چند دن بعد (3 ستمبر) بھٹو صاحب کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا اس کے ایک ہفتہ بعد مجھے پیغام ملا کہ اسلام آباد برٹش ہائی کمیشن میں فوری رابطہ کروں اور فرسٹ سیکرٹری سے ملوں۔یہ عجیب اتفاق تھا کہ 12 ستمبر کو جس فلائٹ سے میں اسلام آباد جا رہا تھا اسی پرواز سے بیگم بھٹو بھی جنرل ضیاء کی جانب سے بلائی گئی سیاسی رہنماؤں کی کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہی تھیں۔اسلام آباد ایئرپورٹ پر اتر کر انہوں نے پوچھا کہ آپ ابھی تک لندن نہیں گئے، میں نے کہا عید کے بعد جا رہا ہوں۔بیگم صاحبہ نے کہا ”فوری طور پر ملک سے باہر چلے جائیں ورنہ ہم

آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔"

اگلے روز 13 ستمبر کو میں لاہور پہنچ کر سیدھا مساوات کے دفتر پہنچا ہی تھا کہ یہ خبر ملی کہ جسٹس صمدانی نے بھٹو صاحب کو ضمانت پر رہا کر دیا ہے۔ اسی وقت بدرالدین صاحب اور میں صادق قریشی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمارے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد بھٹو صاحب وہاں آ گئے بھٹو صاحب نے بدرالدین صاحب اور مجھے دیکھا تو پوچھا ریاض کیسے ہو۔ میں نے جواباً کہا "Lucky to see you" صادق قریشی کی کوٹھی میں کافی ہجوم جمع تھا اور غیر ملکی صحافی بھی موجود تھے وہاں بھٹو صاحب نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور بی بی سی کے سائمن ہینڈرسن کو انٹرویو بھی دیا اس کے بعد بدرالدین صاحب نے بھٹو صاحب سے علیحدگی میں گفتگو کی۔ بدرالدین صاحب نے بھٹو صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے ملک سے باہر چلے جائیں کیونکہ ہمیں جو خبریں مل رہی ہیں وہ اچھی نہیں ہیں۔ بھٹو صاحب نے اپنے مخصوص اسٹائل میں کہا کہ مجھے اس سے زیادہ کی خبر ہے مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں جنرل ضیاء الحق ایک طویل منصوبہ بندی کے بعد اندرونی اور بیرونی ملک دشمنوں کے گٹھ جوڑ کے بعد اقتدار میں آیا ہے۔ میں زبان سخت استعمال کروں یا نرم وہ اپنے ایجنڈے کے مطابق مجھ سے سلوک کرے گا جہاں تک ملک سے باہر جانے کا تعلق ہے تو مجھے بھی ایسے پیغام ملے ہیں مگر ہمارے ملک کی صورت دیگر ملکوں سے مختلف ہے اگر اس وقت میں باہر چلا گیا تو یہ میری پارٹی اور لوگوں کو نیست و نابود کر دیں گے اب جو بھی ہوگا اس کا مجھے یہیں مقابلہ کرنا ہے۔ بدرالدین صاحب کے بعد میں بھٹو صاحب سے علیحدگی میں ملا۔ میں نے بھٹو صاحب کو اپنے اس دوست کے ساتھ ہونے والی بات چیت سے آگاہ کیا اور کہا کہ جنرلوں نے آپ کو ہر صورت میں سزا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بھٹو صاحب نے کہا کہ میں وکیل ہوں اور بذات خود کس طرح احمد رضا قصوری کو قتل کر دینے کا حکم لکھ سکتا ہوں پھر احمد رضا کی ایسی کونسی حیثیت ہے جس سے مجھے اتنا بڑا خطرہ ہو۔ میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ میں آئندہ چند روز میں لندن جا رہا ہوں۔ آپ مجھے بیرون ملک پاکستانیوں کے لیے ایک پیغام لکھ دیں جسے ہم وہاں لندن مشرق میں شائع کریں گے۔

بھٹو صاحب نے بیان کی ڈکٹیشن دی پھر میں نے اور بدرالدین صاحب نے اسے حتمی شکل دی۔ اس دوران بیگم بھٹو بھی اسلام آباد سے آ گئیں اور انہوں نے جنرل ضیاء سے ملاقات کی

تفصیل بتائی۔ بیگم صاحبہ کا خیال تھا کہ جنرل ضیاء انتخابات کرائے گا لیکن بھٹو صاحب کو سزا دے کر انتخابات میں حصہ لینے نہیں دے گا جبکہ بھٹو صاحب کا خیال تھا کہ جنرل ضیاء لاہور میں ان کے شاندار استقبال کے بعد فوری طور پر الیکشن نہیں کرائے گا۔ بھٹو صاحب کا لاڑکانہ جانے کا پروگرام تھا کیونکہ وہ اقتدار میں ہوں یا اقتدار سے باہر عید ہمیشہ اپنے آبائی گھر میں ہی مناتے تھے اس شام وہ اور بیگم بھٹو لاڑکانہ چلے گئے میں نے بھٹو صاحب کے پیغام کی کئی کاپیاں بنائیں تاکہ یہ محفوظ رہے۔ اس پیغام میں بھٹو صاحب نے مستقبل کے خدشات کا بھی اظہار کیا تھا اور آئندہ کے لیے پارٹی کے حامیوں کا حوصلہ بھی بڑھایا تھا۔ مجھے لاہور ہی میں اطلاع ملی کہ بھٹو صاحب کو دوبارہ گرفتار کرلیا گیا ہے۔ جنرل ضیاء کے دوست کی بات درست نکلی کہ انہیں عید سے پہلے قتل کے مقدمے میں گرفتار کرلیا جائے گا میں 22 ستمبر 1977ء کو اسلام آباد سے برٹش ایئرویز سے لندن روانہ ہوگیا۔ طیارہ جب فضا میں اڑا تو ایک لمحے کے لیے میں نے کھڑکی سے باہر نیچے نظر ڈالی نہ جانے کیوں یہ سوچ کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کہ اب میں بھٹو کا چہرہ دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گا۔

لندن پہنچتے ہی ہم نے مشرق کا جو پہلا شمارہ نکالا اس میں صفحہ اول پر بھٹو صاحب کا پیغام شائع کیا۔

پاکستانیوں کے نام بھٹو صاحب کا پیغام:

برطانیہ اور یورپ میں مقیم پاکستانیوں نے ہمیشہ وطن عزیز کی محبت سے سرشار ہوکر ملک کی خدمت کی ہے اور اپنی محنت شاقہ سے کمایا ہوا زرمبادلہ پاکستان بھیج کر ملکی معیشت کی ترقی اور استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا ہے مجھے آپ کی ان خدمات کا ہمیشہ اعتراف رہا ہے اس لیے میں جیل سے رہائی کے فوراً بعد ہفت روزہ مشرق لندن کے ذریعے جہاں اپنی نیک خواہشات کے ساتھ یہ پیغام بھیج رہا ہوں وہاں میں ملک کے موجودہ سیاسی بحران کے اصل اسباب وعلل سے آگاہ کرنے کے علاوہ اس کے حل کے لیے آپ کے کردار کا تعین بھی کرنا چاہتا ہوں۔

وطن عزیز پاکستان شدید بحران سے دوچار ہے اور یہ بحران پچھلے سارے

الیبوں، محرومیوں، ناکامیوں اور قومی شکست وریخت سے بھی زیادہ ہمہ گیر ہے۔ آزاد قوموں کا ضمیر عوام کی حاکمیت کے نفاذ سے ہی مطمئن ہوتا ہے اور عوام کی حاکمیت کا تصور اور اس کا حصول سیاست، جمہورت اور آئین کی بالادستی کے بغیر ممکن نہیں جمہوری ملکوں میں رہائش اختیار کر کے آپ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ آج کے دور میں جمہوری اور آئینی حکومت ہی وقت کا اہم تقاضا ہے اور اسی میں پاکستان کے تمام سیاسی اور اقتصادی مسائل کا حل ہے!

1971ء کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی نے جس طرح ملک کی خدمت کی مسلسل اور متواتر کوششوں اور جدوجہد کی بدولت ملک کو ایک اسلامی، جمہوری اور وفاقی آئین دیا، ملک کو اندرونی استحکام اور بیرونی وقار عطا کیا۔ اقتصادی، معاشی، صنعتی، تعلیمی، زرعی، قانونی اور ہمہ گیر اصلاحات کی بدولت جس طرح ملک کے عوام کی حالت سدھاری اور ان میں سیاسی اور سماجی شعور بیدار کر کے انہیں حقوق وفرائض کا احساس بخشا وہ سب پر واضح ہے۔

آج مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پاکستان میں جو بحران پیدا کیا گیا ہے اس کے پس پردہ انہی قوتوں کا ہاتھ کارفرما ہے اور وہی سازش اپنا کام کر رہی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ پاکستان مضبوط و مستحکم نہ ہو سکے یہ قوتیں پاکستان کو خوشحال دیکھنا نہیں چاہتیں وہ نہیں چاہتیں کہ پاکستان تیسری دنیا کا ترجمان بنے اور اس کے حق میں آواز اٹھائے انہیں پاکستان کو صیہونیت کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنتے دیکھنا بھی پسند نہیں وہ پاکستان کو اسلام کا مضبوط ترین قلعہ بنتے دیکھنا بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔

مسلح افواج کی طرف سے اقتدار سنبھالنا اور یہ کہنا کہ اس کا مقصد ملک کی سیاسی کشمکش کو ختم کرنا ہے بظاہر درست نظر آتا ہے مگر جمہوری ملکوں میں مقیم لوگوں کو اس امر کا علم ہے کہ مارشل لاء قومی مسائل کا حل نہیں

پاکستان میں اس وقت جو صورتحال ہے اس کے پیش نظر میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ ملک کے موجودہ بحران کا تجزیہ کریں اور خود فیصلہ کریں کہ اس کے اسباب وعلل کیا ہیں۔اس میں کن عناصر کا ہاتھ ہے اگر آپ باور کریں کہ اس کے پیچھے صیہونیت، سامراجی طاقتوں اور پاکستان میں ان کے مفادات کا تحفظ کرنے والے ایجنٹوں کا ہاتھ ہے تو پھر اپنے طور پر ملک میں اسلامی، جمہوری اور وفاقی آئین کی بحالی اور بیرونی مداخلت کے سدباب کے لیے ہماری اور تمام ایسے عناصر کی مدد کریں جو پاکستان کو استحصال سے پاک مہذب، عادلانہ اور اسلامی اصولوں پر مبنی اور قائداعظم کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن معاشرہ کی تشکیل کے لیے کوشاں ہیں اور ہر طرح کی مخالفتوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ یقیناً ان حلقوں کو آپ کی اعانت اور حمایت سے تقویت حاصل ہوگی!

لندن واپس پہنچ کر مشرق ویکلی میں، میں نے اپنے پہلے اداریے ''بھٹو صاحب کو رہا کیا جائے'' میں لکھا کہ ''جناب بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے'' مشرق کا یہ شمارہ ستمبر ۷۷ء کے آخری ہفتے میں شائع ہوا تھا اور اس وقت بھٹو صاحب کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں یہ مقدمہ ابتدائی مراحل میں تھا۔

PAGE 3, MASHRIQ WEEKLY, OCTOBER 5, 1977

اداریہ:

بھٹو کو رہا کیا جائے

بیگم نصرت بھٹو نے گارڈین کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ فوج والے اس بات کا عزم کئے ہوئے ہیں کہ مسٹر بھٹو کو منظر عام سے ہٹا دیا جائے اور ہمارے خاندان کو اس امر پر تشویش ہے کہ جنرل ضیا نہ جانے مسٹر بھٹو کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ بیگم بھٹو کے وکیل جناب یحییٰ بختیار نے اس بات کو پاکستان کی سپریم کورٹ میں یوں بیان کیا ہے کہ اب یہ اندیشہ بڑھتا جا رہا ہے کہ فوجی عدالت میں موجودہ فوجی حکمران جناب بھٹو پر مقدمہ چلانا چاہتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جائے یہ مقدمہ بڑی تیزی سے ختم کرایا جائے اور مسٹر بھٹو کو سزا سنا کر گولی مار دی جائے۔

بیگم نصرت بھٹو اور ان کے وکیل یحییٰ بختیار نے جس تشویش اور اندیشہ کا اظہار کیا ہے، اس کو اس امر سے تقویت ملتی ہے کہ لندن میں پی این اے سے متعلق بعض حلقے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی جائے گی اور وہ اقتدار پر قابض ہوں گے۔ پی این اے سے متعلق ان عناصر کا یہ دعویٰ اگر درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ چیئرمین پارٹی کے چیئرمین کو پھانسی دینے کا خفیہ فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے اور ان کے خلاف مختلف نوعیت کے مقدمات کی بھرمار عوام کو جھانسہ دینے کی کارروائی سے زیادہ کچھ نہیں۔

جناب بھٹو کے خلاف جس رفتار اور وسیع پیمانے پر مقدمات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے متذکرہ دعویٰ سے عوام میں پاکستان کی عدالتوں پر اعتماد ہی مجروح نہیں ہوا ہے بلکہ خود پاکستان کی مسلح افواج اور ان کے سربراہ کی غیر جانبداری پر بھی لوگ انگشت نمائی کرنے لگے ہیں کہ مسٹر بھٹو کو جان بوجھ کر منظر عام سے ہٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ تاثر صرف پاکستان میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک میں اس کا برملا اظہار کیا جانے لگا ہے۔ برطانوی پریس نے بھی پاکستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فوج مسٹر بھٹو کو دوبارہ سیاست میں آنے نہیں دے گی اور فوج نے یہ فیصلہ ایسے وقت کیا ہے جب یہ یقین ہو چلا تھا کہ عوام میں بھٹو کی مقبولیت بڑھ گئی ہے اور وہ اکتوبر کے انتخابات میں بھاری اکثریت سے جیت کر پھر برسر اقتدار آجائیں گے۔ گارڈین نے ایک حالیہ اداریہ میں لکھا ہے، کہ پاکستان میں جو عام انتخابات ہو رہے ہیں، وہ نہ تو انتخابات کہلائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کو لیڈر کہا جا سکتا ہے جو ان نام نہاد انتخابات کے ذریعے سامنے آئیں گے۔ یہ انتخابات ایسے فوجی ریفری بن کر کرا رہے ہیں، جو غیر جانبدار نہیں ہیں اور بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ پاکستان کا الیکشن ایک دھوکہ اور فراڈ بن کر رہ جائے گا۔

پی این اے کے لیڈر مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کا جو مطالبہ کر رہے ہیں اور لندن میں ان کے حمایتوں نے مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کا جو دعویٰ کیا ہے۔ وہ ایک ہی سلسلہ کی کڑی معلوم ہوتے ہیں کہ پی این اے خود بھی مسٹر بھٹو کو منظر عام سے ہٹا کر اقتدار پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ ورنہ جناب بھٹو کے خلاف ان کے مخالفین نے مقدمات دائر کرنے کا جو شغل اختیار کیا ہے اور مختلف رسائل و جرائد میں ان پر سنگین نوعیت کے الزامات لگائے جا رہے ہیں، اس کے پیش نظر انہیں یہ جمہوری راستہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ کہ وہ اپنے پہلے دعووں کے مطابق انتخابات میں مسٹر بھٹو کو شکست دے کر ان کی سیاسی موت کا اہتمام کرتے لیکن اس موقف سے منحرف ہو کر اب وہ مارشل لاء حکام سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ مسٹر بھٹو کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمات کا فیصلہ صادر کریں۔ انہوں نے کھلا کر مسٹر بھٹو کو پھانسی کا مطالبہ کر کے دراصل تسکین انصاف کی خواہش ظاہر کی ہے۔ مسٹر بھٹو کے خلاف پروپیگنڈہ کی یلغار اور الزامات تراشنے کے باوجود عوام نے بیگم نصرت بھٹو کے جلسوں میں جس جوش و خروش سے شرکت کی ہے، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف سنگین نوعیت کے جو الزامات لگائے گئے ہیں۔ عوام نے انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے پی این اے نے مسٹر بھٹو سے سیاسی دشمنی کا انتقام لینے کے لئے مارشل لاء حکام کی غیر جانبداری کو بھی داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کیا ہے اور اس طرح پاکستان کی مسلح افواج کے وقار کو عوام کی نظروں میں گرانے کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ جنرل ضیاء نے قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرا کے عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار سونپ دیں گے۔ لیکن اب مسٹر بھٹو کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کر کے الیکشن میں حصہ لینے سے روک دیا گیا ہے۔ فوجی حکومت کے ان اقدامات سے بیرونی ممالک میں بھی یہ تاثر پھیل چکا ہے کہ مارشل لاء کی جمہوری حکومت ایک فریق بن گئی ہے اور وہ پی این اے کا ساتھ دے رہی ہے یہ الزام اور تاثر بھی پاکستانی افواج کے وقار پر ضرب لگانے کے مترادف ہے۔ پاکستان کی مسلح افواج ملک کا مضبوط ترین قومی ادارہ ہے، اور اس کا وقار سربلند رکھنا اس لئے بھی ازحد ضروری ہے کہ پاکستانی افواج پر ملک کے دفاع اور سالمیت کی بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے پاکستانی افواج کا امیج کسی صورت دھندلانا نہیں چاہئے۔

ہم جنرل ضیاء الحق سے پاکستان کی بقا اور وحدت کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ ملک کو اس سیاسی بحران سے نکالنے کے لئے اپنے پہلے ٹائم ٹیبل پر عملدرآمد کرائیں۔ اس طرح پاکستان کو درپیش خطرات سے بچا کر ملک و قوم کا شیرازہ منتشر نہیں ہونے دیں گے۔ مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمات پر بھی لوگوں کا اعتماد اٹھ چکا ہے اور بیرونی ممالک میں اسے انتقامی کارروائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہوگا کہ جنرل ضیاء الحق مارشل لاء کا ایک اور ضابطہ جاری کر کے مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمات کا فیصلہ نئی منتخب ہونے والی حکومت پر چھوڑ دیں اور انہیں رہا کر کے انتخابات میں حصہ لینے کا موقع فراہم کریں۔ اگر پی این اے انتخابات میں انہیں شکست دے دیتی ہے تو وہ برسر اقتدار آنے کے بعد مسٹر بھٹو پر مقدمات چلا کر انہیں پھانسی دینے کا "شوق" پورا کر سکتی ہے۔ لیکن جنرل ضیاء کو پی این اے کے رہنماؤں کو یہ اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے کندھے پر رکھ کر اپنے انتقام کی بندوق چلا سکیں اور پاکستان کی مسلح افواج کی نیک نامی کو داغدار کر سکیں۔ یہی بات جنرل ضیاء الحق، پاکستان اور ملک کے عوام کے بہترین مفاد میں ہے اور اس طرح پاکستان بیرونی ممالک میں اپنی ساکھ بحال کر سکتا ہے۔

بشیر ریاض

سُوئے دار چلے

لاہور ہائیکورٹ کے جج جسٹس مشتاق حسین نے جب بھٹو صاحب کو سزائے موت سنائی تھی تو اس وقت ہی یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ جنرل ضیاء الحق اور اس کا فوجی ٹولہ ہر قیمت پر بھٹو صاحب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہے۔ جسٹس مشتاق حسین ذاتی طور پر بھٹو صاحب سے شدید عناد رکھتا تھا اور جس کا اظہار وہ کھلے عام عدالتی کارروائی کے دوران کرتا رہتا تھا۔ بھٹو صاحب نے لاہور ہائیکورٹ میں اپنے بیان میں بھی اس کا تفصیل سے ذکر کیا تھا اور یہ مطالبہ کیا تھا کہ ان کا کیس کسی دوسری عدالت میں منتقل کیا جائے۔

بھٹو صاحب پر احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے الزام میں جو مقدمہ درج کیا گیا تھا وہ بذات خود مروجہ عدالتی قونین کی کھلی خلاف ورزی تھا۔ قتل کے عام مقدمات پہلے مرحلے میں سول اور سیشن کورٹوں میں جاتے ہیں اور پھر ان کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیلیں کی جاتی ہیں مگر جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کی بدنیتی کا یہ منہ بولتا ثبوت تھا کہ یہ براہ راست لاہور ہائیکورٹ میں دائر کیا گیا اور پھر جنرل ضیاء الحق نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس مقدمے کو ایک ایسے جج کی عدالت کے سپرد کیا جو بھٹو خاندان سے شدید کینہ رکھتا تھا، یوں پہلے مرحلے میں ہی بھٹو صاحب کو اپیل کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا پھر لاہور ہائیکورٹ کے ایک اچھی شہرت رکھنے والے جج جسٹس صمدانی کو صرف اس جرم میں عدالت کے منصب سے ہٹا دیا گیا کہ انہوں نے بھٹو صاحب کی ضمانت منظور کی تھی۔ جسٹس مولوی مشتاق حسین کی سربراہی میں لاہور ہائیکورٹ کی جو بینچ تشکیل دیا گیا اس نے سب سے پہلے بھٹو صاحب کی ضمانت کی منسوخی کا فیصلہ کیا، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی کہ جنرل ضیاء الحق براہ راست عدالتی کارروائی کے آغاز سے پہلے مولوی مشتاق حسین

کو بریفنگ دیتا تھا۔

اس مقدمے کا بنیادی کردار فیڈرل سکیورٹی فورس کا ڈائریکٹر مسعود محمود تھا جسے مارشل لاء حکومت نے 5 جولائی 1977ء کی شب ہی گرفتار کرلیا تھا اور مسلسل دو ماہ تک اپنی حراست میں رکھ کر اسے وعدہ معاف گواہ بننے پر مجبور کیا تھا۔ مسعود محمود کے بیان کی بنیاد پر ہی استغاثہ نے مقدمہ کھڑا کیا کہ بھٹو صاحب کے حکم سے نواب محمد خان قصوری کو قتل کیا گیا تھا۔ سماعت کے پہلے روز ایف ایس ایف کے اہلکار میاں عباس نے بھری عدالت میں یہ بیان دے کر استغاثہ کے مقدمے کو ڈھیر کر دیا کہ اسے ''شدید تشدد کا نشانہ بنا کر بیان لیا گیا ہے'' جسٹس مشتاق حسین نے اس رسمی غیر جانبداری کا مظاہرہ بھی نہیں کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ ایک معزز اور مقدس عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہے۔ عدالتی کارروائی سننے کے لیے غیر ملکی میڈیا اور ماہرین قانون کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہوتی تھی جنھوں نے بعد میں اس پر کھل کر اظہار بھی کیا کہ مقدمے کی کارروائی بددیانتی سے چلائی جارہی ہے۔ امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک نے بھٹو صاحب کے مقدمے کی کارروائی سننے کے بعد اپنے ایک مضمون میں ساری دنیا کو بتایا کہ بھٹو صاحب کا مقدمہ جس طرح چل رہا ہے اس کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ ہر صورت میں بھٹو صاحب کو تختہ دار پر چڑھایا جائے۔ بھٹو صاحب کو سزائے موت دینے سے قبل ہی سارے ملک میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں حتیٰ کہ ان کے بوڑھے والدین اور بیوی بچوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ملک بھر میں ہزاروں سیاسی کارکن پابند سلاسل کیے گئے۔ مارشل لاء عدالتوں نے ان میں سے بیشتر کو ایک ایک سال قید با مشقت اور دس دس کوڑوں کی بہیمانہ سزائیں سنانی شروع کر دیں جس کا مقصد یہ تھا کہ بھٹو صاحب کی سزائے موت کے خلاف عوام سڑکوں پر نہ آئیں۔

مولوی مشتاق حسین نے 18 مارچ 1978ء کی صبح بھٹو صاحب کو نواب محمد احمد خان قصوری کے قتل کا مجرم قرار دے کر موت کی سزا سنا دی اور پھر اگلے ہی دن انہیں پھانسی کی کوٹھڑی میں منتقل کر دیا۔ بیگم بھٹو اس وقت لاہور اور بینظیر بھٹو 70 کلفٹن کراچی میں نظر بند تھیں۔ بینظیر بھٹو نے 21 مارچ کو فوجی حکام کو درخواست دی کہ ان کے والد سے انہیں ملنے کی اجازت دی جائے، فوجی حکام نے بڑی پس و پیش کے بعد بینظیر بھٹو کو 25 مارچ کو ان کے والد سے ملاقات کی اجازت دی ایک خصوصی طیارے سے بینظیر بھٹو کو لاہور لایا گیا اور پھر اسی شام انہیں واپس کراچی بھیج دیا گیا۔ ادھر

سپریم کورٹ میں اپیل کے بعد بھٹو صاحب کو کوٹ لکھپت جیل سے ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی منتقل کر دیا گیا۔

مولوی مشتاق کے اس فیصلہ سے اس گھناؤنی اور شرمناک سازش پر بھی مہر تصدیق ثبت ہو گئی جس کا انکشاف مشرق ویکلی کے اکتوبر 1977ء کے شمارے میں شائع ہونے والے اداریہ میں کیا گیا تھا کہ بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے اس فیصلہ پر دنیا بھر کے اخبارات نے تبصرہ کرتے ہوئے اسے سیاسی قتل سے تعبیر کیا اور لکھا کہ ''مسٹر بھٹو کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔'' مقتدر عالمی اخبارات نے مولوی مشتاق کا نام لے کر لکھا کہ عدالتی کارروائی کے دوران چیف جسٹس کا جانبدارانہ رویہ اور مسٹر بھٹو سے ذاتی عداوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

ان دنوں مرتضیٰ بھٹو آکسفورڈ یونیورسٹی اور ان کے چھوٹے بھائی شاہنواز بھٹو سوئٹزرلینڈ میں زیر تعلیم تھے۔ جناب بھٹو کو سزائے موت کے فیصلے کی خبر سے پوری دنیا میں شدید ردعمل ہوا۔ برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں میں غم وغصہ اپنے عروج پر تھا۔ مرتضیٰ بھٹو نے آکسفورڈ سے لندن آ کر پارٹی کے سینئر رہنماؤں اور کارکنوں کے ساتھ مل کر بھٹو صاحب کی زندگی بچانے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا۔ بزرگ کشمیری رہنما چوہدری زمان علی ستارہ خدمت بہت بااثر شخصیت تھے اور کشمیریوں میں بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے وہ پیپلز پارٹی مڈلینڈ کے سربراہ تھے۔ پی پی پی برطانیہ کے صدر چوہدری ظفر علی نے چوہدری زمان علی اور محاذ رائے شماری کے اہم رہنما غازی عبدالرحمٰن کے تعاون سے بھٹو صاحب کی سزائے موت کے خلاف برمنگھم میں احتجاجی مظاہرے کا انتظام کیا۔ مظاہرے کی قیادت مرتضیٰ بھٹو نے کی۔ برمنگھم میں یہ پہلا بڑا جلوس تھا جو شہر کی سڑکوں سے گزرتا ہوا مقامی پارک میں اختتام پذیر ہوا۔ شہر کی سڑکیں مظاہرین کے ان نعروں سے گونج رہی تھیں۔ ''بھٹو بے گناہ ہے''، ''جنرل ضیاء مردہ باد''، ''جمہوریت بحال کرو، بھٹو کو رہا کرو۔''

مرتضیٰ بھٹو نے پاکستانیوں کے اجتماع سے اپنے پہلے خطاب میں کہا۔ ''جنرل ضیاء نے ایک سازش کے تحت قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا ہے، ہم پاکستانیوں کے تعاون سے عوام کے محبوب لیڈر کی زندگی بچانے کے لیے عالمی مہم چلائیں گے اور ہم اس وقت تک اپنی

جنگ جاری رکھیں گے جب تک عوام کو ان کے حقوق نہیں مل جاتے۔"

برمنگھم کے اس احتجاجی مظاہرہ کو مقامی پریس میں نمایاں طور پر شائع کیا گیا، یہ مظاہرہ اس عالمگیر مہم کا آغاز تھا جس سے برطانیہ بھر کے پاکستانی اور کشمیری اتحاد کی بے مثال زنجیر بن گئے۔ ان کا غم و غصہ اتنا شدید تھا کہ لندن میں پاکستانی سفارتخانے کے سامنے ان کے مظاہروں کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہائیڈ پارک جناب بھٹو کی رہائی اور پاکستان میں جمہوریت کی بحالی کی علامت بن گیا۔ عالمی رائے عامہ پہلے ہی بھٹو صاحب کی سزائے موت کے خلاف تھی۔ ان کی زندگی بچانے کی مہم دنیا کی توجہ کا مرکز بن کر تمام دارالحکومتوں تک پھیل گئی۔ لندن اس عالمگیر مہم کا اہم مرکز تھا۔ جنرل ضیاء نے اپنی حکومت کے ایک طاقتور رکن جنرل چشتی کو لندن بھیجا اور ہائی کمیشن نے سرکاری طور پر استقبالیہ دعوتوں کا انتظام کیا۔ چشتی کی آمد کی اطلاع سے پاکستانیوں کے جذبات بھڑک گئے۔ سفارتخانہ نے ایئرپورٹ پر واقع ہیتھرو ہوٹل میں جنرل چشتی کے استقبال کا اہتمام کیا، لیکن اصل استقبال پاکستانیوں اور کشمیریوں نے ہوٹل کے باہر بھرپور احتجاجی مظاہرے سے کیا۔ کالی جھنڈیوں کے علاوہ ٹماٹر اور انڈے جنرل چشتی پر پھینکے گئے۔ جنرل چشتی "جھوٹ کا پلندہ" وائٹ پیپر اپنے ہمراہ لائے تھے جسے غیر ملکی صحافیوں میں تقسیم کرنے کے لیے اگلے روز ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس ریسٹورنٹ کے باہر موسلادھار بارش میں نصف شب تک پاکستانیوں نے احتجاجی مظاہرہ کیا۔ جنرل چشتی نے پاکستانیوں کے اس شدید احتجاج سے گھبرا کر تمام استقبالیہ تقریبات منسوخ کر دیں۔ فوجی حکومت اور سفارتخانہ کی پاکستانیوں کو ہمنوا بنانے کی تمام کوششیں دو دن میں ہی دم توڑ گئیں۔ اس سے قبل لندن میں پاکستانیوں اور کشمیریوں کا ایک بہت بڑا مظاہرہ ہوا، اس احتجاجی مظاہرے کی قیادت میر مرتضیٰ بھٹو اور غلام مصطفیٰ کھر نے کی یہ مظاہرہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں شریک لوگوں کی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔ ایک پاکستانی روزنامہ "ملت" نے اسکی تعداد پچاس ہزار شائع کی۔ اس مظاہرے کو کامیاب بنانے کے لیے پی پی پی کے علاوہ دیگر جمہوریت پسند تنظیموں خصوصاً "سکوپ" جس کے روح رواں بیرسٹر صبغت قادری اور شیر شاہ قریشی تھے، کے اشتراک سے کیا گیا تھا۔ سفارتخانہ نے اپنے مخصوص ہتھکنڈوں سے "سکوپ" کو تقسیم کر دیا لیکن پاکستانیوں اور کشمیریوں کے اتحاد و یگانگت کو نہ

ختم کیا جا سکا۔ پاکستانیوں و کشمیریوں کے شدید ردِ عمل کا توڑ کرنے کے لیے نہ صرف سفارتخانے کو غیر معمولی فنڈ فراہم کیے گئے بلکہ کچھ پیشہ ور کاغذی تنظیموں اور پی پی پی مخالف عناصر کو بھی استعمال کیا گیا۔

پاکستان سے واپسی کے بعد میں ستمبر 1977ء میں ''مشرق ویکلی'' لندن کے ساتھ بحیثیت چیف ایڈیٹر منسلک ہو گیا۔ اس ہفت روزہ نے اس نازک موقع پر بے حد اہم کردار ادا کیا۔ اس کے منیجنگ ایڈیٹر اے آر بنگش بھی بھٹو صاحب کے گرویدہ تھے۔ جناب بھٹو کی سزائے موت کے بعد برطانوی پریس نے اس کی مذمت اور جنرل ضیاء الحق پر تند و تیز نکتہ چینی کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مواد کو لندن مشرق میں بھی شائع کیا جانے لگا یہ بڑا کارگر ثابت ہوا۔ انگریزی میں یہ مواد فوجی قیادت کو بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔ مشرق کے اشاعتی ادارہ کے چیئرمین چوہدری محمد یوسف جو پاکستان میں مقیم تھے، کو فوجی ہیڈ کوارٹر بلا کر ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ مجھے مشرق سے فوری طور پر علیحدہ کیا جائے۔ ایک دن جب میں دفتر گیا تو میرا نام ویکلی سے غائب تھا، اداریہ اور سرورق کی خبریں بھی تبدیل تھیں، مسٹر بنگش نے مجھے تفصیل بتائی کہ چوہدری یوسف کو اس وقت تک فوجی ہیڈ کوارٹر سے نہ جانے دیا گیا جب تک انہوں نے فون کر کے اس فیصلہ سے مجھے آگاہ نہ کر دیا۔ جنرل ضیاء کی فوجی حکومت یہی حربے استعمال نہیں کر رہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ شیطانی طریق کار سے کام لے رہی تھی۔ پاکستانی سفارتخانہ میں ایک ایسے شخص کو منسٹر انفارمیشن بنا کر بھیجا گیا جس کی 1977ء کے انتخابات میں صوبائی اسمبلی کے لیے پی پی پی کے ٹکٹ کی درخواست مسترد کر دی گئی تھی۔ ایک شام اس نے پاکستانی پریس کو اپنے ہاں کھانے پر بلایا وہاں ''یحییٰ خان فیم'' اسٹینڈرڈ بینک کے انعام الرحمٰن علوی بھی تھے۔ علوی نے بھٹو صاحب کی سزائے موت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جو کام ہونا ہے اسے جلدی ہو جانا چاہیے۔'' علوی نے بی بی سی اردو سروس کے اطہر علی سمیت تمام صحافیوں کو پاکستان جانے کے لیے مفت سفر کی پیشکش بھی کی۔ یہ بات ہمارے لیے ناقابل برداشت تھی کہ یحییٰ خان کا ایک ایجنٹ بے گناہ شخص کو پھانسی دینے کے لیے ٹکٹ کی رشوت پیش کر رہا ہے۔ اس کے خلاف مجھے نازیبا الفاظ استعمال کرنا پڑے اور بے ضمیر موقع پرست میز بان کو سبکی اٹھانا پڑی۔

☆☆☆

5 جولائی 1978ء کو مارشل لاء کی پہلی سالگرہ پر مرتضیٰ بھٹو نے مساوات ویکلی کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ مرتضیٰ کا یہ فیصلہ بروقت اور دانشمندانہ تھا۔ پاکستان میں سنسر شپ اور مساوات پر حکومتی دباؤ کی وجہ سے مساوات ویکلی معلومات اور خبروں کا موثر ذریعہ بن گیا۔ مجاہدانہ صحافت کا علمبردار یہ جریدہ مارشل لاء کے خلاف عالمی مہم کو نتیجہ خیز بنانے میں کلیدی کردار کا حامل ثابت ہوا۔

مرتضیٰ آکسفورڈ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر لندن منتقل ہو گئے۔ شاہنواز بھی سوئٹزرلینڈ سے لندن آ گئے اور دونوں بھائی اپنے والد کی زندگی بچانے کے لیے دن رات کام کرنے لگے۔ اس وقت مرتضیٰ کی عمر 23 سال اور شاہنواز کی عمر 19 سال تھی۔ سیاسی طور پر نا تجربہ کار مگر ذہین، مہذب ان دونوں نوجوانوں میں اپنے عظیم باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ شاہنواز سے میری ملاقات جولائی 1977ء کو لاہور میں ہو چکی تھی جبکہ مرتضیٰ سے پہلی ملاقات لندن میں ہوئی۔ مرتضیٰ کو بیگم بھٹو کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ مساوات اور مغربی پریس سے رابطہ کے علاوہ ذاتی طور پر مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ اب مرتضیٰ سے تقریباً ہر روز ملاقات ہونے لگی اس وقت ہم سب کا ایک ہی مشن تھا کہ کسی بھی طرح بھٹو صاحب کی سزا کے خلاف رائے عامہ کو تیار کیا جائے۔ پاکستان میں اسلامی سربراہ کانفرنس کے قیام کے بعد بھٹو صاحب مسلم دنیا میں ایک ہیرو کا درجہ رکھتے تھے تقریباً تمام عرب سربراہ مملکت بھٹو صاحب کے ذاتی دوست تھے۔ مرتضیٰ بھٹو نے مصطفیٰ کھر کے ہمراہ سب سے پہلے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا جس کے سربراہ شیخ زید بن سلطان النہیان بھٹو صاحب کو اپنا بھائی کہتے تھے۔ شیخ زید نے مرتضیٰ کو یقین دلایا کہ وہ ذاتی طور پر بھٹو صاحب کی رہائی کے لیے کوشش کریں گے اور دوسرے عرب مسلم رہنماؤں پر بھی زور دیں گے کہ وہ بھٹو صاحب کی رہائی کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ انہوں نے مرتضیٰ کو ہر طرح کی اخلاقی و مالی امداد کی بھی پیشکش کی تا کہ وہ برطانیہ کے علاوہ یورپ، امریکہ اور عرب ممالک کے سربراہان مملکت اور حکومتوں سے رابطہ کر سکیں انہی دنوں لیبیا کے کرنل قذافی اور حافظ اسد کے ساتھ ان کا براہ راست رابطہ قائم ہو گیا۔

مساوات ویکلی لندن کے پہلے شمارے کا سرورق
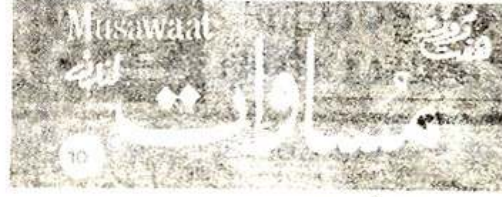
مرتضیٰ اور شاہنواز نے اپنے والد کی رہائی کے لیے جو مہم چلائی اس سے انہیں پوری دنیا میں بڑی شہرت مل رہی تھی۔ جنرل ضیاء کا مشن یہ تھا کہ وہ بھٹو کا نام مٹا دے گا، مگر بالواسطہ طور پر جنرل ضیاء الحق اور اس کی حکومت کی آمرانہ کارروائیوں کی وجہ سے بھٹو صاحب کے بیٹوں کو دنیا کے کونے کونے میں پہچانا جانے لگا۔ اسی دوران ایک تاریخی واقعہ یہ ہوا کہ بھٹو صاحب کا سپریم کورٹ میں دیا جانے والا بیان مرتضیٰ کے ایک دوست نجیب ظفر کے ذریعہ لندن پہنچ گیا اسے سب سے پہلے پاکستان میں مساوات نے چھاپنے کی کوشش کی مگر نہ صرف یہ کہ مساوات پریس بند کر دیا گیا بلکہ اس کے ذمہ داروں کو بھی ملک چھوڑنا پڑا۔ بھٹو صاحب کا یہ ٹائپ شدہ بیان ہمارے ہاتھ آیا تو ہمیں اس وقت اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا مرتضیٰ نے یہ بیان مجھے دیا کہ میں اسے بین الاقوامی اخبارات کو جاری کروں۔ میں نے بھٹو صاحب کے اس بیان کو اپنے ایک جاننے والے صحافی فنانشل ٹائمز کے ایشیا ایڈیٹر مسٹر ڈیوڈ ہاؤسگو کو دیا کہ وہ اسے دیکھ لیں۔ ڈیوڈ جنوبی ایشیا کے ماہر صحافی تھے۔ انہوں نے اس بیان سے وہ حصہ فنانشل ٹائمز میں بڑے نمایاں طور پر شائع کیا جس میں پاکستان کے ایٹم بم کا ذکر تھا۔ اس کی اشاعت سے بھٹو صاحب کے اس بیان کو بڑی شہرت ملی۔ ہم نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کا پیاں بنا کر اس کی تقسیم شروع کر دی اور مختلف اخبارات اور نشریاتی اداروں کو خصوصی طور پر فراہم کیں۔ بعد میں اسے کتاب کی شکل میں شائع کر کے مسلم ممالک کے سربراہوں کے علاوہ سفارتکاروں کو ارسال کیں اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ کے لندن میں مقیم نمائندوں میں بھی تقسیم کیں۔ اس وقت ہمارا بنیادی مقصد یہ تھا کہ یہ تاریخی بیان زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ جب سپریم کورٹ میں جناب بھٹو کی اپیل آخری مراحل میں تھی تو دہلی کے اشاعتی ادارے ''وکاس'' نے ''اگر میں قتل کر دیا گیا'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ لندن میں اس کتاب کے اجراء کی تقریب رونمائی مرتضیٰ اور شاہنواز نے کی۔ اس کتاب کے حوالے سے دنیا کو جنرل ضیاء کے عزائم سے آگاہ کیا اور بی بی سی ورلڈ سروس نے اسے بار بار نشر کیا اور یہ برصغیر کی سب سے زیادہ بکنے والی کتابوں میں شمار کی جانے لگی۔

برطانیہ میں بھٹو صاحب کے احباب اور مداح بڑی تعداد میں موجود تھے۔ آکسفورڈ میں عالمی شہرت یافتہ تاریخ دان پروفیسر Hugh Trever Rupert کے بھٹو صاحب شاگرد رہ چکے تھے۔ ممتاز برطانوی صحافیوں اور دانشوروں سے بھی بھٹو صاحب کی دوستی تھی۔ اس کے علاوہ

پارلیمنٹ میں ایک گروپ ان کی لابی کی شکل اختیار کر چکا تھا اور ارکان پارلیمنٹ سے مسلسل مرتضٰی کا رابطہ تھا۔

بھٹو صاحب کی حمایت میں ایک تنظیم Committe for Democratic Govt. and Press Freedom in Pakistan کے نام سے قائم ہوئی۔ اس کمیٹی میں متعدد ارکان پارلیمنٹ، بااثر اخبارات کے ایڈیٹر، دانشور اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے سرکردہ افراد شامل تھے۔ اس کمیٹی کے کنوینیر مسٹر کلاڈ مارس تھے اور میں واحد پاکستانی اس کا رکن تھا دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کمیٹی کا دفتر مسٹر کلاڈ مارس کے اپنے آفس میں تھا جو پاکستانی ہائی کمیشن کے عین سامنے واقع تھا۔

کمیٹی کی طرف سے لندن ٹائمز میں ایک صفحہ کا اشتہار شائع کیا گیا جس میں جنرل ضیاء سے اپیل کی گئی کہ بھٹو صاحب کی سزا کے فیصلہ پر نظر ثانی کریں اور ملک میں جمہوریت کا وہ وعدہ ایفا کریں جو انہوں نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر کیا تھا اور برطانوی وزیراعظم جیمز کیلاہن سے بھی جب وہ سرکاری دورہ پر پاکستان گئے تھے۔ اشتہار پر برطانوی ارکان پارلیمنٹ، ممتاز صحافیوں اور ادیبوں نے دستخط کیے تھے علاوہ ازیں برطانوی پارلیمنٹ میں ایک قرارداد بھی پیش ہوئی جس پر اس وقت حزب اختلاف کی لیڈر مسز مارگریٹ تھیچر نے بھی دستخط کیے۔

انہی دنوں میر مرتضٰی کو بھٹو صاحب کا ایک خط جیل کی کال کوٹھڑی سے ملا جو ان کی اپنے بڑے بیٹے سے محبت اور دلی کیفیت کی بھرپور غمازی کر رہا تھا۔ بھٹو صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا:

میرے بہت پیارے میر!

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ مجھے آپ کو خط لکھنے کے لیے ذہنی کرب سے گزرنا پڑ رہا ہے ہر بار میں ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا ہوں۔ بالآخر قتل کے مقدمہ میں مجھے ایک تنہا کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا ہے۔ سب کو علم ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔ مجھے ایک گہری گھناؤنی سازش کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ جو توہین آمیز سلوک میرے ساتھ کیا گیا ہے اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے میں اپنے اس بڑے بیٹے کو کچھ لکھنے سے قاصر رہا جس نے کل میرے نقش قدم پر اسی عظمت سے چلنا ہے جو میرا حصہ رہی ہے

پچھلی گرمیوں میں آپ نے یہاں شاندار کام کیا تھا۔آپ میرے لیے قوت کا عظیم ذریعہ تھے۔آپ نے لوگوں کے دل موہ لیے تھے۔میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی تھی۔لوگ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ خوشی کی بات ہے آپ کو مسائل سمجھنے کی مہارت حاصل ہے۔میرا سب سے بڑا کارنامہ ملک کے پسماندہ لوگوں کو جگانا اور حکومت کے معاملات میں ان کی آواز کو شامل کرنا تھا۔میں نے انہیں 1971ء کی ذلت سے نکال کر عزت اور عظمت کی بلندیوں تک پہنچایا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ وقت گزر جائے گا،لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں وقت کے اس دھارے سے عزت کے ساتھ گزروں۔انجام جو بھی ہو اس کا مقابلہ جرأت کے ساتھ کرنا چاہیے۔ان بدترین حالات میں جن سے ہم پہلے کبھی نہیں گزرے تھے،آپ کی امّی اور ہمشیرہ میرے لیے قوت کا ایک شاندار ستون ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ ان کی اس شاندار مجاہدانہ مدد کے بغیر حالات میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن بن جاتے۔عدالتوں اور انتظامیہ میں میرے لیے کوئی انصاف نہیں ہے۔صرف اللہ تعالیٰ اور عوام ہی کے ہاتھ میں میری زندگی ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیرونی اثرات بے معنی ہیں بیرونی اثرات پُر اثر ہوسکتے ہیں اگر صحیح جگہوں پر استعمال کیے جائیں۔مثال کے طور پر بیرونی پریس نہایت تعمیری کردار ادا کرسکتا ہے،حکومت اور پارلیمنٹ کے ممبر مددگار ثابت ہو سکتے ہیں،ہمیں درست راستوں کی نشاندہی کرنی ہوگی اور اپنی کوششوں کو ضائع نہیں کرنا ہوگا۔

خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو

آپ کا والد

ذوالفقار علی بھٹو

لندن کے ڈیلی ایکسپریس میں شائع ہونے والا شہید ذوالفقار علی بھٹو کا مرتضیٰ بھٹو کے نام آخری خط

As ex-President Bhutto faces execution

MY DEAREST SON

"A great source of strength"... Mir Bhutto

A letter from the death cell

FIGHTING FOR HIS FATHER'S LIFE . . .

THESE COULD be the last words ever written by Pakistan's former President, Zulfikar Ali Bhutto, as he languishes in the condemned cell.

They are extracts from a long, hand-written letter he recently sent to his eldest son, 24-year-old Mir, now living in London.

They read almost like a last testament from the proud, Oxford-educated statesman as he parades his achievements in office before his son and charges him with taking care of the rest of the family — elder sister Benazir, 25, now under house arrest in Pakistan; brother Shah, 20, and younger sister Sanam.

It now looks as if only a miracle can keep Bhutto from the hangman's noose. If anyone can perform that miracle, it is his son Mir.

During the 11 months his father has been in jail, he has travelled the world in his quest for support.

Pride

Without his tireless efforts,

' My dearest Mir—this is not the first time I have picked up the pen to write to you. On every occasion

We all know that I am innocent. We all know that I am the victim of a deep sordid conspiracy. Yet the humiliation and the insult cannot be ignored.

For this reason, I have not been able to get down to writing to my eldest son: the young man who will wear my mantle and carry my marks.

Condemned . . . Mr. Bhutto

You did such a splendid job when you were here this summer. You were a source of great strength to me. The people also took to you like fish take to water.

BEYOND BELIEF

It thrilled me beyond belief. Really it defies description. The people are [illegible] This is all the more gratifying. You have got a hang of the problems.

My biggest achievement was to awaken the down-trodden people of the country and to give them a vote in the affairs of the State. I took them out of the shame of 1971 and restored their honour.

The important thing is that time will pass, the most important thing is that I must pass through it with honour. Whatever this end, it must be faced bravely.

In this crisis, and it has been the worst seen by us, your mother and your sister have been shining pillars of strength. It would have been very difficult, I would say it would have been impossible, to be without their splendid and heroic contributions.

There is no justice in the courts or in the Administration. Only God Almighty and the people can save me.

This does not mean that the outside influences are useless. The outside influences can be effective, if the influences are employed in the right places.

GOOD FRIENDS

For instance, the outside Press can play a constructive part. Men of influence in Government and in Parliament can make a contribution. We have to put our finger on the right spot and not waste our energies.

I hope that you are looking after yourself and making good friends.

God bless you very dearest, lovable son . . . Your father
Zulfikar Ali '

مسٹر کلاڈ مارس نے ہاؤس آف کامنز میں میر مرتضیٰ بھٹو کے لیے ایک لنچ کا اہتمام کیا جس میں کئی ارکان پارلیمنٹ شریک ہوئے۔ اس تقریب میں Agony of Pakistan کے نام سے ایک کتاب متعارف کرائی گئی۔ کمیٹی برائے جمہوریت وآزادی پریس نے یہ کتاب شائع کی اور اس میں جناب بھٹو کو پھانسی کی سزا کے علاوہ جنرل ضیاء کی آمریت میں سیاسی کارکنوں اور صحافیوں پر مظالم، کوڑوں کی سزا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی مستند تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ کتاب میں ممتاز برطانوی اخبارات کے اداریئے اور خبریں بھی شامل تھیں۔ اس کی وسیع پیمانے پر تشہیر وتقسیم ہوئی جس سے دانشور طبقے اور رائے عامہ ساز اداروں کو پاکستان میں روا رکھے گئے بھیانک مظالم کا علم ہوا اور ضیاء کے خلاف یورپی ملکوں میں رائے عامہ منظم اور مضبوط ہوئی۔

لندن اس وقت ساری دنیا میں پاکستان کی جمہوری جدوجہد کا مرکز بن گیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی بڑی تعداد مارشل لاء کے جوروستم سے تنگ آ کر یہاں پناہ لے رہی تھی۔ ادھر پاکستان میں عوامی جدوجہد اپنے عروج پر تھی۔ پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں کوڑوں کی سزائیں دی جا رہی تھیں۔ انسانی تاریخ میں یہ منفرد واقعہ بھی رونما ہوا کہ پہلی مرتبہ کسی قائد کے لیے اس کے جانثاروں نے خود کو زندہ جلا کر موت کا جام نوش کیا۔

مرتضیٰ لندن کے علاوہ مختلف ممالک کے دورے کر رہے تھے اور ان کی کوششیں کسی حد تک بارآور بھی ثابت ہو رہی تھیں۔ ایک روز ہنری کیسنجر کے دفتر سے فون آیا اور مرتضیٰ سے کہا گیا کہ آپ کے لیے اچھی خبر یہ ہے کہ شاہ فہد سے جنرل ضیاء نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے والد کی موت کی سزا پر عمل درآمد کا حکم نہیں دے گا۔ اس پر مرتضیٰ نے کہا کہ ''کیا ضیاء پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔'' اس پر ہنری کیسنجر نے کہا کہ ''وہ اتنی اعلیٰ سطح پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

ترکی کے وزیراعظم بلند ایجوت بھٹو صاحب کے بڑے مدّاح تھے۔ ترک عوام میں بھٹو صاحب بہت مقبول اور ہردلعزیز تھے۔ جناب بلند ایجوت نے بھٹو کو سیاسی پناہ دینے کی بھی پیشکش کی۔ شیخ زید اپنی طرف سے جاں بخشی کے لیے دیت دینے کے لیے تیار تھے۔ عظیم ہمسایہ چین اور امریکی صدر جمی کارٹر کی والدہ نے اپنے طور پر بھٹو صاحب کی جاں بخشی کی اپیل کی۔ فرانس کے صدر جسکاں نے پھانسی کی پرزور مذمت کرتے ہوئے اس پر عمل نہ کرنے کے لیے زور دیا۔ مسلم ممالک کے سربراہوں خصوصاً جمہوریہ شام کے صدر حافظ اسد، عراق کے صدر صدام حسین، لیبیا

کے کرنل معمر قذافی کے علاوہ تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ جناب یاسر عرفات نے بھی بار بار جنرل ضیاء پر زور دیا کہ وہ اس مذموم ارادے سے باز رہیں۔ مسز اندرا گاندھی نے بھی تمام اختلافات بھلا کر بھٹو صاحب کی رہائی کی اپیل کی اور دنیا کے تمام ممالک کے سربراہوں کو خط لکھ کر ان کی پھانسی کی سزا کی مخالفت کرنے کی استدعا کی۔ ساری دنیا میں بھارت کے وزیراعظم مرارجی ڈیسائی واحد شخص تھے جنہوں نے جنرل ضیاء سے ذاتی تعلق کے سبب بھٹو کی سزائے موت کے خلاف کوئی اپیل نہیں کی تھی۔

5 جنوری 1979ء کو مساوات نے بھٹو صاحب کی سالگرہ پر خصوصی ایڈیشن شائع کیا اس سالگرہ نمبر میں پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرپرسن بیگم نصرت بھٹو کا اہم ترین انٹرویو شائع کیا گیا جس میں بیگم بھٹو نے ضیاء ٹولے کی چیرہ دستیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے پاکستانی عوام سے اپیل کی تھی کہ وہ بھٹو صاحب کی رہائی اور ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے اپنا تاریخی کردار ادا کریں۔

جیسے جیسے بھٹو صاحب کی پھانسی کے دن قریب آرہے تھے۔ میر مرتضیٰ بھٹو کی سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ایرانی انقلاب کے بعد آیت اللہ خمینی اہم عالمی لیڈر بن کر ابھرے تھے۔ شاہنواز کی ایران کی انقلابی قیادت تک رسائی تھی۔ انہوں نے اپنے ذرائع سے امام خمینی سے ملاقات طے کی اور دونوں بھائی 3 مارچ 1979ء کو تین روزہ دورہ پر ایران روانہ ہو گئے۔ اس دورہ کو اس وقت صیغہ راز میں رکھا گیا۔ دونوں بھائیوں نے ایران پہنچتے ہی قم میں انقلاب کے اہم لیڈر آیت اللہ گل پیغانی سے ملاقات کی۔ جنہوں نے بھٹو صاحب کے بیٹوں کو یقین دلایا کہ ان کے والد کی جان بچانے کے لیے ایرانی عوام ان کے ساتھ ہیں۔ اگلے دن آیت اللہ شریعت مداری نے دونوں بھائیوں کو چائے کی دعوت دی اور اسی وقت جنرل ضیاء کو یہ تار بھیجا کہ بھٹو صاحب کو پھانسی دینا اسلام کے خلاف ہے۔ اس سے دونوں ملکوں کے تعلقات پر برا اثر پڑے گا اور پاکستان دنیا بھر میں رسوا ہو جائے گا۔

مساوات سالگرہ نمبر میں بیگم بھٹو کا خصوصی انٹرویو

امام خمینی نے ملاقات میں مرتضٰی اور شاہنواز کو بتایا کہ وہ پہلے ہی جنرل ضیاء سے بھٹو صاحب کی زندگی بچانے کی اپیل کر چکے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اللہ کے فضل سے ان کے والد کو کچھ نہیں ہو گا اور اگر انہیں کچھ ہوا تو وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ایران کے کامیاب دورے کے بعد مرتضٰی نے 18 مارچ کو لندن میں مقیم پاکستانیوں کا ایک بین الاقوامی کنونشن منعقد کیا جس میں برطانیہ کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، مشرق وسطٰی اور اسکنڈے نیویا کے ملکوں سے دو سو مندوبین شریک ہوئے۔ کنونشن میں کینیڈا میں مقیم مشہور فلمی اداکار مسرت نذیر کے شوہر ڈاکٹر ارشد مجید نے یہ منفرد مطالبہ کیا کہ جناب بھٹو نصف دنیا کے لیڈر ہیں اور ان کی رہائی کے لیے دنیا میں استصواب رائے کرایا جائے تو دنیا کی اکثریت ان کے حق میں ووٹ دے گی۔

سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی اپیل مسترد ہونے کے بعد بھٹو صاحب کی زندگی بچانے کی کوششیں تیز ہو گئیں۔ پاکستان میں اسلامی اور عرب ممالک کے سفیروں نے مشترکہ طور پر جنرل ضیاء پر زور دیا کہ وہ جناب بھٹو کی پھانسی کی سزا کو ختم کریں۔اس اجلاس میں سعودی عرب، کویت، قطر، متحدہ عرب امارات، مصر، عراق، شام، اردن، لیبیا، سوڈان، صومالیہ، الجزائر، مراکش اور اومان کے سفیر شریک ہوئے۔

ایسی پستی:

کال کوٹھڑی میں بھٹو صاحب کی زندگی اور موت میں بہت کم فاصلہ تھا۔ایسے مواقع پر بدترین مخالف کا بھی دل پسیج جاتا ہے اور ہمدردی نفرت کے جذبوں پر حاوی ہو جاتی ہے، لیکن خود پرستی کا شکار ''دانشور'' الطاف گوہر اتنا بڑا انسان نہیں تھا کہ بھٹو صاحب کے ساتھ بغض وعناد کی کثافت سے اپنا دل صاف کر لیتا۔اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ بھٹو صاحب نے اس کے ساتھ نیکی اور اچھائیاں بھی کی تھیں۔ انصاف، رحم اور ہمدردی کے احساسات اس کے جذبہ انتقام کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

الطاف گوہر 1979ء میں بی سی سی آئی کے ذیلی ادارہ تھرڈ ورلڈ فاؤنڈیشن کا لندن میں سربراہ تھا۔اس فاؤنڈیشن نے ایک انتظام کے تحت روزنامہ ''گارڈین'' میں ہفتہ وار ایک صفحہ مخصوص کر رکھا تھا۔گارڈین بھٹو صاحب کی سزائے موت کے سخت خلاف تھا اور جنرل ضیاء کی فوجی آمریت

کی پرزور مذمت اس کی پالیسی تھی۔ گارڈین کے اسی مخصوص صفحہ پر الطاف گوہر نے ذاتی حساب چکانے اور جذبہ انتقام کی تسکین کے لیے بھٹو صاحب کے خلاف ایک نفرت انگیز مضمون لکھا اور بھٹو صاحب کو پھانسی دینے کی حمایت کر کے اس قابل نفرت مضمون کا تخلیق کار انسانی پستی کی اتھاہ گہرائی میں جا گرا۔ جناب بھٹو کے دوسرے بدترین مخالف زیڈ اے سلہری نے الطاف گوہر کے اس ''پستی نامہ'' کو پاکستان ٹائمز میں نمایاں طور پر شائع کیا جسے بھٹو صاحب نے جیل کی کوٹھڑی میں پڑھا اور وہیں انہوں نے اس کا جواب تحریر کیا۔ آمنہ پراچہ نے اپنے ذرائع سے بھٹو صاحب کی یہ دستاویز مرتضیٰ کو لندن بھیجی۔ بھٹو صاحب کی اس آخری تحریر کو مساوات ویکلی میں "We expose Altaf Gohar" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔

بھٹو صاحب کی یہ آخری تحریر اور ان کی شہادت تاریخ کا اہم ورق ہے۔

آخری دستاویز:

گارجین میں الطاف گوہر کے مضمون کے جواب میں بھٹو صاحب نے جیل سے جو بیان لکھا وہ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ الطاف گوہر نے احسان فراموشی کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر سیاسی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ بھٹو صاحب نے الطاف گوہر کی ملازمت کے ماضی کو بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ فیروز خان نون کے پاکستان کی وزارت عظمیٰ سنبھالنے کے بعد پہلی بار الطاف گوہر ملکی افق پر بطور سیکرٹری نمودار ہوا۔ وزیراعظم نون پر الطاف گوہر کے بے انتہا اثر و رسوخ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے ان کے سینئر اور بڑے بھی حسد کرنے لگے۔ ان میں سے ایک میاں انور علی تھے جو انٹیلی جینس بیورو کے ڈائریکٹر تھے۔ الطاف گوہر کا سب سے نمایاں وصف اس کی چاپلوسی تھی جب اس نے بھانپ لیا کہ مارشل لاء کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے تو اس نے فوری طور پر وزیراعظم فیروز خان نون سے لندن اسکول آف اکنامکس میں اسپیشل کورس پر جانے کی اجازت طلب کی اور جب اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء آیا تو الطاف گوہر یہاں سے بہت دور لندن میں برطانوی یونیورسٹی کے اسکالروں کے جھمگٹے میں تھا وہ لوگوں کی نظروں اور ذہنوں سے دور ضرور تھا، لیکن ڈائریکٹر انٹیلی جینس میاں انور علی کی نظروں سے وہ محو نہیں ہوا تھا۔

میاں انور علی جیسے سخت گیر اور ان کے سحر میں جکڑے ہوئے ایوب خان کے وزیر داخلہ جنرل شیخ، الطاف گوہر کی بے عزتی اور بربادی پر پوری طرح متفق تھے۔میاں انور علی نے پہلے جنرل شیخ اور پھر ایوب خان کو بھڑکایا کہ الطاف گوہر ایک خطرناک بیوروکریٹ ہے اور اس کے سابق وزرائے اعظم فیروز خان نون اور سہروردی جیسے لوگوں سے تعلقات ہیں چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ الطاف گوہر کو لندن اسکول آف اکنامکس سے واپس طلب کیا جائے اور ان کی تعیناتی ڈیرہ غازی خان میں ڈپٹی کمشنر کے طور پر کر دی گئی بعد ازاں مارشل لاء قوانین کے تحت اسے گرفتار کر کے جیل کے اندر احتساب کیا گیا اس موقع پر الطاف گوہر کے ساتھی اسے بچانے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ان میں اس کے قریبی دوست منیر حسین شاہ بھی تھے جو مشرقی پاکستان میں اس کے ساتھ تھے۔

منیر حسین شاہ اس وقت کیبنٹ ڈویژن میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر فائز ایک ذہین افسر تھے۔انہوں نے دن رات کوشش کی کہ الطاف گوہر کو کسی طرح بچایا جاسکے۔اس کے لیے انہوں نے سیکرٹری کامرس عباس خلیلی کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔عباس خلیلی نے اس وقت کے نئے کامرس منسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو اپنا ہمنوا بنایا تاکہ الطاف گوہر جو کہ میاں انور علی کے عتاب کا شکار تھا، کو بچایا جاسکے۔عباس خلیلی ایک پر اثر اور چرب زبان اور اچھا ذہن رکھتے تھے۔انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو قائل کر لیا کہ وہ الطاف گوہر کو اپنے سایہ عافیت میں لے لیں۔اس کے بدلے میں وہ یہ ضمانت دینے کے لیے تیار ہیں کہ الطاف گوہر ان کے لیے ایک حقیقی سرمایہ اور اطاعت گزار ماتحت ثابت ہوگا۔

الطاف گوہر کی اپنے کامرس منسٹر ذوالفقار علی بھٹو سے پہلی ملاقات سندھ منسٹر آفس کی بلڈنگ میں ہوئی۔اس ملاقات میں الطاف گوہر نے کہا کہ وہ ایوبی عتاب سے نجات دلانے پر جناب بھٹو کا ممنون احسان ہے اور یہ کہ وہ اپنے مستقبل کے تمام معاملات ان کے اختیار میں دیتا ہے۔مسٹر بھٹو نے الطاف گوہر کو یاد دلایا کہ اس معاملے میں انہیں اپنے دوستوں عباس خلیلی اور منیر شاہ کا زیادہ شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے انہیں اس کام کے کرنے پر مجبور کیا۔

الطاف گوہر نے جب تمام مشکلات پر قابو پالیا اور اپنی پوزیشن بیوروکریسی کے اعلیٰ طبقوں میں مضبوط کر لی تو اس نے اپنی سیاسی بنیاد کو وسعت دینا شروع کی اب اس کا مطمح نظر ایوب خان کی

توجہ حاصل کرنا تھا جس کے لیے اس نے ایک چکردار راستے کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اپنی پہلی غلطیوں سے سبق حاصل کر چکا تھا۔ اس دوران اس نے سیکرٹری فنانس کے طور پر لاہور میں اپنی تعیناتی کروائی تا کہ اس طرح وہ گورنر مغربی پاکستان کا قرب حاصل کر سکے۔ نواب کالاباغ اس وقت مرد میدان تھے اور پاکستان کے سیاسی حلقوں میں مردآہن کے طور پر جانے جاتے تھے۔ الطاف گوہر ان کے اس قدر نزدیک آ گیا کہ کچھ ہی عرصے بعد نواب کالاباغ نے وفاقی حکومت میں بطور سیکرٹری انفارمیشن اسے تعینات کروا دیا تا کہ اس طرح وہ وفاقی دارالحکومت میں رہتے ہوئے نواب کالاباغ کے مفادات پر نظر رکھ سکے اور صدر ایوب خان کے نزدیک نواب کالاباغ کی نا قابل تبدیل اور ناگزیر حیثیت برقرار رکھی جا سکے۔

الطاف گوہر نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ بطور سیکرٹری اطلاعات اس کی حیثیت ایوب خان کی آنکھ اور کان جیسی ہے۔ اس کے بعد الطاف گوہر نواب کالاباغ کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو چکا تھا اور یہی چیز اس شخص کا پیدائشی وصف تھا اس عام فتنہ پردازی کے دوران الطاف گوہر بہت احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ ایک وقت تھا کہ وہ ہارون برادران کے خلاف ذاتی بغض وعناد رکھتا تھا کیونکہ ایوب خان کا خیال تھا کہ یوسف ہارون سی آئی اے کو ان کے خلاف بھڑکا رہے ہیں اور وہ خود کو ان کی جگہ پر لانے کی سازش کر رہے ہیں چنانچہ اس دور میں ایک تجویز یہ بھی دی گئی کہ ڈان اخبار اور ہیرالڈ پبلیکیشن کا انتظام سرکاری تحویل میں لے لیا جائے اور یوسف ہارون کو 48 گھنٹے کے اندر ملک چھوڑنے کے لیے کہا جائے (الطاف گوہر ہارون برادران کے خلاف ہونے والی اس کارروائی کا اصل محرک نہ ہو تب بھی وہ اس کا حصہ ضرور تھا) جب ہارون برادران نے ایوب خان سے صلح کر لی اور اپنے معاملات طے کر لیے تو الطاف گوہر ہارون سنڈیکیٹ کا ممبر بن گیا۔

جب یحییٰ خان نے مارچ 1969ء میں ایوب خان کی جگہ سنبھالی تو الطاف گوہر نے برق رفتاری کے ساتھ اپنی وفاداری تبدیلی کر لی اور یحییٰ خان کے مفاد میں سرگرم ہو گیا۔ بدقسمتی سے جنرل یحییٰ خان کے پاس الطاف گوہر کا نعم البدل جنرل پیرزادہ کی شکل میں پہلے سے موجود تھا اور اس نے الطاف گوہر کو پریشان کر دیا اور یہی چیز بعد میں اسے سول سروس سے باہر لے گئی لیکن یہ الطاف گوہر کے کردار کا اختتام نہ تھا۔ اس زمانہ میں جب وہ راندہ درگاہ تھا تو ہارون برادران نے

اسے ڈان اخبار کا ایڈیٹر بنادیا۔

الطاف گوہر اقتدار کی غلام گردشوں سے باہر کر دیا گیا لیکن وہ اب بھی ہارون سنڈیکیٹ میں شامل تھا۔ محمود ہارون یحییٰ خان کے مارشل لاء حکومت میں منسٹر تھے اور اسی طرح ضیاء الحق کے تیسرے مارشل لاء میں بھی وہ وزیر کے عہدے پر فائز تھے۔ ہارون برادران سنڈیکیٹ اب بھی سرگرم تھی اور الطاف گوہر کراچی میں بیٹھ کر اس کے معاملات سنبھال رہا تھا اس سندیکیٹ کی ایک مشہور زمانہ آماجگاہ سندھ کلب تھی۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان کے گمنام سیاستدانوں سے روابط مضبوط کیے جا رہے تھے اور الطاف گوہر اس میں بیچ کے آدمی کا کردار ادا کر رہا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد بھٹو کا راستہ روکنا اور اگر ضروری محسوس کیا جائے تو ان کا خاتمہ تھا۔

پاکستان کی بنیادیں ہلا دینے اور حصے بخرے کرنے والی شکست کے بعد جب بھٹو صاحب نے پاکستان کی صدارت سنبھالی تو قوم سے اپنے خطاب میں انہوں نے نیشنل عوامی پارٹی پر سے پابندی اٹھانے کا اعلان کیا۔ الطاف گوہر نے سنڈیکیٹ کے احکامات کے تحت یا پھر اپنے ذاتی عناد کے سبب حکومت کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی اگر اس کی سرگرمیاں صرف ڈان کے اخباری کالموں تک ہی محدود رہتیں تو شاید حکومت کو اس سے کوئی زیادہ فرق نہ پڑتا۔ حکومت نے اس کے زہریلے کالموں اور اس وقت کے وزیر اطلاعات عبدالحفیظ پیرزادہ کے بارے میں اس کی اشتعال انگیز تحریروں کا نوٹس تو نہیں لیا مگر حکومت کی توجہ بتدریج اس کی خطرناک اور خفیہ سرگرمیوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ ان سرگرمیوں کا تعلق ایک بڑی غیر ملکی طاقت کی خفیہ ایجنسی سے تھا جس کے سبب اسے تحفظ امن عامہ کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ گرفتاری کے کچھ دن بعد الطاف گوہر کی بیگم نے کلفٹن کراچی میں بھٹو صاحب سے ملاقات کی اور اس کے لیے غیر مشروط معافی مانگی۔ انہوں نے اپنے شوہر کی سرگرمیوں کی نہ ہی مدافعت کی اور نہ ہی ان سے انکار کیا بلکہ انہوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس تمام رویہ کی وجہ الطاف گوہر کی ذہنی مایوسی اور انتشار ہے اور انہوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ آئندہ انہیں قابو میں رکھنے کی کوشش کریں گی۔ الطاف گوہر کو رہا کر دیا گیا مگر اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جانے لگی بدقسمتی سے وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور غیر ملکی ایجنسیوں سے خفیہ روابط برقرار رکھے جلد ہی اس کے خلاف دوبارہ ایکشن لیا گیا اس بار اس کے اہل خانہ نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں کہ آئندہ الطاف گوہر ایسی سرگرمیوں سے باز رہے گا اور وہ اپنی

زندگی کا ایک نیا باب شروع کرے گا ابن الوقت لوگوں کو ہمیشہ بچنے کے لیے آخری موقع مل جاتا ہے چنانچہ ایک دفعہ پھر اسے رہا کر دیا گیا۔ الطاف گوہر اور اس کے بھائی تجمل حسین نے 70 کلفٹن کراچی میں جناب بھٹو سے ملاقات کی۔ اس سے پہلے وہ دو دفعہ وزیراعظم سے ان کی کلفٹن کی رہائش گاہ پر مل چکا تھا۔ کراچی کی دوسری ملاقات اور اس کے بعد عمل میں آنے والی الطاف گوہر کی رہائی کے بعد دونوں بھائیوں نے وعدہ کیا اور انہیں یقین دلایا کہ آئندہ وہ ان کے خلاف کسی قسم کی سازش نہیں کریں گے۔ الطاف گوہر نے وضاحت پیش کی کہ پہلی دفعہ رہائی کے بعد خفیہ سرکاری ایجنسیوں نے اس کی سرگرمیوں کو غلط طور پر پیش کیا۔ اس نے کہا کہ وہ صرف اپنے دوستوں سے ملاقات کرتا رہا ہے۔ جناب بھٹو نے ان دونوں کو بتایا کہ بار بار ان کی گرفتاری کے احکامات جاری کرنا ان کے لیے کوئی خوش کن صورتحال نہیں ہے اور یہ کہ 1958ء سے لے کر اب تک ہر دفعہ انہوں نے ان دونوں بھائیوں کا خاص خیال رکھا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ پاکستان کی قانونی اور منتخب حکومت کو گرانے کی اپنی چالبازیوں سے باز آ جائیں تو وہ ماضی کو بھلانے کے لیے تیار ہیں۔

جب وزیراعظم بھٹو کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ الطاف گوہر اور اس کے بھائی نے اپنی سرگرمیاں ترک کر دی ہیں اور انٹیلی جینس اداروں کی رپورٹوں سے بھی اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ الطاف گوہر بطور بزنس مین ایک نیا دور شروع کر چکا ہے تو وزیراعظم نے راولپنڈی میں اسے طلب کیا اور روٹی پلانٹس کے منصوبے کی افادیت کے بارے میں اس کے منصوبے پر تبادلہ خیال کے بعد کراچی، لاہور اور دوسرے بڑے شہروں میں روٹی پلانٹ لگانے کے لیے اسے لائسنس دے دیا جس کے ذریعہ الطاف گوہر نے 50 ملین کا منافع کمایا۔ اس کے علاوہ وزیراعظم بھٹو نے اس کے بھائی تجمل حسین کو ملائشیا میں بطور سفیر تعینات کر دیا۔

ایک وزیر نے وزیراعظم بھٹو سے پوچھا کہ آخر بار بار بدل جانے والے اور ناشکر گزار شخص پر اتنی مہربانی کی کیا ضرورت ہے تو وزیراعظم نے اپنے ساتھی کو بتایا کہ انہوں نے جذبہ خیر سگالی کے تحت اس باب کو بند کیا ہے کیونکہ اگر روٹی پلانٹ کے ذریعے الطاف گوہر کو اپنی سرگرمیوں سے روکا جا سکتا ہے تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان نوازشوں کے سبب الطاف گوہر وزیراعظم بھٹو کا مداح بن گیا۔ اس نے اپنے مشترکہ دوستوں کو بتایا کہ وہ ہمیشہ سے ہی وزیراعظم بھٹو کے

مداحوں میں رہا ہے لیکن بدقسمتی سے درمیان میں افسوسناک موڑ آ گیا جب وہ لندن کے دورے پر تھا تو اس نے خط لکھ کر وزیراعظم کو اپنی سرگرمیوں اور اپنے دورے کے مقصد سے آگاہ کیا اور لکھا کہ اس کی پاکستان سے طویل غیر حاضری سے متعلق اگر ہلکی سی بھی بدگمانی پائی جاتی ہو تو وہ فی الفور وطن واپس آنے کے لیے تیار ہے۔وزیراعظم نے اسٹیبلشمنٹ و کیبنٹ سیکرٹری وقار احمد کو اس خط کی کاپی مارک کر کے بھیج دیا وراس کے حاشیہ پر لکھا کہ اپنے دوست کو بتا دو کہ وہ جتنا عرصہ چاہے لندن میں قیام کر سکتا ہے اور اسے کسی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔بھٹو صاحب کو شاید کلفٹن کراچی میں اپنی رہائش گاہ میں ہونے والی ملاقات کے بعد کوئی بداعتمادی اور اندیشہ نہ ہو لیکن الطاف گوہر کے لیے اس معاملے کو زندہ رکھنا اور وقت پڑنے پر ہوا دینا فطرت ثانیہ تھی۔

جون 1977ء میں جب بھٹو صاحب کے خلاف پی این اے کی تحریک کا آغاز ہوا تو ایک بار پھر الطاف گوہر بھٹو صاحب کے خلاف سرگرم ہو گیا۔پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب بھٹو صاحب قید میں تھے تو الطاف گوہر نے اپنا قلم جنرلوں کو گروی رکھ دیا اور اس مہم کا سرخیل بن گیا جو بھٹو صاحب کو پھانسی کے تختے پر لے گئی۔ساری دنیا کے مقتدر رہنما اور اہل فکر ونظر بھٹو صاحب کی رہائی کی اپیلیں کر رہے تھے جبکہ یہ احسان فراموش انہیں جلد سے جلد پھانسی دینے کا مطالبہ کر رہا تھا اور بھٹو صاحب کی پھانسی کی حمایت میں گارجین میں شائع ہونے والا الطاف گوہر کا یہ مضمون تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔

☆☆☆

سپریم کورٹ میں اپیل مسترد ہونے کے بعد ملک سے باہر شدید ردعمل ہوا اور بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانیوں نے زبردست احتجاجی مظاہرے کیے۔لندن کے احتجاجی مظاہرے کے بعد ایک بڑا احتجاجی جلوس نکالا گیا اور اس میں ہزاروں پاکستانی اور کشمیری شامل تھے۔عورتیں اور بچے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور جنرل ضیاء کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگاتے رہے۔ایک شخص شمالی انگلستان سے کتا لے کر آیا تھا اور اس کے گلے میں جنرل ضیاء کا کارٹون لٹکا کر جلوس کے آگے آگے تمام وقت ضیاء کتا ہائے ہائے کے نعرے لگاتا رہا۔یہ جلوس وکٹوریہ اسٹیشن سے شروع ہو کر لندن کے اہم راستوں سے ہوتا ہوا ہائیڈ پارک پہنچا یہ اتنا بڑا جلوس تھا کہ پولیس نے بطور خاص حفاظتی انتظامات کیے تھے تاکہ پاکستانی سفارتخانہ کو مشتعل لوگوں سے محفوظ رکھا جائے

اس مظاہرہ کی قیادت مرتضٰی اور شاہنواز کر رہے تھے۔ ہزاروں لوگوں کے نعرے لندن کی فضاؤں میں گونج رہے تھے، عالمی ذرائع ابلاغ اسے کوور کرنے کے لیے موجود تھے لیکن جنرل ضیاء کے عزائم کچھ اور تھے۔

فوجی جنتا کے ان خوفناک عزائم کی نشاندہی مرتضٰی بھٹو نے نیویارک ٹائمز کے انٹرویو میں یہ کہہ کر کر دی تھی کہ اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی بچانے کی مہم میں اب ان کی امیدیں دم توڑ رہی ہیں۔ مرتضٰی نے اخبار کے نمائندہ مسٹر ولیم بارڈر کو بتایا کہ وہ میرے والد کو پھانسی دینے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ جن جرنیلوں نے حکومت غصب کی ہے۔ انہیں یہ علم ہے کہ اگر ان کے والد کو زندہ رہنے دیا گیا تو ایک دن وہ دوبارہ برسر اقتدار آ جائیں گے۔ میں جہاں جہاں بھی گیا ہوں مجھے بے حد حمایت ملی ہے، لیکن جرنیلوں کو اس کی ذرا بھر پرواہ نہیں ہے۔''

جنرل ضیاء کو عالمی رائے عامہ کی کوئی پرواہ نہیں تھی وہ ہر قیمت پر بھٹو صاحب کو عدالتی ہتھیار سے قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ناپاک عزائم کے لیے وزراء کی ایک ٹیم لندن بھیجی تھی جس میں وزیر دفاع میر علی احمد تالپور، پروفیسر خورشید احمد، زاہد سرفراز اور زیڈ اے سلہری قابل ذکر ہیں۔ لندن ان کی غیر معمولی سرگرمیوں کا اڈا تھا جس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ سفاک فوجی آمر عوام کے محبوب لیڈر کو پھانسی دینے پر تلا ہوا ہے۔ جنرل ضیاء کا خصوصی مشیر معظم علی بھی اسی مشن پر کام کر رہا تھا اس نے اپنے حلقہ خاص میں یہ اطلاع دی کہ آج کام ہو جائے گا اگلی صبح بیرسٹر صبغت اللہ قادری معظم علی کے دفتر گئے اور اسے ایک زوردار تھپڑ مارا پاکستانیوں کے جذبات کے اظہار کا یہ بھی ایک انداز تھا۔

اب وہ مخصوص گھڑی قریب آنے لگی جس کا ہم تصور بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مرتضٰی کے گھر میں ان کے کزن طارق اسلام اور میں موجود تھے۔ طارق پنڈی جیل کی کال کوٹھڑی میں بھٹو صاحب سے ملاقات کر کے لندن واپس آئے تھے۔ طارق ہمیں بتا رہے تھے کہ ان کی جب بھٹو صاحب سے ملاقات کرائی گئی تو وہ انہیں پہلی نظر میں پہچان نہ سکے ان کا وزن آدھا بھی نہیں رہا تھا، انہیں ایک انتہائی غلیظ کوٹھڑی میں غیر انسانی ماحول میں رکھا گیا تھا مگر بھٹو صاحب پر خوف کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں تھا وہ فوجی حکمرانوں سے کسی بھی قسم کی رعایت مانگنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ طارق کے ذریعے بھٹو صاحب نے اپنے خاندان کے تمام افراد کو یہ پیغام دیا کہ وہ فوجی آمر سے

ان کے لیے رحم کی اپیل نہ کریں کیونکہ بھٹو صاحب کو یقین تھا کہ جنرلوں کا ٹولہ انہیں ہر صورت میں پھانسی دینے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ طارق نے کہا کہ بھٹو صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ وہ پارٹی کے رہنماؤں کے لیے کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں تو اس پر بھٹو صاحب نے کہا کہ "میں اس وقت قید میں ہوں اور یہ تو باہر رہنے والی قیادت کو طے کرنا ہے کہ وہ کس طرح کی تحریک چلائیں۔" اس وقت پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں میں یہ تاثر عام تھا کہ بھٹو صاحب کے قریبی ساتھیوں نے اپنی جان بچانے کے لیے ان سے غداری کی بعد میں ایسی خبروں سے اس بات کی تصدیق بھی ہوگئی کہ جس رات بھٹو صاحب کو پھانسی ہوئی۔ اس وقت ان کے ایک انتہائی قریبی ساتھی ہنی مون منا رہے تھے۔

3 اپریل 1979ء کو سہالہ میں نظر بند بیگم بھٹو اور بینظیر بھٹو کی بھٹو صاحب سے آخری ملاقات کرائی گئی۔ بھٹو صاحب کو جیل کے عملے اور فوجی حکام کی گزشتہ چند روز سے جاری سرگرمیوں سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ انہیں پھانسی کے تختے پر چڑھانے کے لیے فوجی آمر نے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ بھٹو صاحب نے اپنی بیگم اور بیٹی کو ایک ساتھ اس طرح حواس باختہ حالت میں دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ "کیا یہ آخری ملاقات ہے؟" اور پھر جیل سپرنٹنڈنٹ سے کہا۔ "غسل اور شیو کرنے کا انتظام کر دو، دنیا بہت خوبصورت ہے اسے میں اسی حالت میں الوداع کہنا چاہتا ہوں۔"

بھٹو صاحب سے بیگم بھٹو اور بینظیر بھٹو کی صرف نصف گھنٹے کی ملاقات کرائی گئی اور پھر اس کے بعد دونوں کو واپس سہالہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ تاریخ عالم میں ایسی مثالیں کم ہی ملتی ہیں کہ جب ایک بیٹی اور بیوی نے اپنے باپ اور شوہر کی طرف موت کو لحہ بہ لحہ بڑھتے دیکھا ہو یہ چند گھنٹوں کا نہیں صدیوں پر محیط سفر تھا جسے صرف ایک بیٹی اور بیوی ہی محسوس کر سکتی ہے۔

3 اپریل کی رات مرتضیٰ، طارق اور میں ڈیڑھ بجے تک ساتھ رہے اس وقت تک پاکستان سے کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ میں دونوں کو خدا حافظ کہہ کر گھر چلا آیا صبح چھ بجے میری اچانک آنکھ کھلی تو بی بی سی یہ خبر نشر کر رہا تھا کہ بھٹو صاحب کو پھانسی ہو گئی۔ میں فوراً اٹھا اور اسی حالت میں مرتضیٰ اور شاہنواز کے فلیٹ پہنچا، میری آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے مرتضیٰ کے فلیٹ کے باہر بڑی تعداد میں غیر ملکی صحافی اور پاکستانی جمع تھے ہر آنکھ اشکبار اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ بھٹو صاحب کے دونوں بیٹوں نے حوصلے اور ضبط کا دامن نہیں چھوڑا وہ تعزیت کرنے والوں کو ڈھارس اور

دلاسہ دے رہے تھے۔ دونوں بھائیوں نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی تھی جو بیگم بھٹو نے چند روز قبل انہیں بھجوائی تھی۔

آئی ٹی وی کی خاتون رپورٹر مس سارا اکلن نے مجھ سے رابطہ کیا تھا اور مرتضیٰ سے پہلا انٹرویو لینے کی گزارش کی تھی اسے اپنے ذرائع سے یہ اطلاع ملی تھی کہ 3 اور 4 اپریل کی رات کو پاکستان کے سابق وزیراعظم کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وعدہ کے مطابق مرتضیٰ اور شاہنواز نے اپنے والد کے قتل کے بعد پہلا انٹرویو سارا اکلن کو ہی دیا۔

شاہنواز نے کہا "جنرل ضیاء نے ہمارے والد کو شہید کر دیا ہے وہ انہیں سیاسی طور پر تو ختم نہیں کر سکا اس لیے اس نے ہمارے والد کی بے پناہ مقبولیت سے خوفزدہ ہو کر ان کا جسمانی قتل کیا ہے۔" مرتضیٰ نے کہا۔ "جنرل ضیاء نے دو سال تک ہمارے والد پر شدید تشدد کیا، ان کا حوصلہ اور ہمت ختم کرنے کی کوشش کی، ان کے ساتھ جو اذیت ناک سلوک کیا گیا اس سے پوری دنیا کو صدمہ پہنچا۔ جنرل ضیاء ہمارے والد کا قاتل ہے اور ہم اس کا انتقام لیں گے۔" آئی ٹی وی کے اس انٹرویو کو ساری دنیا کے ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا۔

دوسرے روز ہائیڈ پارک میں جناب بھٹو کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ یہ ایک یادگار اور ناقابل فراموش اجتماع تھا۔ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے انگلستان میں مقیم تمام پاکستانی لندن پہنچ گئے تھے وہ مختلف گروپوں کی شکل میں ہائیڈ پارک آئے تھے۔ انہوں نے جناب بھٹو کی قد آدم تصویریں اٹھا رکھی تھیں اور "انتقام انتقام"، "خون کا بدلہ خون" اور "ضیاء ہائے ہائے" کے نعرے لگا رہے تھے۔ پولیس نے لوگوں کے غم و غصے کے ابلتے ہوئے طوفان کو بھانپ کر سخت حفاظتی انتظامات کیے تھے۔ جلوس میں عورتیں اور مرد سینہ کوبی کر رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ پولیس نے تمام راستے جلوس کو گھیرے رکھا اور ہیلی کاپٹر تمام وقت ان کی نگرانی کرتا رہا۔ مظاہرین کو پاکستانی سفارتخانہ جانا تھا لیکن عوام کے غم و غصہ کو دیکھ کر پولیس کی بھاری تعداد نے سفارتخانہ کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ پولیس نے جلوس کا رخ دریائے ٹیمز کے کنارے واکس ہال برج کی طرف موڑ دیا تھا۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے مظاہرین سے جن میں پاکستانیوں اور کشمیریوں کے علاوہ ایرانی، عرب، فلسطینی، ترک اور انگریز باشندے شامل تھے، خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"اب مظاہروں کا وقت گزر چکا ہے ہم نے بہت مظاہرے کر کے دیکھ لیے۔ آپ سب لوگوں کو میرے گھر کا علم ہے جو کوئی انقلاب کے لیے قربانی دینا چاہتا ہے۔ میرے پاس چلا آئے میرے دروازے کھلے ہیں۔اب انتقام کا وقت ہے اور ہم انتقام لیں گے۔"

جیورسٹ کانفرنس:

بین الاقوامی جیورسٹ کانفرنس 6 اور 7 اپریل کو لندن میں کرنے کا فیصلہ بھٹو صاحب کی شہادت سے قبل کیا گیا تھا۔ ہمیں یہ خوش فہمی تھی کہ اندرون ملک چلنے والی عوامی جدوجہد اور قربانیوں اور بین الاقوامی دباؤ کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق سپریم کورٹ کے منقسم فیصلے پر عملدرآمد نہیں کرے گا اور اگر بھٹو صاحب کی سزا پر عملدرآمد ہوا بھی تو اس میں مزید چند ماہ لگ جائیں گے مگر سفاک فوجی آمر جنرل ضیاء جلد سے جلد بھٹو صاحب سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔اس کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر بھٹو صاحب کو طویل عرصے جیل کی کال کوٹھڑی میں رکھا گیا تو عوام کا جوش وخروش جیل کی دیواریں ڈھادے گا یا پھر غیر ممالک میں مقیم بھٹو کے حامی انہیں جیل سے بحفاظت نکال لے جائیں گے۔اس زمانے میں ایسی خبریں آئی بھی تھیں کہ تنظیم آزادی فلسطین کے کمانڈوز کا ایک گروپ پاکستان پہنچ چکا ہے اور وہ کسی بھی وقت ان کو ملک سے باہر لے جائے گا۔ان افواہوں کے بعد بھٹو صاحب کی حفاظت کے لیے غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے اور ایک پوری پلاٹون طیارہ شکن توپوں سمیت راولپنڈی جیل میں تعینات کر دی گئی تھی ہم نے جب اپریل کے پہلے ہفتے میں جیورسٹ کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو ہمارے یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ کانفرنس ان کے تعزیتی اور احتجاجی جلسے میں تبدیل ہو جائے گی۔بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد ہم سب پر ایک عجیب سی پژمردگی چھائی ہوئی تھی کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اب اس کانفرنس کا کوئی فائدہ نہیں اور اسے ملتوی کر دیا جائے،مگر مرتضٰی بھٹو نے انتہائی پرعزم لہجے میں کہا کہ ہم یہ کانفرنس اسی جوش وجذبے سے کریں گے اور اس کانفرنس کے ذریعہ جلاد ضیاء الحق کی حکومت کو دنیا کے سامنے ننگا کریں گے۔مرتضٰی کی خواہش پر 4 اپریل کو بعد دوپہر ہم ریجنٹ اسٹریٹ دفتر پر واقع گئے اور امریکہ،فرانس،ترکی،شام اور مصر فون کر کے تمام مندوبین کو یہ بتایا کہ جناب بھٹو کی پھانسی کے

واقعہ کے باوجود جیورسٹ کانفرنس طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوگی اور مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز آپ کی شرکت کے منتظر ہیں۔ کمیٹی برائے جمہوری حکومت اور آزادی صحافت کے سربراہ جناب کلاڈ مارس نے اس کانفرنس کے انعقاد میں سرگرم کردار ادا کیا اور میزبانی کا فرض بھی نبھایا۔

یہ دوروزہ کانفرنس نائٹس برج میں کارلٹن ہوٹل کے ہال میں ہوئی جس میں دنیا کے ممتاز قانون دانوں اور دانشوروں نے بھٹو صاحب کے مقدمے کے تمام پہلوؤں کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے اسے ''عدالتی قتل'' (Judicial Murder) قرار دیا۔

کنونشن میں شریک ممتاز مندوبین نے ایک متفقہ قرارداد پاس کر کے اسے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کرٹ والڈ ہیم کو روانہ کی۔ ممتاز عالمی قانون دانوں نے متفقہ طور پر چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی بے گناہی کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر بھٹو کے ساتھ ناانصافی کر کے ان کا قتل کیا گیا ہے۔ کنونشن نے اپنی قرارداد میں کہا کہ ''پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کا فرمان یہ ہے کہ ان کے ملک میں ایک منصفانہ عدالتی نظام موجود ہے۔ یہ جدید نظام برطانوی عدالتی نظام کے نمونے اور کامن لاء پر عمل کرنے والے دوسرے ممالک کے نظام عدل کے اصولوں پر قائم کیا گیا ہے لیکن لاہور ہائیکورٹ کے سامنے جو بھی شہادتیں پیش کی گئی تھیں۔ ان کا اور عدالت کے دوسرے ریکارڈ کا احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد وکلاء کا یہ عالمی کنونشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جو مقدمہ چلایا گیا وہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر انصاف کے معیار اور اسلامی قانون کی ضروریات پر پورا نہیں اترتا۔

1- مقدمہ چلانے والی عدالت کی مدعا علیہ سے ذاتی مخاصمت تھی۔
2- مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں چلایا گیا تھا۔
3- عدالت مقدمے کی کارروائی کا صحیح ریکارڈ رکھنے میں ناکام رہی ہے۔
4- مدعا علیہ کو اپنے دفاع کے لیے مناسب سہولتوں سے محروم کر دیا گیا۔
5- شہادتیں خودساختہ تھیں اور دوسری خامیاں موجود تھیں۔
6- مدعا علیہ کو جسمانی اذیتیں دی گئیں۔
7- عدالت نے وکلاء صفائی کو دھمکیاں دیں۔

کانفرنس نے خاص طور پر اس بات کو نوٹ کیا کہ جرم میں شریک افراد (وعدہ معاف

گواہوں) کے بیانات کی دو آزادانہ شہادتوں کے ذریعے تصدیق حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور اسلامی قانون کے ذریعے ایسی شہادتیں باطل قرار پاتی ہیں۔ وکلاء اور ججوں کی حیثیت سے ہم شدت سے اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ بنیادی عالمی حقوق میں انصاف کے بنیادی معیار بھی شامل ہونے چاہئیں کوئی بھی قوم جو اپنے قوانین اور قواعد کو نافذ کر رہی ہو اگر وہ انصاف کے بنیادی اصولوں پر عملدرآمد کرنے میں ناکام رہے تو صرف ملوّث افراد ہی نہیں بلکہ دوسرے بہت سے لوگوں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے جس کے اثرات پاکستان کی سرحدوں سے باہر بھی محسوس کیے جائیں گے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے میں اسلام کے تمام اصولوں کی خلاف ورزی کر کے انہیں بالائے طاق رکھ دیا گیا۔

☆☆☆

ساؤتھ کینزنگٹن میں 72 اسٹین ہومیوز (Stanhope Mews) فلیٹ اس لحاظ سے تاریخی رہائش گاہ کی حیثیت اختیار کر گیا کہ اسی اپارٹمنٹ سے دونوں بھائیوں نے اپنے والد کی زندگی بچانے کی مہم چلائی اور اسی فلیٹ میں ان کی پھانسی کی منحوس خبر سنی اور اس فلیٹ کا دنیا کے نشریاتی اور اشاعتی اداروں میں ذکر ہوا۔ اس اپارٹمنٹ میں کیے گئے فیصلے پاکستان کی تاریخ کے اہم واقعات ثابت ہوئے۔ لندن کی معروف شاہراہ کرامویل روڈ اور Queens Gate جہاں اکثر ملکوں کے سفارتخانے ہیں، سے متصل اسی فلیٹ میں تقدیر نے جناب بھٹو کے دونوں صاحبزادگان کے مستقبل کا بھی فیصلہ رقم کیا۔

جیورسٹ کانفرنس کے کامیاب انعقاد کے لیے دونوں بھائیوں نے بڑی محنت کی تھی اور ان کی ہمت اور حوصلہ مندی کے سبھی لوگ معترف تھے۔ اس کے چند دن بعد ایک شام مرتضٰی کے اسی فلیٹ میں مرتضٰی، شاہنواز، صنم، طارق اسلام اور میں اکٹھے ہوئے تا کہ شہید ذوالفقار علی بھٹو کی وہ تاریخی تقریر سن سکیں جو انہوں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد کراچی کے ایک جلسہ عام میں کی تھی۔ تقریر کا کیسٹ ایک پاکستانی نے دیا تھا یہ پاکستانی گاہے بگاہے ایسٹ لندن میں واقع ایک پاکستانی ریسٹورنٹ سے کھانا لایا کرتا تھا۔ 4 اپریل کو بھٹو صاحب کو پھانسی کے بعد اس نے یہ تقریر اپنی کار میں سنی تو اس کا پیمانہ صبر لبریز اور جذبات مشتعل ہو گئے اس نے مجھے یہ پیشکش کی کہ یہ ٹیپ نذرانہ کے طور پر میر مرتضٰی کو پیش کروں۔

اس شام فلیٹ پر اداسی کا ماحول چھایا ہوا تھا اور اداس و مغموم لمحوں میں بھٹو صاحب کی تقریر کا ٹیپ آن کر دیا گیا۔ بھٹو صاحب کی آواز سن کر ہم سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔ جیسے جیسے بھٹو صاحب کی تقریر آگے بڑھتی گئی۔ کمرے میں سناٹا مزید گہرا ہوتا گیا۔ مرتضٰی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ 4 اپریل کے بعد میں نے پہلی مرتبہ میر مرتضٰی بھٹو کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے ہم سب اشکبار تھے اور صنم کا رونا ایک دردناک منظر پیش کر رہا تھا اسی دوران شاہنواز اٹھا اور دیوار کے ساتھ زور زور سے اپنا سر ٹکرانے لگا۔ شاہنواز کی یہ حالت دیکھ کر صنم اپنا غم بھول گئی اور اپنے بھائی کو دلاسہ دینے لگی۔ شاہنواز کا سنبھلنا مشکل ہو رہا تھا۔ چھوٹے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر مرتضٰی اٹھا اور اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے والد کا بدلہ لوں گا۔''

یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ کن رات تھی۔ اس رات بھٹو کے جواں سال بیٹوں نے وہ کٹھن اور پرخار راہ چنی جس پر چلتے ہوئے انہوں نے اپنے بہادر باپ کی طرح جام شہادت نوش کیا۔ مرتضٰی اور شاہنواز نے پاکستان میں جمہوری جدوجہد میں مصروف اپنی والدہ اور بہن کے مقابلے میں جو دوسرا راستہ چنا وہ کس حد تک درست تھا اس پر پارٹی کے اندر اور باہر ایک طویل عرصے تک بحث چلی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بھٹو خاندان کے یہ دونوں بیٹے اسی تاریخی جبر کا شکار ہوئے جس کے آگے ایک خاص وقت اور لمحات میں عقل، منطق اور شعور ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

کابل کا سفر

میر مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو نے جب جنرل ضیاء کی فوجی آمریت کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا تو ان کے ذہن میں کوئی واضح خاکہ نہیں تھا یوں بھی سیاسی طور پر ان میں ابھی وہ بالغ نظری پیدا نہیں ہوئی تھی جس سے وہ اپنے والد کے انتقام کو ایک بڑے سیاسی کینوس پر دیکھتے۔ بھٹو صاحب کو جس طرح اذیت دے کر جنرل ضیاء نے تختہ دار پر چڑھایا اس سے میر مرتضٰی اور شاہنواز ہر صورت میں اپنے والد کے سفاکانہ قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ میر مرتضٰی اور شاہنواز ہر صورت میں اپنے والد کے سفاکانہ قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ میر مرتضٰی اور شاہنواز کی اس وقت جو عمریں تھیں ان میں یوں بھی ہوش پر جوش غالب ہوتا ہے پھر ان کے اردگرد بھی لندن میں ایسے کوئی تجربہ کار اور پرخلوص پارٹی رہنما اور دانشور نہیں تھے جو انہیں تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے ایک دوبار میں نے کوشش کی کہ میر کو پاکستان میں جاری جمہوری جدوجہد سے رشتہ جوڑنے پر راغب کروں مگر ہر بار میر کا یہ جواب ہوتا کہ فوجی جنرلوں کو گولی کا جواب گولی سے ہی دیا جائے گا۔ اس وقت ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ خود بیگم بھٹو اور بےنظیر بھٹو قید میں تھیں اور ان کا مرتضٰی اور شاہنواز سے کوئی باقاعدہ رابطہ نہیں تھا جو پیغام رسانی بالواسطہ طور پر ہوتی بھی تھی تو صرف خیریت کی حد تک، اگر اس مرحلے پر انہیں صحیح نظریاتی وسیاسی رہنمائی مل جاتی تو وہ اس سفر پر روانہ نہ ہوتے جس میں آگ اور خون کے ایک دریا سے گزرنا پڑتا ہے۔

جیورسٹ کنونشن کے چند دن بعد میر مرتضٰی نے پہلا سفر متحدہ عرب امارات کا کیا۔ مرتضٰی نے شیخ زید بن سلطان النہیان سے ملاقات کا احوال دیتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ جب میں نے ان سے کہا کہ میں کابل جا کر جنرلوں کے خلاف مسلح جدوجہد کرنا چاہتا ہوں تو شیخ زید نے کہا کہ

میں تمہیں اپنے بیٹوں کی طرح چاہتا ہوں کابل میں کیونکہ اس وقت کمیونسٹ حکومت ہے اور عملاً سوویت یونین وہاں آ بیٹھا ہے اس لیے ایران اور گلف کی تمام ریاستیں خود کو غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں اور وہ کمیونزم کو اپنے ملک کی سرحدوں سے دور رکھنے کے لیے امریکہ اور مغربی ممالک سے مسلسل رابطے میں ہیں اگر تم کابل گئے تو پھر تم نہ صرف ایران اور گلف ممالک سے بلکہ امریکہ اور ان کے مغربی حلیفوں سے بھی دور ہو جاؤ گے۔ شیخ زید نے میر مرتضیٰ کو نصیحت کی کہ وہ لندن میں رہ کر اپنی جدوجہد کریں اور اس کے لیے وہ انہیں ہر قسم کی مالی امداد دینے کے لیے تیار ہیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے جو کابل کا پہلا سفر کیا اس میں جنرل امتیاز ان کے ہمراہ تھے بھٹو صاحب کے یہ سابق ملٹری سیکرٹری ان دنوں شیخ زید کے مشیر خاص تھے۔

میر مرتضیٰ نے کابل میں ہونے والے رابطوں اور وہاں ہونے والے تعاون کے سلسلے میں بہت تفصیل سے تو مجھے نہیں بتایا مگر انہوں نے یہ ضرور کہا کہ وہ مستقبل میں کابل کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور وہاں ایک خفیہ ریڈیو کے ذریعہ جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے خلاف عوامی جدوجہد کو تیز کریں گے۔ مرتضیٰ نے یہ بھی بتایا کہ پاکستان سے جلاوطن ہو کر بڑی تعداد میں پارٹی کے پر جوش اور ملیٹنٹ کارکن کابل پہنچ رہے ہیں اور جلد ہی ہم وہاں پر ایک ایسی آرگنائزیشن بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ضیاء کی فوجی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کرے گی۔ مرتضیٰ لندن واپس آئے تو ان کے ساتھ جنرل امتیاز بھی تھے۔

میر مرتضیٰ نے جب کابل میں اپنی ملیٹنٹ تنظیم پیپلز لبریشن آرمی (پی ایل اے) کا ہیڈ کوارٹر قائم کرنے کے فیصلے سے آگاہ کیا تو میں نے ان سے کہا کہ وہ وہاں اپنا مستقل ہیڈ کوارٹر نہ بنائیں اور کابل آتے جاتے رہیں۔ میر مرتضیٰ کا کہنا تھا کہ کارکن یہ چاہتے ہیں کہ میں کابل میں مستقل قیام کروں کیونکہ میرے مستقل قیام ہی سے انہیں مطلوبہ اسلحہ اور ٹریننگ مل سکتی ہے اس وقت میر مرتضیٰ جس ذہنی اور جذباتی کیفیت سے گزر رہے تھے اس میں انہیں یہ مشورہ خلاف مصلحت لگ رہا تھا میرے اصرار کے باوجود میر مرتضیٰ نے کہا کہ اب وہ ایک خاصے طویل عرصے تک کابل میں قیام کریں گے۔ مرتضیٰ نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میں پیپلز لبریشن آرمی کی سرگرمیوں اور کارروائیوں کو ویکلی مساوات لندن میں شائع کروں۔ اس وقت مساوات کی کئی ہزار اشاعت تھی اور باقاعدگی سے کویت میں ایک نیوز ایجنٹ ایک ہزار کاپیاں منگواتا تھا جو مشرق وسطیٰ اور خلیجی

ریاستوں میں مقیم پاکستانیوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔اس کے علاوہ لندن کے تمام سفارتخانوں، اخبارات اور نشریاتی اداروں میں بھیجا جاتا تھا۔ برطانیہ اور یورپی ممالک میں بھی اس کی ایک بڑی ریڈرشپ تھی۔میر مرتضیٰ کے کابل پہنچنے کے چند دن بعد ہی پاکستان میں چند بم دھما کے ہوئے۔ طورخم کی سرحد پر کچھ فائرنگ اور پکڑ دھکڑ بھی ہوئی اور ایسی خبریں آنے لگیں کہ جیسے پیپلز لبریشن آرمی نے اپنی مسلح کارروائیوں کا آغاز کر دیا ہے۔جولائی 1979ء کے دوسرے ہفتے میں مجھے مرتضیٰ کا پیغام ملا کہ ایک بڑی خبر ہے اور میں فوراً کابل پہنچوں۔ میں اس سے قبل کبھی کابل نہیں گیا تھا مگر مجھے اس بات کا بڑا تجسس تھا کہ وہاں میر مرتضیٰ کی مہم جوئی اور افغان ثور انقلاب کا بھی قریب سے مشاہدہ اور مطالعہ کروں مرتضیٰ کابل کے ایک پوش علاقے میں رہائش پذیر تھے۔انہوں نے مجھے بتایا ''ہمارے لڑکے'' بھٹو صاحب کی پنڈی جیل میں نگرانی کرنے والے مرکزی کردار ایک کرنل کو اغوا کر کے لا رہے ہیں اور ہم یہاں کابل میں اس کا اوپن ٹرائل کریں گے۔ان دنوں کابل میں میر مرتضیٰ کے قریبی ساتھی سہیل سیٹھی تھے جو اپنے ایک دوست پرویز شنواری کے ساتھ سب سے پہلے افغانستان پہنچے تھے۔اس کے بعد میر مرتضیٰ نے راجہ انور کو افغانستان بلانے کے لیے رابطہ قائم کیا وہ اس وقت برلن میں سیاسی پناہ گزین کے طور پر مقیم تھے۔میر مرتضیٰ کے کہنے پر میں نے راجہ انور کے کابل جانے کا انتظام کیا۔لیبیا سے پیپلز پارٹی لاہور کے ایک سرگرم رہنما کوثر علی شاہ بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔

اس وقت پاکستان کے مختلف شہروں سے جو کارکن وہاں پہنچے تھے ان میں سے بیشتر ناتجربہ کار تھے اور ان کا کہنا تھا کہ وہ تو بھٹو کے بیٹے کو دیکھنے آئے ہیں۔ایک کارکن جو بہاولپور سے آیا تھا اور جس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ریڈیو اسٹیشن پر کام کرے گا وہ بیچارہ ایک سیدھا سادھا آرٹسٹ تھا۔یہ درست ہے کہ کابل میں جو پارٹی کے نوجوان کارکن آرہے تھے۔ان کا جذبہ بڑا نیک تھا اور وہ قربانی کے جذبے سے سرشار تھے مگر مسلح جدوجہد کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ جس میں محض ''جوش وخروش اور نیک جذبوں'' سے معرکہ سر کیا جاتا ہے۔

ایک دن میں نے میر مرتضیٰ سے پوچھا کہ کرنل کا کیا ہوا۔مرتضیٰ نے کہا کہ جن لوگوں نے کرنل کو اغوا کر کے لانا ہے وہ گھر، گاڑی اور معقول رقم چاہتے ہیں۔ میں نے میر سے کہا کہ ''پاکستان میں جسے یہ تینوں چیزیں مل گئیں وہ پھر اتنا بڑا خطرہ کیوں لے گا۔'' اس زمانے میں کابل

ایک بڑا جدید مغربی شہر تھا وہاں نائٹ کلب اور ڈسکو ہوا کرتے تھے۔ افغان حکومت میں شامل بیشتر فوجی افسران وہ تھے جو سوویت یونین سے نظریاتی تربیت لے کر آئے تھے پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی جس کی قیادت میں ثور انقلاب آیا تھا اندرونی کشمکش کا شکار ہو چکی تھی، صحافیوں اور دانشوروں نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ پارٹی کے پرچم اور خلق دھڑے جلد ہی ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو جائیں گے جس سے بنیاد پرست مذہبی جماعتیں فائدہ اٹھائیں گی جو بڑی تیزی سے پشاور میں امریکہ اور مغربی ممالک کی مالی و عسکری امداد سے اپنی قوت میں اضافہ کر رہی ہیں۔ میر مرتضیٰ اس وقت افغان حکومت کے سیکورٹی چیف اسد اللہ سروری کے ذریعے افغان حکمرانوں کے رابطے میں تھے جو اس وقت حکومت میں بڑا طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ ایک شام سروری مرتضیٰ سے ملنے ان کی رہائش گاہ آئے تو اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا کہ اس وقت جو آپ کے لوگ یہاں آ رہے ہیں ان میں ایک راجہ انور کو چھوڑ کر باقی سب غیر سیاسی ہیں اور اپنی ناتجربہ کاری کے سبب یہ خود بھی نقصان اٹھا رہے ہیں اور ہمارے اہم ''رابطوں'' کے لیے بھی خطرہ بن رہے ہیں۔ سروری نے مرتضیٰ سے کہا کہ پہلے آپ اپنی تنظیم مکمل کریں اس کے بعد اسلحہ وغیرہ اپنے کارکنوں کے حوالے کریں۔ میر مرتضیٰ کو سروری کا یہ انداز گفتگو پسند نہیں آیا اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ کا یہی رویہ رہا تو ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ادھر جنرل ضیاء کی حکومت کا سارا دارومدار عسکری و سویلین خفیہ ایجنسیوں پر تھا۔ جنہوں نے اپنے عوام کے خلاف جنگی بنیاد پر مہم چلائی ہوئی تھی تمام ہی سیاسی جماعتوں میں ان کے مخبر لحہ لحہ کی خبر پہنچاتے تھے۔

کابل میں اپنے قیام کے دوران میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پیپلز لبریشن آرمی میں بھی پاکستانی ایجنسیوں نے اپنے ''مخبر'' داخل کر دیئے ہیں چند خاص واقعات ایسے رونما ہوئے جس میں مرتضیٰ بھٹو اور خود افغان حکومت کے بڑے اہم آدمی مشن کی تکمیل سے پہلے ہی یا تو مارے گئے یا پھر پکڑے گئے۔ مرتضیٰ بھٹو کو بھی اس کا احساس تھا مگر ان کا کہنا تھا کہ پی ایل او سمیت تمام ایسی ملیٹنٹ آرگنائزیشن میں دشمن نقب لگانے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے میں نے خاص طور پر میر مرتضیٰ سے کہا کہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ اپنی سکیورٹی کو ''فول پروف'' بنائیں اس پر میر مرتضیٰ نے مسکراتے ہوئے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''سب سے بڑا محافظ اوپر والا

ہے۔"

کابل میں دس دن قیام کے بعد میری لندن واپسی تھی۔مرتضٰی دمشق جا رہے تھے،ہم دونوں افغان ایئر لائن پر کابل سے سوار ہوئے اچانک موسم کی خرابی کے سبب ہمارا طیارہ قندھار ایئرپورٹ پر اتر گیا۔مرتضٰی نے مجھ سے ازراہ مذاق کہا یہ جہاز قندھار کے بجائے پشاور ایئرپورٹ پر بھی اتر سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو جنرل ضیاء الحق کے فوجی آپ کو پشاور سے کوڑے مارتے ہوئے اسلام آباد لے جاتے۔اس پر میں نے میر سے کہا اور آپ کے ساتھ کیا ہوتا......میر میرے اس جواب پر بڑے محظوظ ہوئے۔کابل میں، میں نے وزیراعظم حفیظ اللہ امین کا انٹرویو بھی کیا۔افغانستان میں جو بھی غیر ملکی صحافی سربراہ مملکت کے انٹرویو کرتے تھے وہ ان کے اپنے اخبار میں شائع ہونے سے پہلے ہی ٹی وی اور کابل ٹائمز میں رپورٹ کر دیئے جاتے تھے۔یہی میرے انٹرویو کے ساتھ بھی ہوا جس پر میں نے شکایت کی تو انہوں نے کہا کہ آپ بیجا اعتراض کر رہے ہیں ہمارے ہاں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔شاہنواز کا تنظیم آزادی فلسطین کے سربراہ یاسر عرفات سے مسلسل رابطہ تھا وہ وہاں عملی تربیت کے لیے گئے تھے۔ان پر لبنان میں قاتلانہ حملہ بھی کیا گیا جس کے بعد یاسر عرفات نے ان کی حفاظت کا خاص انتظام کیا۔مرتضٰی اور شاہنواز کو اس وقت قطعاً یہ احساس نہیں تھا کہ جنرل ضیاء الحق کے ایجنٹ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں اور وہ اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ کب انہیں اپنے راستے سے ہٹائیں۔

کابل میں ہونے والی سرگرمیوں کے سبب مرتضٰی کا امریکہ اور یورپ سے تعلق تقریباً ختم ہو چکا تھا۔متحدہ عرب امارات کے سربراہ کابل میں مرتضٰی کی مسلسل موجودگی کے سبب کھنچے کھنچے رہنے لگے،ادھر کابل میں حکمراں جماعت کے دونوں دھڑوں کے درمیان باقاعدہ کھلی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔حکمراں پی ڈی اے کے پرچم گروپ نے ببرک کارمل کی قیادت میں دسمبر 1979ء کے آخر میں مکمل اقتدار سنبھال لیا۔کارمل حکومت میں اسد اللہ سروری دوسری طاقتور شخصیت تھے اور اس کے بعد ڈاکٹر نجیب اللہ کا نمبر آتا تھا جو افغان سکیورٹی فورس کا سربراہ تھا اور ببرک کارمل کی اقتدار سے سبکدوشی کے بعد کابل کا صدر رہا۔حکمران پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے باہمی جھگڑوں کے سبب پیپلز لبریشن آرمی اور مرتضٰی بھٹو کی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھیں۔مرتضٰی اور شاہنواز کا بھی زیادہ وقت کابل سے باہر گزرتا تھا۔

اور پھر پی آئی اے کے جہاز کی ہائی جیکنگ کا وہ تاریخی واقعہ ہوا جس نے پاکستانی سیاست میں ایک دھماکا کر دیا۔

ہائی جیکنگ کا ڈرامہ:

پاکستان میں اس وقت سیاسی فضا بڑی تیزی سے جنرل ضیاء الحق کے خلاف ہو رہی تھی۔ حزب اختلاف کی وہ سیاسی و مذہبی جماعتیں جو گزشتہ چار سال سے جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت سے تعاون جاری رکھے ہوئے تھیں، اپنی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے اس بات پر مجبور ہو گئیں کہ وہ کھل کر مارشل لاء کے خلاف صف آرا ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے پاکستان قومی اتحاد کے رہنما اس وقت مارشل لاء کے خلاف سب سے بڑی اور مؤثر سیاسی قوت پیپلز پارٹی کے ساتھ اتحاد بنانے پر مجبور تھے۔ پاکستانی سیاست کا یہ بڑا المناک تاریخی جبر تھا کہ جو کل تک بھٹو خاندان کے خون کے پیاسے تھے انہی کے ساتھ بھٹو خواتین کو ایک میز پر بیٹھنا پڑا۔ بھٹو خواتین نے کس حوصلے اور جرات سے قومی اتحاد میں شامل ان رہنماؤں کو 70 کلفٹن میں خوش آمدید کہا ہو گا۔ اس کو تصور کر کے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں مگر عظیم مقاصد کے حصول کے لیے تاریخ کے اس جبر کو سہنا ہی پڑتا ہے۔ 6 فروری 1981ء کو 70 کلفٹن میں دس سیاسی پارٹیوں نے "مارشل لاء ہٹاؤ انتخابات کراؤ" کے مشترکہ لائحہ عمل پر ایم آر ڈی کی بنیاد رکھی۔ ایم آر ڈی نے یہ اعلان بھی کیا کہ وہ 23 مارچ سے مارشل لاء کے خلاف ہڑتالوں اور مظاہروں کا آغاز کرے گی۔ ابھی ایم آر ڈی نے تحریک چلانے کے لیے اپنے پروگرام کا اعلان ہی کیا تھا کہ 2 مارچ کو پی آئی اے کا طیارہ جس میں 148 مسافر سوار تھے اغوا ہو گیا۔ اگلے روز یہ خبر آئی کہ طیارہ اغوا کرنے والے پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کے تین لڑکے ہیں۔ جن کا لیڈر سلام اللہ خان ٹیپو ہے۔ ٹیپو نے جو پہلا بیان طیارے کے اغوا کے بعد دیا۔ اس میں یہ دعویٰ کیا کہ اس کا تعلق الذوالفقار تنظیم سے ہے جس کے سربراہ میر مرتضیٰ بھٹو ہیں۔ ٹیپو نے یہ بھی کہا کہ وہ بھٹو خاندان کا جانثار رہے اور شہید بھٹو کو پھانسی چڑھانے والوں سے انتقام لے گا۔ طیارہ کے اغوا ہوتے ہی سارے ملک میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو 70 کلفٹن کراچی میں نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کا ایک غیر ملکی ایجنسی کے ذریعہ یہ پیغام آ جاتا ہے کہ "پی پی کا اس ہائی جیکنگ سے کوئی تعلق نہیں ہم ہر

قسم کے اغوا کی مذمت کرتے ہیں چاہے وہ طیارے کا ہو یا قوم کا'' یہ تھا بے نظیر بھٹو کا ردعمل اپنی گرفتاری سے پہلے۔لندن میں ہمیں مسلسل ان کے بارے میں تشویشناک خبریں آ رہی تھیں گو کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھے مگر ہمارا ابتدائی اور اجتماعی ردعمل یہ تھا کہ پی آئی اے کے جہاز کا اغوا بھٹو خاندان کے خلاف ایک سازش ہے اور اس میں جنرل ضیاءالحق کے فوجی ٹولے کا ہاتھ ہے۔

پی آئی اے کے جہاز کا اغوا اتنا بڑا واقعہ تھا کہ تمام عالمی ذرائع ابلاغ میں یہ صفحہ اول کی خبر بن گئی اور اس پر تمام حلقوں کی جانب سے سخت تنقید کی جا رہی تھی۔میر مرتضیٰ نے کابل سے سابق سیکرٹری اطلاعات نسیم احمد کو فون کر کے کہا کہ ان کی تنظیم کا طیارہ کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ اس کی فوری طور پر تردید کریں۔نسیم احمد نے اسی رات بی بی سی ٹیلی ویژن پر اس کی تردید کی اور کہا کہ یہ اغواء بھٹو خاندان کے خلاف گہری سازش ہے۔میر مرتضیٰ نے لندن میں جلاوطن ایک سندھی لیڈر سے بھی رابطہ کر کے یہی پیغام دیا کہ ان کا جہاز کے اغوا سے کوئی تعلق نہیں ہے اگلے روز انہوں نے بی بی سی ٹیلی ویژن کے حالات حاضرہ کے پروگرام ''نیوز نائٹ'' میں اس کی پرزور تردید کی۔پی آئی اے کے طیارہ کے اغواء کے واقعہ کو پاکستان میں مسلط فوجی جنتا نے جس انداز سے استعمال کیا اس سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ اغواء میں خود اس کا اپنا ہاتھ ہی۔فوجی آمر جنرل ضیاء نے ذرائع ابلاغ کو طیارہ کے اغواء کے لیے وقف کر کے اپنے ان خوفناک عزائم کو بے نقاب کر دیا جو پاکستانی قوم کو مارشل لاء کے زیر تسلط رکھنے کے لیے اس بدترین ریاکار شخص کے دل میں پرورش پا رہے تھے۔ضیاء سرکار کا اصرار تھا کہ پی آئی اے کے اغواء میں پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی قیادت ملوث ہے اس کا کوئی ثبوت فراہم کیے بغیر 2 مارچ سے پروپیگنڈہ مہم زور شور سے شروع کر دی گئی۔سرکاری پروپیگنڈا مشینری جس قوت سے پاکستانی عوام اور پوری دنیا کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔اس سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ فوجی حکومت کے پاس ایسی کوئی شہادت نہیں ہے کہ طیارہ اغوا کرنے میں پاکستان پیپلز پارٹی نے کوئی منصوبہ بندی کی ہو محض قیاس آرائیوں کو بنیاد بنا کر فوجی حکومت نے پروپیگنڈا کا ایک طوفان کھڑا کر دیا اور اس واقعہ کو بنیاد بنا کر پارٹی کی چیئرپرسن بیگم نصرت بھٹو، بے نظیر بھٹو اور تحریک بحالی جمہوریت کے رہنماؤں اور پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔پی آئی اے کے طیارہ کے اغوا

کے دن ہی بے نظیر بھٹو نے ایک بیان میں یہ واضح کر دیا کہ جہازوں کا اغوا پی پی کی پالیسی نہیں اور وہ مارشل لاء کے خلاف جمہوری جدوجہد پر یقین رکھتی ہیں۔اسی لیے پارٹی نے ان جماعتوں سے وسیع تر اتحاد کیا جو نظریاتی طور پر ماضی میں اس کی مخالف بھی رہی تھیں۔اس وقت پاکستان میں اور پاکستان سے باہر یہ عام تاثر تھا کہ ''فوجی ٹولے'' نے ایم آر ڈی کی تحریک سے خوفزدہ ہو کر جہاز کے اغوا کا ڈرامہ رچایا ہے۔ بے نظیر کا یہ بیان اس حقیقت کا ثبوت تھا کہ پیپلز پارٹی ملک میں مارشل لاء کے خلاف عوام کے حقوق کی علمبردار ہے۔ جہاز کے اغواء کے واقعہ کو فوجی حکومت نے اپنے لیے ''آفاقی نعمت'' سمجھ کر پیپلز پارٹی کی قوت اور اس کی قیادت کو کچلنے کی ایک سازش تیار کی تا کہ ملک میں جمہوریت کی آواز بلند کرنے والی قوتوں کو ہمیشہ کے لیے دبا دیا جائے۔

ادھر فوجی حکام کی ہر ممکن یہ کوشش تھی کہ کسی بھی طرح بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو ہائی جیکنگ ڈرامہ میں ملوث کیا جائے۔ فوجی حکام نے نظر بند بیگم بھٹو سے درخواست کی کہ وہ اپنے صاحبزادے مرتضیٰ سے بات کریں تا کہ اغوا شدہ طیارے کے مسافروں کو رہا کروایا جا سکے۔اس پر بیگم بھٹو نے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور انتہائی واضح الفاظ میں کہا کہ ''میرے بیٹے مرتضیٰ اور شاہنواز کا ہائی جیکنگ کے ڈرامے سے کوئی تعلق نہیں اور ہائی جیکنگ کا ڈرامہ جنرل ضیاء الحق کا اپنا تیار کردہ ہے جس کا مقصد ایم آر ڈی کی تحریک کو کچلنا ہے۔'' 8 مارچ کو ہائی جیکر طیارہ کابل سے شام لے گئے 9 مارچ سے ہائی جیکروں اور فوجی حکومت کی نامزد کردہ ٹیم کے درمیان مذاکرات کا آغاز ہوا اور 14 مارچ کو پاکستان میں قید سیاسی قیدیوں کی رہائی کے بعد ہائی جیکروں نے طیارہ شام کی حکومت کے حوالے کر دیا۔

جنرل ضیاء نے پاکستانی مسافروں کی جان بچانے کا کریڈٹ لینے کی کوشش کی حالانکہ اس نے اغواء کے واقعہ کے بعد مسلسل یہ کہا کہ وہ بلیک میل ہو کر نہیں جھکے گا۔اس سے معلوم ہوا کہ جنرلوں کو بے گناہ مسافروں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، لیکن جب امریکی صدر نے اپنے شہریوں کی زندگی خطرے میں دیکھ کر فون کیا تو جنرل ضیاء نے گھٹنے ٹیک دیئے اور جن ''مجرموں'' کو وہ کسی قیمت پر رہا کرنے کے لیے تیار نہ تھا انہیں خصوصی طیارے سے دمشق بھیج دیا۔ پاکستان کی جیلوں سے رہائی پانے والے ان سیاسی قیدیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مارشل لاء کے مخالف، جمہوریت کی بحالی اور عوام کے حقوق کی آواز بلند کر رہے تھے۔

دنیا میں ہائی جیکنگ ایک سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہائی جیکنگ کے اس سارے ڈرامے سے جہاں پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کو ایک نئی زندگی ملی وہیں مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز کو جنہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز جمہوری جدوجہد سے کیا تھا۔ ہائی جیکنگ کے ڈرامے کے بعد دہشت گرد کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ان کا رابطہ ساری دنیا سے خاص طور پر یورپ سے کٹ گیا اور پھر انہیں شام اور لبنان میں ایک طویل عرصہ گزارنا پڑا۔

مرتضیٰ، کھر اختلافات:

میر مرتضیٰ بھٹو کے ساتھ ابتداء میں پارٹی کے جلاوطن رہنما غلام مصطفیٰ کھر بے حد قریب تھے۔شیخ زید بن سلطان اور دیگر عرب ممالک کے حکمرانوں سے ملاقات میں بھی وہ مرتضیٰ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ان دنوں لندن کے West Hampstead کے علاقہ میں ایک ہی فلیٹ میں ان کا قیام تھا۔

اس دوران بڑی دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ایک شام ایک پاکستانی سیاسی لیڈر شاہنواز سے ملنے آیا اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔اس لاہوری لیڈر نے شاہنواز سے کہا کہ آپ مصطفیٰ کھر پر ہرگز اعتبار نہ کریں وہ بھٹو صاحب کو بھی دغا دے چکا ہے کوئی نصف گھنٹے بعد مصطفیٰ کھر اور تہمینہ بھی باہر سے واپس آ گئے۔یہ صاحب کھر سے بغلگیر ہوئے اور کہا ملک صاحب! آپ کا پاکستان میں بڑا انتظار ہے آپ اگر واپس آئیں تو لاہور میں لاکھوں افراد آپ کا استقبال کریں گے۔

یہ سن کر شاہنواز حیران رہ گیا۔بعد میں انہوں نے اپنے بھائی مرتضیٰ بھٹو کو یہ قصہ سناتے ہوئے کہا کہ یہ عجب آدمی ہے۔تھوڑی دیر پہلے مجھ سے کہہ رہا تھا کہ کھر نا قابل اعتبار ہے اور جب مصطفیٰ کھر سے ملا تو لاکھوں کے استقبال کی بات کر رہا ہے۔

78ء میں جب جنرل چشتی لندن آئے تو مصطفیٰ کھر نے ان سے خفیہ ملاقات کی، اس ملاقات کا مرتضیٰ کو علم نہیں تھا۔اس کی اطلاع ان تک پہنچی تو انہوں نے کھر سے اس کی تصدیق چاہی کھر نے مرتضیٰ سے کہا کہ بھٹو صاحب کی جان بچانے کے لیے انہوں نے یہ ملاقات کی تھی۔ مرتضیٰ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے اور کھر پر انہیں جو اعتماد تھا اسے ٹھیس پہنچ چکی تھی۔وقت

کے ساتھ مرتضیٰ اور کھر کی راہیں جدا ہو چکی تھیں۔مرتضیٰ کابل چلے گئے اور مصطفیٰ کھر لندن میں علیحدہ گروپ کی قیادت کرنے لگے ان کے کئی قریبی ساتھی بھی لندن آ گئے۔مصطفیٰ کھر نے کراچی میں بیگم نصرت بھٹو سے فون پر بات کر کے ''مساوات'' کی ذمہ داری لینے کی پیشکش کی۔بے نظیر بھٹو نے فون پر مجھے کہا کہ غلام مصطفیٰ کھر کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔

مرتضیٰ اور کھر کے اختلافات ختم ہو چکے تھے۔میں میر مرتضیٰ کے نہ صرف قریب تھا بلکہ ان سے میرے دوستانہ تعلقات استوار ہو چکے تھے۔کابل سے مجھے مرتضیٰ نے فون کر کے کہا کہ کھر کے ساتھ کسی صورت کام نہ کروں اور ''مساوات'' کے معاملات کو وہ درست کریں گے۔میں نے انہیں بی بی کے فون کا بتایا مرتضیٰ نے کہا بی بی سے میں بات کرلوں گا اور اگر آپ نے کھر کے ساتھ کام کیا تو آپ سے میری دوستی اور تعلق ختم!

میر نے مجھے سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دیا اور اگلے ہفتے فون کر کے انہوں نے پوچھا۔''کیا فیصلہ کیا ہے'' میرے لیے یہ مشکل صورتحال تھی میں نے مرتضیٰ سے کہا کہ بی بی کی بات نہ ماننا میرے لیے ممکن نہیں۔یہ سن کر مرتضیٰ نے کہا۔''آج کے بعد آپ سے میرا تعلق ختم۔''

ایک طویل عرصے تک میر سے میرا رابطہ منقطع رہا۔کئی سال بعد 1989ء میں پیرس میں میری مرتضیٰ سے ملاقات ہوئی۔اس وقت پیپلز پارٹی برسراقتدار آ چکی تھی اور مرتضیٰ اپنی بہن وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ملنے کے لیے دمشق سے پیرس آئے ہوئے تھے اور میں وزیراعظم کے وفد میں شامل تھا۔

اور ہمالیہ رُو دیا

بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت مزاحمتی تحریک کو ایک حد تک کچلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ خاص طور پر میڈیا پر بڑا سخت کنٹرول تھا پیپلز پارٹی کے حامی اخبارات و جرائد تو بند تھے ہی مگر ملک بھر کے اخبارات کڑی سنسر شپ کے سبب بھٹو خاندان اور جمہوریت کی حمایت میں ایک لفظ شائع کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات میں لندن سے ہفت روزہ مساوات کا اجراء مارشل لاء کے خلاف ایک مؤثر آواز تھا۔ اس کے پبلشر میر مرتضٰی بھٹو تھے اور میں ایڈیٹر۔ مساوات نے اپنی خبروں اور رپورٹنگ کے سبب جلد ہی برطانیہ اور یورپ میں اپنی جگہ بنالی اور پاکستان میں بھی اس کی کاپیاں خفیہ ذرائع سے پہنچنے لگیں۔

ادھر بھٹو صاحب کی کتاب ''اگر میں قتل کر دیا گیا'' کی بے پناہ مقبولیت اور فروخت کے بعد بھٹو صاحب کے دیگر ڈاکومنٹس بھی اسمگل ہو کر مرتضٰی کو ملے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان ڈاکومنٹس کی اشاعت کے لیے مجھے دہلی جانا چاہیے کیونکہ لندن میں ان کی اشاعت پر زیادہ لاگت آتی تھی چنانچہ میں مئی 1979ء میں اس سلسلے میں دہلی گیا۔ دہلی میں ''اگر میں قتل کر دیا گیا'' کے اشاعتی ادارے ''وکاس'' نے مجھ سے رابطہ کیا لیکن مرتضٰی کا موقف تھا کہ چونکہ ''وکاس'' نے کتاب کی رائلٹی دینے سے انکار کیا ہے۔ اس لیے کسی دوسرے اشاعتی ادارہ سے رابطہ کیا جائے۔ ہم نے دوسرے اشاعتی ادارے سے رجوع کیا جو ''بیسویں صدی'' اور روزنامہ ''عوام'' نکالتا تھا، اس ادارہ نے ان ڈاکومنٹس کو اس اہتمام سے شائع نہیں کیا جس سے انہیں اتنی مقبولیت ملتی جس طرح ''اگر میں قتل کر دیا گیا'' کو ملی تھی پھر بھی ''میرا پاکستان'' کے اردو اور انگریزی ایڈیشن بڑی تعداد میں فروخت ہوئے۔

ان دنوں بھارت میں مرار جی ڈیسائی کی بنیاد پرست حکومت آ چکی تھی۔ مرار جی ڈیسائی اور جنرل ضیاء اپنی ذہنیت اور فطرت کے سبب ایک دوسرے سے بہت قریب تھے اور ان میں ایک قدرِ مشترک بھٹو دشمنی بھی تھی۔ مسز اندرا گاندھی سانحہ مشرقی پاکستان میں اپنے کردار کے سبب پاکستان میں ناپسند کی جاتی تھیں مگر بھٹو صاحب کی رہائی اور پھانسی کے خلاف انہوں نے جو مہم چلائی تھی اس سے پاکستانی عوام میں انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جانے لگا تھا اب میں وزیراعظم مرار جی ڈیسائی کا تو انٹرویو نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اپوزیشن لیڈر سابق وزیراعظم اندرگاندھی سے انٹرویو کے لیے ان کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر صدیقی سے رابطہ کیا اگلے روز مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کے لیے نصف گھنٹہ کا وقت طے ہو گیا میں وقت مقررہ پر ان کی رہائش گاہ (12 ولنگڈن کریسنٹ) پہنچا تو وہاں لوگوں کا ہجوم تھا مجھے فوری طور پر صدیقی صاحب ملاقات کے کمرہ میں لے گئے۔ سابق وزیراعظم جس سادگی اور انکساری سے ملیں اس نے مجھے حیران کر دیا۔ مسز گاندھی نے انتہائی بے تکلفی سے بات چیت کا آغاز کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ساری دنیا کے حکمرانوں کو بھٹو صاحب کی رہائی اور پھانسی سے بچانے کے لیے انہوں نے خطوط لکھے اور سب کے جواب مثبت اور حوصلہ افزاء تھے ماسوائے ایک حکومتی سربراہ کے میں نے اس ملک کے وزیراعظم کا نام پوچھا تو مسز گاندھی نے معنی خیز مسکراہٹ سے میری طرف دیکھا ان کا اشارہ بھارتی وزیراعظم مرار جی ڈیسائی کی طرف تھا۔

مسز گاندھی نے بھٹو خواتین کی نظر بندی پر تشویش کا اظہار کیا۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو، بھٹو صاحب کے عدالتی قتل کے بعد جن حالات سے گزر رہی تھیں اور پارٹی کے کارکن جس تشدد کا شکار تھے۔ میں نے اس کی تفصیل مسز گاندھی کو بتائی۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد ان کے بیٹوں کو تعزیت کا خط لکھا تھا جو شاید ان تک نہ پہنچ سکا۔

مسز گاندھی نے جس بے تکلفی سے گفتگو کا آغاز کیا اور جس خندہ پیشانی سے پیش آئیں۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ان سے کہا کہ سقوط مشرقی پاکستان میں آپ کے کردار کے سبب پاکستانی عوام کا آپ کے خلاف بڑا شدید ردعمل تھا مگر آپ نے بھٹو صاحب کی رہائی اور پھر پھانسی پر جس ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ اس سے پاکستان کے عوام کے دلوں میں آپ کے لیے بڑا احترام پیدا ہو گیا ہے۔ مسز گاندھی نے کہا کہ جن حالات سے پاکستان میں بھٹو صاحب گزرے،

انہی حالات کا ہندوستان میں، میں شکار ہوں مگر ہمارے ہاں جمہوری ادارے مضبوط ہیں۔اس لیے میرے مخالفین کے لیے یہ مشکل ہے کہ مجھے جسمانی طور پر منظر سے ہٹا سکیں۔مسز گاندھی سے ملاقات کا وقت نصف گھنٹے کا طے تھا مگر یہ ملاقات کافی طویل رہی۔

مسز گاندھی سے ملاقات کے دوران ہی میری مقبوضہ کشمیر کے ممتاز کانگریسی رہنما مفتی سعید اوران کے ساتھ آئے ہوئے دیگر کشمیری رہنماؤں سے بھی ملاقات ہوئی۔مسز گاندھی کو میں بتا چکا تھا کہ میرا دلی سے کشمیر جانے کا پروگرام ہے۔مقبوضہ کشمیر کے وزیراعلیٰ شیخ عبداللہ سے میں لندن ہی سے انٹرویو کا وقت لے چکا تھا۔میری آمد پر سرینگر کے ایک اردو اخبار ''آفتاب'' نے یہ خبر شائع کردی کہ پیپلز پارٹی کے اخبار ''مساوات'' کے ایڈیٹر جس کے پبلشر مرتضیٰ بھٹو ہیں، سرینگر آ رہے ہیں اوران کا قیام جہانگیر ہوٹل میں ہوگا۔یہ ہوٹل شہر کے وسط میں تھا۔میرے ہوٹل پہنچتے ہی فون آنے شروع ہو گئے۔لوگ بھٹو صاحب سے اپنی عقیدت کے سبب پاکستان کے سیاسی حالات معلوم کرنا چاہتے تھے اسی دوران ایک خاتون سلمیٰ کا فون آیا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا۔''کیا آپ کا تعلق پاکستان سے ہے۔''

''جی ہاں۔'' یہ سن کر وہ انتہائی جذباتی انداز میں بولیں۔''آپ پاکستانی بڑے بے غیرت ہیں بھٹو کو پھانسی دے دی گئی اور آپ کچھ نہیں کر سکے۔'' اس پر میں نے ان سے کہا آپ ٹھیک کہتی ہیں۔اس کے بعد سلمیٰ اپنے بھائی کے ساتھ مجھ سے ملنے ہوٹل آئیں اور اپنے جذباتی ردعمل کی معذرت چاہی۔

بھٹو صاحب نے اپنی کتاب ''اگر مجھے قتل کر دیا گیا'' میں لکھا تھا کہ اگر مجھے قتل کیا گیا تو اس پر ہمالیہ رو دے گا۔اس وقت جنرل ضیاء کے حامی دانشوروں نے کہا تھا کہ کہیں ہمالیہ بھی رویا ہے۔بھٹو صاحب کی پھانسی پر پاکستان اور ساری دنیا میں شدید ردعمل ہوا ہے مگر اس دن حقیقتاً ہمالیہ اتنا رویا کہ مقبوضہ کشمیر میں سیلاب آ گیا۔بھٹو صاحب نے کشمیر کاز کے لیے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر جو جدوجہد کی تھی۔اس کی وجہ سے کشمیری عوام ان سے جنون کی حد تک عشق کرنے لگے تھے۔وادی کشمیر میں اس قتل کے خلاف اتنا شدید ردعمل ہوا کہ وادی میں سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تین دن تک کشمیر آنے جانے والی پروازیں بند رہیں اور مشتعل عوام کے تشدد آمیز مظاہروں سے سرکاری وغیر سرکاری املاک کو دو کروڑ کا نقصان پہنچا۔

سرینگر میں میرا قیام پانچ دن رہا۔ شیخ عبداللہ سے انٹرویو اپنی آمد کے اگلے روز ہی کر چکا تھا۔ روانگی سے ایک رات قبل شیخ عبداللہ نے وزیراعلیٰ ہاؤس میں مجھے اپنے ہاں کھانے پر بلایا اس دعوت میں ان کے اہل خانہ بھی موجود تھے اس دو گھنٹے کی ملاقات میں سارا وقت بھٹو صاحب اور ان کے خاندان کے بارے میں باتیں ہوئیں۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ بھٹو صاحب بڑے خوددار اور بہادر شخص تھے اور ان کی پھانسی سے سرینگر اور کشمیر میں جو ردعمل ہوا ہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تین دن تک مسلسل ہنگاموں کی وجہ سے ریاست کا سارا نظام درہم برہم رہا اور بھٹو صاحب کے چہلم کے موقع پر کئی سرکردہ لیڈر حفاظتی اقدام کے طور پر گرفتار کر لیے گئے۔

شیخ عبداللہ نے کہا کہ جس طرح مقبوضہ کشمیر کے عوام میں پاکستان کے خلاف نفرت پیدا ہوئی ہے اور پھانسی کے بعد لوگوں نے سرعام پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے ہیں۔ اس سے ان کا قیام پاکستان کی مخالفت کا موقف درست ثابت ہو گیا ہے۔ میں نے ان کے اس نکتہ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری عوام نے پاکستان میں جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے خلاف بھرپور نفرت کا اظہار کیا ہے۔ یہ ردعمل پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے انٹرویو میں بھٹو صاحب کی پھانسی کے بارے میں کہا کہ "فوجی حکومت اور پاکستانی عدلیہ نے بھٹو صاحب کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔" درحقیقت مقبوضہ کشمیر کے عوام ذوالفقار علی بھٹو کو اپنے حق خودارادیت اور امنگوں کا مظہر سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جنرل ضیاء نے جناب بھٹو کو قتل کر کے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو بھی پھانسی دے دی ہے۔ اس لیے بھٹو شہید کی پھانسی پر ہر کشمیری اداس و غمگین تھا ہر گھر میں بھٹو کی کئی تصویریں آویزاں تھیں۔ بوڑھے، بچے، جوان، عورت و مرد سراپا احتجاج تھے۔ سرینگر اور مقبوضہ کشمیر میں بھٹو صاحب کی شہادت کے بارے میں بے شمار لٹریچر فروخت ہو رہا تھا۔ ان کی پھانسی پر فارسی زبان میں بھی طویل نظمیں لکھی گئیں۔ سرینگر میں بھٹو شہید میموریل کمیٹی تشکیل دی گئی اور ایک چوک کا نام بھٹو شہید چوک رکھا گیا۔

جس روز میں سری نگر سے دہلی روانہ ہو رہا تھا تو محاذ رائے شماری کے سرکردہ رہنما اور فارسی زبان کے معروف پروفیسر حاجنی نے اشکبار آنکھوں سے گلے ملتے ہوئے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا کہ "جنرل ضیاء اور اس کے ٹولے کو ایک گولی سے اڑا دیا گیا تو اس سے ہمارے سینوں کی آگ نہیں بجھے گی۔ ہماری تشفی اس وقت ہو گی جب جنرل ضیاء اور بھٹو کو پھانسی دینے والوں کے ساتھ

وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے جیل کی کال کوٹھڑی میں بھٹو صاحب کے ساتھ روا رکھا تھا۔ہم چاہتے ہیں کہ ضیاء اور اس کے ساتھیوں کو ایک سال تک جیل میں رکھ کر ان کی انگلیاں، کان، آنکھیں اور ہاتھ پاؤں آہستہ آہستہ کاٹ کر اس سنگین جرم کی سزا دی جائے۔'' کشمیری خاتون سلمٰی نے سرینگر پہنچتے ہی میرا خیر مقدم جن الفاظ سے کیا تھا اور پروفیسر حاجنی نے جن کلمات سے الوداع کیا تھا وہ کشمیری عوام کے حقیقی جذبات کے عکاسی ہیں۔

مسز گاندھی نے کشمیر سے واپسی پر انٹرویو کے لیے ایک گھنٹے کا وقت دیا تھا۔اس انٹرویو میں مسز گاندھی نے ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی تدبر و فراست کو سراہتے ہوئے کہا۔''اگر وہ زندہ رہتے، تو پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتے تھے۔انہوں نے اس پروپیگنڈہ کو بھی غلط اور بے بنیاد قرار دیا کہ 1972ء میں شملہ میں کوئی خفیہ معاہدہ طے پایا تھا۔مسز گاندھی نے بتایا کہ جو قوتیں مسٹر بھٹو کی پھانسی کی ذمہ دار ہیں انہی قوتوں کا ان کے اپنے اقتدار کے خاتمے میں بھی ہاتھ ہے۔

مسز اندرا گاندھی نے میر مرتضٰی اور شاہنواز بھٹو کے نام اپنا تعزیتی خط بھی دیا۔اس خط میں انہوں نے ان کے والد جناب ذوالفقار بھٹو کی پھانسی پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔''اگر وہ برسراقتدار ہوتیں تو مسٹر بھٹو کی زندگی بچانے کے لیے سخت اقدام کرتیں۔'' انہوں نے دونوں بھائیوں کو مشورہ دیا کہ اس صدمہ کو آہنی عزم و حوصلے اور قوت سے برداشت کریں۔مسز اندرگاندھی نے اپنے خط میں اس توقع کا بھی اظہار کی کہ ان کی ہمشیرہ بے نظیر مستقبل میں پاکستان کی سیاست میں اہم کردار ادا کریں گی۔

دہلی میں قیام کے دوران جناب بھٹو کے بچپن کے دوست مسٹر پیلو مودی مصنف ''زلفی۔ میرا دوست'' سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے ان سے مساوات کے لیے خصوصی انٹرویو بھی کیا جناب مودی راجیہ سبھا کے ممبر تھے اور ان کے ہاں ان دانشوروں، سیاستدانوں، صحافیوں اور دیگر اہل قلم سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جنہوں نے بھٹو صاحب کی پھانسی کے بارے میں مضامین اور نظمیں لکھ کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

دہلی کا یہ دورہ اس لحاظ سے بے حد اہم تھا کہ مرارجی ڈیسائی کی بنیاد پرست حکومت کے باوجود وہاں انصاف پسند دانشوروں اور صحافیوں سے روابط پیدا ہوئے۔خصوصاً مسز گاندھی سے ملاقاتیں ایک خصوصی رابطہ کا موثر ذریعہ بن گئیں اور انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں

انہیں بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے بارے میں باخبر رکھوں۔

16 اکتوبر 1979ء کو فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء نے ملک میں عام انتخابات کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا اور بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے علاوہ وسیع پیمانے پر پی پی پی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا مساوات بھی بند کر دیا گیا۔

جنرل ضیاء کے اس اقدام سے لندن میں تشویش کی لہر دوڑ گئی خصوصاً یہ اندیشہ دو چند ہوا کہ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی جان کو خطرہ درپیش ہے۔ ہمیں اس نوع کی اطلاعات مل رہی تھیں کہ جنرل ضیاء بیگم صاحبہ اور بے نظیر کو اپنے راستے سے ہٹانے کے خطرناک منصوبے پر عمل کرنا چاہتا ہے۔

اسلام آباد میں آمنہ پراچہ اور ان کے شوہر سلیم ذوالفقار بھٹو خاندان کے ایک طویل عرصے سے قابل اعتماد دوست ہیں۔ بھٹو شہید کے سپریم کورٹ میں مقدمہ سے لے کر ان کی پھانسی تک دونوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ قانونی جنگ میں جناب یحییٰ بختیار کا ساتھ دیا تھا۔ سفارتکاروں اور غیر ملکی صحافیوں کے توسط سے بیرونی دنیا کو پاکستان میں اصل صورتحال اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے آگاہ کرنے میں بھی انہوں نے جرات مندانہ کردار ادا کیا۔

میر مرتضیٰ بھٹو کو اہم دستاویزات بھیجنے کے ساتھ پیغام رسانی کا اہتمام بھی وہی کرتے تھے۔ اسلام آباد میں ڈاکٹر ظفر نیازی اور ان کی صاحبزادی یاسمین نیازی نے بھی اس دور میں حکومت کی سختیاں اور جیل کی مشکلات برداشت کیں لیکن پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔

جنرل ضیاء کے 16 اکتوبر کے اعلان سے غیر یقینی صورتحال ہم سب کے لیے پریشان کن اور اذیت ناک تھی اور ہمارے اندیشے اور وسوسے بڑھ گئے تھے۔ مساوات کی بندش سے معلومات کا ذریعہ بھی ٹوٹ گیا میں نے اس شام آمنہ پراچہ کو فون کر کے بیگم صاحبہ اور بے نظیر بھٹو کی خیریت پوچھی انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں کو گرفتار کر کے کہاں رکھا گیا ہے۔ آمنہ کا جواب تھا کہ کچھ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے! اس خوفناک صورتحال نے مجھے اور فکر مند کر دیا چنانچہ میں نے مسز گاندھی سے فون پر رابطہ کیا اور ان اندیشوں سے انہیں آگاہ کیا کہ بیگم صاحبہ اور بے نظیر کی زندگی خطرے میں ہے۔

مسز گاندھی نے پوچھا۔ میں کس طرح مدد کر سکتی ہوں!

میں نے ان سے گزارش کی کہ آپ ان کے حق میں ایک بیان جاری کریں بحیثیت سابق

وزیراعظم اور عالمی لیڈر آپ کے بیان کو ساری دنیا میں پذیرائی ملے گی اور بیگم صاحبہ اور ان کی صاحبزادی کی سلامتی کے بارے میں عالمی رائے عامہ آگاہ ہو سکے گی جس سے جنرل ضیاء اپنے مذموم ارادے کو پورا نہیں کر سکے گا۔مسز اندرا گاندھی نے اگلے روز اپنا بیان رائٹر نیوز ایجنسی کو جاری کر دیا اور مجھے بھی اس کی ایک کاپی بھیج دی۔اس بیان میں مسز گاندھی نے کہا۔

''ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے بعد بیگم بھٹو اور مس بے نظیر بھٹو پر جو ظلم کیے جا رہے ہیں اور جس طرح انہیں بار بار ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس پر ان کا دل ان دونوں بہادر خواتین کے لیے خون کے آنسو روتا ہے۔ پاکستان میں یہ کہا جا رہا ہے کہ فوجی حکومت ان دونوں خواتین کو ہلاک کر کے ان کی جائیداد ضبط کرنا چاہتی ہے، لیکن میں پاکستانی عوام کو یقین دلاتی ہوں کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ہمیں اس موقع پر ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے ایک ظالم حکومت کے آگے جھکنے کی بجائے موت کو ترجیح دی۔''

مسز گاندھی کے اس بیان کو عالمی ذرائع ابلاغ نے نمایاں طور پر شائع کیا اسے بی بی سی اردو سروس سے بھی نشر کیا گیا دونوں ماں بیٹی کی سلامتی کو درپیش خطرے سے دنیا کو آگاہی ہوئی اور ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔

جن دنوں بے نظیر بھٹو سکھر جیل میں قید تھیں۔جام صادق علی کو لندن میں یہ اطلاع ملی کہ جنرل ضیاء نے بے نظیر کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ان کے پاس جو مہمان آتے تھے ان کا مارشل لاء حکام سے قریبی رابطہ تھا۔ضیاء حکومت میں شریک ایسے لوگوں کے علاوہ بعض جرنیل بھی ان سے ملنے آتے تھے۔ان کے ذرائع معلومات اور تعلقات بہت وسیع تھے۔ایک دن انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ سکھر جیل میں بے نظیر بھٹو کی جان کو خطرہ ہے اور اس کے لیے فوری پریس کانفرنس ہونی چاہیے۔دو دن بعد ان کی رہائش گاہ پر لنچ کا اہتمام کیا گیا اور تمام قابل ذکر ملکی وغیر ملکی صحافیوں کو مدعو کیا گیا۔جام صاحب کی توقع کے خلاف کوئی بیس سے زائد صحافی آ گئے۔ان میں بی بی سی ایسٹرن سروس کے سربراہ دیوڈ پیج اور اطہر علی مرحوم بھی تھے۔ان دنوں جام صادق اور غلام مصطفیٰ کھر کے تعلقات اتنے کشیدہ تھے کہ ایک طرح سے بول چال بھی بند تھی۔میں نے انہیں

مصطفیٰ کھر کو بھی پریس کانفرنس میں مدعو کرنے کی تجویز دی تا کہ ضیاء کے قاتلانہ منصوبے کو موثر طور پر بے نقاب کیا جا سکے۔

دونوں رہنماؤں نے بین الاقوامی پریس کو بتایا کہ سکھر جیل میں بے نظیر بھٹو کی جان کو خطرہ لاحق ہے۔ وہ جیل میں شدید بیمار ہیں اور ان کے کان کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔ پریس کانفرنس بی بی سی ورلڈ سروس کے علاوہ دنیا بھر کے اخبارات میں شائع ہوئی جس سے جنرل ضیاء نے اپنے بھیانک منصوبے پر ایک مرتبہ پھر عمل درآمد ملتوی کر دیا۔

بغداد کانفرنس:

بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے بارے میں ہمیں یہ اطلاعات مسلسل مل رہی تھیں کہ انہیں بیماری کے باوجود انتہائی تکلیف دہ صورتحال میں رکھا جا رہا ہے۔ سابق وزیراعظم اور اسلامی سربراہ کانفرنس کے سربراہ کی بیوہ کو کراچی سنٹرل جیل کی ''سی'' کلاس میں اور 26 سالہ آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ ان کی بیٹی کو سندھ کے سخت ترین قید خانے سکھر سنٹرل جیل میں محبوس رکھا گیا ہے۔

جون 1981ء میں مجھے بغداد میں ہونے والی اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ بغداد پہنچ کر مجھے سب سے زیادہ خوشی ایک طویل عرصے بعد اپنے دوست نوائے وقت کے جناب عارف نظامی سے مل کر ہوئی۔ روزنامہ ''ڈان'' کے سینئر صحافی نثار عثمانی سے بھی ملاقات کا موقع ملا جو پاکستانی وفد کے ساتھ کوریج کے لیے آئے ہوئے تھے۔ پاکستانی وفد کے سرکاری اراکین اس وقت بڑے زور وشور سے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس انوارالحق کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا جج بنانے کی تحریک چلانے میں مصروف تھے۔ بغداد کانفرنس میں مجھے یہ موقع ملا کہ میں پاکستان میں نظر بند بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی رہائی کے لیے عرب ممالک کے وزرائے خارجہ کے ساتھ آئے ہوئے مندوبین اور صحافیوں سے رابطہ کر سکوں۔ دوسری جانب میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ یہ وہی چیف جسٹس انوارالحق ہے جس نے بھٹو صاحب کو پھانسی کی سزا دینے کا فیصلہ سنایا تھا۔ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس جیسے معتبر اور غیر جانبدار ادارے میں ایک ایسے شخص

کے منتخب ہونے سے اس کی ساکھ کو شدید دھچکا لگے گا۔ پی ایل او اور میزبان عراق کا رویہ مجھ سے بڑا ہمدردانہ تھا، میں اپنے ساتھ بھٹو صاحب کی کتاب My Pakistan بھی لے گیا تھا جو یہاں ہاتھوں ہاتھ لی جارہی تھی۔ عراق کی انتہائی محترم مذہبی شخصیت شیخ عبدالقادر گیلانی کے گدّی نشین سے بھی ملاقات ہوئی جنہیں بھٹو صاحب کی پھانسی کا بڑا افسوس تھا۔ جناب گیلانی نے کہا کہ جنرل ضیاء کو بے گناہ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی نہیں دینی چاہیے تھی۔ انہوں نے بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی نظر بندی اور قید پر بھی تاسف کا اظہار کیا۔ اس ملاقات میں موجود روزنامہ جنگ کے رپورٹر کو یہ بڑا ناگوار گزرا۔ اس نے جنرل ضیاء کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو ضیاء الحق کے خلاف یہاں بات نہیں کرنی چاہیے اور بھٹو کے بیٹے دہشت گرد ہیں۔ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو ہائی جیکنگ میں ملوث ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ فوجی حکومت کے لیے پروپیگنڈا کریں میں اپنی بات کروں گا جو سچائی پر مبنی ہے۔ ضیاء الحق نے ایک بے گناہ شخص کو پھانسی دی ہے اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس انوار الحق کا یہ فیصلہ عدالتی قتل کے مترادف ہے۔ جسٹس انوار الحق کے لیے سرکاری لابنگ ناکام ہوئی اور انہیں ایک یا دو ووٹ ہی مل سکے۔ وزرائے خارجہ کے اس خصوصی اجلاس کے دوران ایک شام میں نے دانستہ یہ خبر پھیلا دی کہ اگلے روز میر مرتضیٰ بھٹو اور مصطفیٰ کھر بغداد میں پریس کانفرنس کر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر پاکستانی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور جنگ کے رپورٹر نے اسی وقت یہ خبر اپنے اخبار کو بھیج دی۔ پھر یہی اخبار نویس عراق کی وزارت اطلاعات کے اعلیٰ افسر کے پاس گیا اور ان سے شکایت کی کہ یہ ہم کیا سن رہے ہیں کہ مرتضیٰ بھٹو اور مصطفیٰ کھر پریس کانفرنس کر رہے ہیں۔ یہ سن کر وزارت اطلاعات کے افسر نے اس رپورٹر کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ اس میں کوئی صداقت نہیں ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی بغداد نہیں آیا ہے۔ مجھے یہ ڈر تھا کہ لندن میں موجود غلام مصطفیٰ کھر جنگ لندن میں اس کی تردید نہ کر دیں مگر میرے خدشات غلط نکلے اور اس کی بڑی جگ ہنسائی ہوئی۔

بیگم نصرت بھٹو کے بارے میں عراق کے روزنامہ الجمہوریہ کی خبر کا عکس

بیگم نصرت بھٹو کے بارے میں عراق کے روزنامہ الجمہوریہ کی خبر کا عکس۔
بغداد سے شائع ہونے والے روزنامہ "الجمہوریہ" نے ۱۹ جون کی اشاعت میں پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرمین بیگم نصرت بھٹو اور مس بے نظیر بھٹو کی غیر قانونی گرفتاری کی خبر بیگم صاحبہ کی تصویر کے ساتھ شائع کی ہے۔

تمديد فترة

اعتـقال

نصرت بوتو

اعلن السكرتير العام لحزب الشعب الباكستاني وكالة ان السلطات الباكستانية امرت تمديد فترة اعتقال ارملة وابنة رئيس وزراء باكستان الراحل (ذو الفقار علي بوتو) الى فترة (٩٠) يوما اخر اعتبارا من اليوم الاثنين .

ويذكر ان السيدة نصرت بوتو وابنتها بنازير قد تم اعتقالهما في الثاني من اذار الماضي عقب قيام مسلحين باختطاف طائرة باكستانية في الثاني من الشهر نفسه .

وكانت السيدة نصرت بوتو وابنتها بنازير قد اعتقلتا لاول مرة عام ١٩٧٩ وفرضت عليهما اقامة جبرية مدتها ستة اشهر

رويتر – واع

الجمهورية الثلاثاء ٩ حزيران ١٩٨١م – ٧ شعبان ١٤٠١هـ

بغداد میں بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کی رہائی کے لیے مہم بڑی مثبت رہی۔عراقی اخبار ''الجمہوریہ'' میں بیگم نصرت بھٹو کی تصویر کے ساتھ ان کی نظر بندی کی خبریں شائع ہوئیں۔اس کے کچھ دنوں بعد بیگم بھٹو کی نظر بندی ختم کر کے انہیں رہا کر دیا گیا۔ان کی رہائی کے بعد میں نے 70 کلفٹن فون کر کے خیریت پوچھی اور بتایا کہ بغداد میں عرب اور اسلامی وفود ان کی قید کے بارے میں بڑے فکرمند تھے اور انہوں نے آپ کی رہائی کے سلسلہ میں بڑی دلچسپی لی۔مزید برآں میں نے زیارات کے دوران آپ کی رہائی اور صحت کے لیے دعائیں بھی مانگیں،تو اس سے وہ بڑی خوش ہوئیں۔

بیگم بھٹو بچاؤ مہم

''فوجی حکومت مجھے بیرون ملک جا کر علاج کرانے کی اجازت دینے میں تاخیر سے کام لے رہی ہے تاکہ میری حالت خراب ہو جائے اور مجھے اس وقت جانے کی اجازت دی جائے جب میں اپنے پاؤں پر واپس آنے کی بجائے کفن میں لپٹی ہوئی واپس لائی جاؤں۔'' یہ بات بیگم نصرت بھٹو نے اپنے اس انٹرویو کے دوران کہی جو بین الاقوامی شہرت یافتہ نیوز ایجنسی نے ان کی نظر بندی کے دوران کیا تھا۔ ساری دنیا میں بیگم بھٹو کی خطرناک بیماری کی اس خبر نے تشویش کی لہر دوڑا دی۔ لندن میں سینٹ تھامس اسپتال کی ماہر ڈاکٹر تھلما بیٹس نے جب بیگم بھٹو کی میڈیکل رپورٹ کو دیکھا تو ان کا فوری ردعمل یہ تھا کہ بیگم بھٹو کو پھیپھڑوں کا کینسر ہے اور اگر ان کا فوری علاج نہ کیا گیا تو وہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گی۔ بیگم بھٹو کی بیماری کی تشویشناک خبریں جب تواتر سے آنے لگیں تو لندن میں ''بیگم بھٹو بچاؤ مہم'' کے نام سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا جس کے چیئرمین لارڈ ایوبری تھے اور اس کے لیے سب سے زیادہ سرگرم لندن میں مقیم بیگم نصرت بھٹو کی بہن بہجت ہریری تھیں جو ایک غیر سیاسی خاتون تھیں مگر بہن کی بیماری نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ بیگم بھٹو کی رہائی کے لیے عالمی رائے عامہ کو ہموار کریں۔

برطانوی ہاؤس آف لارڈز میں ڈاکٹر تھلما بیٹس اور مسز بہجت ہریری نے انتہائی تفصیل سے عالمی میڈیا کو بیگم بھٹو کی بیماری سے آگاہ کیا جسے برطانیہ کے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ ڈاکٹر بیٹس نے پریس کانفرنس میں وضاحت سے بتایا کہ یہ کوئی سیاسی مسئلہ اور پروپیگنڈا نہیں ہے بلکہ ایک انسانی زندگی کا مسئلہ ہے مسلسل نظر بندی کے سبب ان کی بیماری نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی ہے۔ جولائی 1982ء میں خون کی قے آنے کے بعد جو تجزیاتی

رپورٹ یہاں لندن میں موصول ہوئی اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کے بائیں پھیپھڑے میں کینسر ہے جو تیزی سے پھیل رہا ہے اور اگر اس کے علاج میں تاخیر کی گئی تو ان کی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ بیگم بھٹو نہایت نحیف اور کمزور ہو چکی ہیں اور مسلسل انہیں تھوک میں خون آ رہا ہے۔ فوجی حکومت ان کی رہائی میں اس لیے تاخیری حربے استعمال کر رہی ہے تاکہ ان کا مرض لاعلاج ہو جائے۔ ڈاکٹر بیٹس اور مسز بہجت ہریری کی اس پریس بریفنگ کو برطانوی اخبارات میں بڑی کوریج ملی۔ لندن کے ممتاز انگریزی اخبار ''سنڈے ٹائمز'' نے ایک سخت اداریہ لکھا۔ اداریہ کا عنوان تھا ''مسز بھٹو کو جانے دیا جائے'' اداریہ میں کہا گیا تھا کہ ''سیاست ایک ظالمانہ کھیل ہے، بیگم بھٹو نے اپنے شوہر کو پھانسی لگتے دیکھا ان کی بڑی بیٹی بھی قید ہیں، دونوں جوان بیٹے برسوں سے جلاوطن ہیں خود بیگم بھٹو کی نقل وحرکت پر پابندی ہے اور انہیں کراچی سے باہر جانے کی اجازت نہیں اور جب تک پاکستانی فوجی حکام میں ذرہ بھر بھی رحم نہیں آئے گا۔ اس وقت تک انہیں بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔'' سنڈے ٹائمز نے مزید لکھا کہ ''بیگم بھٹو کو کینسر کا اندیشہ ہے، لیکن جنرل ضیاءالحق کو یہ خوف تھا کہ بیگم بھٹو بیرون ملک فوجی حکومت کے مخالفین کا مرکز بن جائیں گی لیکن جنرل ضیاء کے ان خدشات کے باوجود بیگم نصرت بھٹو کی بیماری کا معاملہ انسانی مسئلہ ہے اور انہیں علاج کی سہولت فراہم کرنے کے لیے اگر سرکاری ضوابط حائل بھی ہوں تو انہیں ختم کر دیا جائے یوں بھی بیگم بھٹو کی بیماری اب ایک بین الاقوامی مسئلہ بن چکی ہے۔ اس لیے حکومت کو انہیں جازت دے دینی چاہیے۔''

ادھر پاکستان میں بیگم صاحبہ کا معائنہ کرنے کے لیے جو طبی بورڈ قائم کیا گیا اس کے فوجی سربراہ جنرل اقبال چوہدری نے بیگم صاحبہ کا دوبارہ تجزیاتی آپریشن کرنے کی تجویز دی حالانکہ طبی ماہرین کے نزدیک اس کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ ڈاکٹر تھلما بیٹس نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ تین ماہ قبل جو تجزیاتی اپریشن کیا گیا ہے اس کے بعد مزید تجزیاتی آپریشن غیر ضروری ہے اور اس سے مریض کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے بلکہ اگر فوری علاج نہ کیا گیا تو ان کی زندگی بچانے کے امکانات کم رہ جائیں گے۔ خود بیگم بھٹو نے کہا کہ ان کی کمزور صحت کے پیش نظر مزید تجزیاتی اپریشن مہلک ہوگا اور ان کے پھیپھڑوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

بیگم بھٹو کی زندگی کے لیے عالمی رائے عامہ میں تشویش قدرتی امر تھا اور ان کی زندگی بچانے

کے لیے کئی سربراہانِ مملکت نے اپیل کی۔ مسز اندرا گاندھی نے فوجی ڈکٹیٹر ضیاء سے بیگم بھٹو کو علاج کے لیے باہر بھیجنے کی اپیل کی لیکن ڈکٹیٹر ضیاء نے ملائشیا کے دورہ کے دوران یہ عجیب منطق پیش کی کہ ''بیگم بھٹو کو دوسرے مریضوں کی طرح حکومت پر یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا معاملہ جائز ہے اور اس کے لیے سینٹرل میڈیکل بورڈ سے طبی معائنہ کرانا ہوگا۔'' ہم ان کی بیماری کی تشخیص کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اگر وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہیں جو پاکستان میں لاعلاج ہے تو میں پہلا شخص ہوں گا جو ان سے کہے گا۔ ''محترمہ جائیے اور اپنا علاج کرائیے۔''

جنرل ضیاء کا یہ استدلال بجائے خود اس کی بدنیتی کا کھلا ثبوت تھا۔ بیگم بھٹو کے ضمن میں اس کا یہ موقف اس کے غیر انسانی ظالمانہ سلوک کو ظاہر کرتا تھا دوسرے سیاسی رہنماؤں کے بارے میں ضیاء حکومت نے کبھی میڈیکل بورڈ کے سامنے پیش ہونے کی ہدایت نہیں کی۔ میاں محمود علی قصوری، خان عبدالولی خان، مشیر پیش امام، سردار عطاء اللہ مینگل، غلام مصطفیٰ جتوئی، ممتاز بھٹو، میاں محمد طفیل وغیرہ یہ تمام رہنما بیرون ملک علاج کے لیے ماسکو، امریکہ اور برطانیہ آ چکے تھے اور فوجی حکومت نے ان پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ خود فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء کی بیگم طبی معائنہ کے لیے لندن آئی تھیں اور اپنی بیٹی کو بھی طبی معائنہ کے لیے کئی بار لندن بھیجا، لیکن بیگم نصرت بھٹو کے بارے میں جنرل ضیاء مجرموں کی طرح ان سے یہ ثبوت چاہتا تھا کہ ان کے مہلک مرض کا پاکستان میں علاج ناممکن ہے۔ میڈیکل بورڈ کی تشکیل اور دوبارہ تجزیاتی آپریشن تاخیری حربے تھے تاکہ بیگم صاحبہ کے بیرون ملک علاج کے لیے جانے سے اس کا دورہ امریکہ متاثر نہ ہوا پنے اس خوف کی وجہ سے وہ بیگم صاحبہ کی زندگی سے دانستہ اور ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت کھیل رہا تھا، حکومت کی بددیانتی کا دوسرا ثبوت یہ تھا کہ اس نے بے نظیر بھٹو کی یہ درخواست بھی مسترد کر دی کہ انہیں لاڑکانہ سے 70 کلفٹن کراچی منتقل کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی علیل والدہ کے قریب رہ سکیں۔ بیگم صاحبہ نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر بے نظیر کو کلفٹن کے مکان منتقل کر کے سب جیل قرار دیا جائے تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گی۔

ضیاء حکومت کے اس روّیہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بیگم نصرت بھٹو کے قتل کے منصوبے پر بتدریج عمل کر رہی تھی اور سرطان کے طبی ماہرین کی رائے کے باوجود انہیں بیرون ملک فوری علاج کے لیے جانے کی اجازت دینے میں دانستہ تاخیری حربے استعمال کر رہی تھی۔

بالآخر فوجی ڈکٹیٹر کو عالمی رائے عامہ کے آگے جھکنا پڑا اور انہیں نومبر 1982ء میں رہا کر دیا گیا اور وہ پاکستان سے جرمنی آ گئیں، میونخ کے فور سیزن ہوٹل میں کئی سال بعد بیگم صاحبہ کو دیکھ کر مجھے شدید دھچکا لگا لیکن شدید علالت اور اپنے عظیم شوہر کے ناقابل برداشت صدمہ کے باوجود ان کی شخصیت میں ایک وقار، عظمت اور استقلال جھلک رہا تھا اور مایوسی کے اندھیرے میں امید کی یہی ایک کرن تھی کہ فوجی ڈکٹیٹر اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

بیگم صاحبہ نے مجھے بتایا کہ "اگر چہ ڈاکٹروں نے پھیپھڑے کے سرطان کی تصدیق کر دی تھی اس کے باوجود جنرل ضیاء تین ماہ تک علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی اجازت دینے میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا۔ اس کی یہی کوشش تھی کہ اس مہلک، بیماری کے سبب میں زندہ نہ رہوں۔ میں نے اپنے شوہر کے قتل کا صدمہ برداشت کیا لیکن بیماری سے اتنا اکتا گئی تھی کہ خود کو ذہنی طور پر مرنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مجھے ضیاء جیسے شخص سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ بروقت علاج کے لیے ملک سے باہر جانے کی اجازت دے گا۔ بیگم صاحبہ کا کہنا تھا کہ انہیں ضیاء کے ان مذموم ارادوں کا اس کارروائی سے بھی اندازہ ہو گیا تھا جو اس نے میڈیکل بورڈ کے سربراہ جنرل اقبال چوہدری کو اس کے عہدے سے ہٹا کر کی کیونکہ جنرل چوہدری نے خطرناک بیماری کے پیش نظر بیگم صاحبہ کے بیرون ملک علاج کی سفارش کر کے ضیاء کے عزائم کو ناکام بنا دیا تھا۔

بیگم نصرت بھٹو نے علالت کے باوجود یورپ کے مختلف ملکوں سے آئے ہوئے پارٹی کارکنوں کے ایک اجتماع سے بھی خطاب کیا۔ انہوں نے کہا "پاکستان کے موجودہ حکمرانوں نے ملک میں روایتی ظالمانہ ہتھکنڈوں سے انسانیت کی جو تذلیل کی ہے اس کی پاکستان کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس وقت پاکستان میں خیبر سے کیماڑی تک ہر جگہ کوڑوں کی بھرمار ہے، ملک کی جیلیں سیاسی کارکنوں سے بھری پڑی ہیں اور ایک مطلق العنان جنرل من مانی کر رہا ہے۔ اس غیر آئینی فوجی حکومت کے خاتمے ہی میں ملک کی بقا ہے۔ اس لیے پاکستان کے عوام کو چاہیے کہ وہ اندرون ملک اور بیرون ملک حکومت کے خلاف صف آراء ہو کر اپنی جدوجہد کو آگے بڑھائیں۔"

بیگم بھٹو نے پاکستان کے عوام سے اپیل کی کہ "وہ ملک میں جمہوریت، مارشل لاء کے خاتمے، انسانی حقوق اور آئین کی بحالی کے لیے آگے بڑھیں اور مارشل لاء کی پابندیوں کی پرواہ کیے بغیر سراپا احتجاج بن جائیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور دیگر جمہوریت پسند

پاکستانیوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک میں مارشل لاء کے بظاہر مضبوط لیکن اندر سے کھوکھلے ستونوں کو آخری ٹھوکر لگا کر زمین بوس کر دیں۔"

انہوں نے بے نظیر بھٹو کے بارے میں فخر سے بتایا کہ وہ بڑی ذہین، بہادر اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والی لڑکی ہے اور پاکستان پیپلز پارٹی کو کامیابی سے ہمکنار کرانے میں اہم کردار ادا کرے گی بھٹو شہید نے اپنی بیٹی کو بطور خاص سیاسی تربیت دی ہے جب شہید پنڈی جیل میں تھے تو ہفتے میں صرف ایک بار ایک گھنٹہ کی ملاقات کی اجازت تھی وہ اس ایک گھنٹے میں سیاسی لیکچر دیتے تھے۔شہید بھٹو کے آخری ایام میں یہ سیاسی تربیت ہماری بیٹی کے لیے بیحد کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ بے نظیر ہر آزمائش میں پوری اتری ہے وہ پارٹی کو فعال اور موثر قیادت مہیا کرے گی۔"

بیگم نصرت بھٹو اپنی بیٹی بے نظیر کے بارے میں بڑی فکر مند تھیں۔انہوں نے مجھے ہدایت کی کہ بے نظیر کی رہائی کے لیے مہم شروع کروں۔اتفاق سے میرے دوست اور ایگزیکٹو انٹیلی جینس ریویو کے ایشیا ایڈیٹر ڈین سنائیڈر بیگم صاحبہ کی عیادت کے لیے میونخ آئے ہوئے تھے اور ہم نے بے نظیر کی رہائی کی مہم کے فوری آغاز کا فیصلہ کیا۔

بیگم بھٹو سخت قوت ارادی کی مالکہ ہیں اور اسی قوت سے فوجی حکمراں خائف تھے۔بیگم صاحبہ نے تمام تر مصروفیات ترک کر کے علاج کرایا اور ایک طرح سے دنیا سے الگ تھلگ ہو گئیں۔اس عرصہ میں ایسے مرحلے بھی آئے جب خطرات کے اندھیرے بڑھ گئے، لیکن ان کی حوصلہ مندی نے قدم قدم پر خطرے کا مقابلہ کیا۔عوام کی دعائیں ان کے ساتھ تھیں، کئی فرزانوں نے وفا کو عبادت بنا کر دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے کہ بیگم صاحبہ کی بیماری انہیں لگ جائے اور وہ تندرست ہو جائیں اور قدرت نے عوام کی بے لوث دعاؤں کو شرف قبولیت بخش کر ان کی صحت بحال کر دی۔

مسز گاندھی سے دو ملاقاتیں:

مسز اندرا گاندھی انتخابات جیت کر دوبارہ بھارت کی وزیر اعظم بن چکی تھیں۔جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف عالمی مہم میں میرے کئی بااثر غیر ملکی صحافیوں سے قریبی روابط استوار ہو چکے تھے بلکہ ایک طرح سے دوستی کے رشتہ میں ڈھل چکے تھے۔نیویارک سے شائع ہونے والے ایک مقتدر جریدے "ایگزیکٹو انٹیلی جینس ریویو" کے نیویارک کے علاوہ جرمنی، پیرس، بنکاک اور

دہلی میں بیوروآفس تھے۔اسی جریدے نے سب سے پہلے "پاکستان پیپرز" کے نام سے جناب بھٹو کی تاریخی دستاویز شائع کی تھی جو بعد میں If I am assassinated کے نام سے کتاب کی شکل میں شائع ہوئی۔اس جریدے کے علاوہ اس ادارے کا اپنا اخبار New Solidarity کے نام سے بھی نیویارک سے شائع ہوتا تھا۔

"ایگزیکٹوانٹیلی جینس ریویو" اور "نیوسالیڈیرٹی" دونوں جریدوں سے وابستہ صحافیوں کے ساتھ میرا براہ راست رابطہ تھا اس کے علاوہ نئی دہلی کے ویکلی جریدے New Wave کے ایڈیٹر گنیش شکلا سے بھی میں مسلسل رابطے میں تھا، مسٹر شکلا مسز گاندھی کے قریب سمجھے جاتے تھے۔

ایگزیکٹوانٹیلی جینس ریویو کے ایشیا ایڈیٹر مسٹر ڈین سنائیڈر کے ساتھ میری اچھی دوستی ہوگئی وہ ایک ذہین صحافی اور برصغیر کے معاملات کے ماہر تھے۔ 1982ء کے اوائل میں انہوں نے مسز گاندھی کا انٹرویو کیا اور مجھے مشورہ دیا کہ میں دہلی جا کر مسز گاندھی سے ملوں اور بیگم بھٹو کی علالت اور بے نظیر بھٹو کی مسلسل نظر بندی کے بارے میں ان سے مدد کی درخواست کروں۔ مارچ 1982ء میں میں دہلی گیا اور وہاں مجھے مسز گاندھی نے ملاقات کا وقت دے دیا۔ ان کے دفتر کے باہر ملاقاتیوں کا بے پناہ ہجوم تھا مجھے مقررہ وقت پر ملاقات مشکل نظر آرہی تھی اتنے میں مسز گاندھی کی قریبی دوست مسز محمودہ بیگم میرے پاس آئیں اور مسز گاندھی کے آفس میں لے گئیں۔ مسز گاندھی کی شخصیت کا ایک تو وہ پہلو تھا جو میں نے مئی 1979ء میں اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے دیکھا تھا اور اب وزیراعظم کی حیثیت سے میں ان کے روبرو تھا۔ وہ اپنی روایتی مسکراہٹ اور سادہ لباس میں تھیں۔ میں نے رسمی کلمات کے بعد انہیں بتایا کہ بیگم بھٹو شدید علیل ہیں اور بے نظیر بھٹو کے کان میں سخت تکلیف ہے اور انہیں فوری علاج کے لیے بیرون ملک جانے کی ضرورت ہے۔ آپ اس ماہ سرکاری دورہ پر لندن جارہی ہیں۔ جنرل ضیاء برطانوی وزیراعظم مسز مارگریٹ تھیچر کے بڑے مداح ہیں آپ مسز تھیچر کے ساتھ بے نظیر کے علاج کا معاملہ اٹھائیں کہ وہ جنرل ضیاء پر اپنا ذاتی اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو کو چند ہفتوں کے لیے بغرض علاج بیرون ملک جانے کی اجازت دے دیں۔

مسز گاندھی نے مجھے بتایا کہ اس مسئلہ پر وہ پہلے ہی برطانوی وزیراعظم سے بات کر چکی ہیں لیکن انہوں نے کسی قسم کی مدد سے انکار کر دیا ہے تاہم آپ مجھے بے نظیر کی بیماری کے بارے میں

ایک نوٹ لکھ دیں، میں دوبارہ مسز تھیچر سے بات کروں گی۔ان دنوں پاکستانی حکومت کی تین اہم شخصیات دورہ پر دہلی آئی ہوئیں تھیں۔اخباری اطلاعات کے مطابق وہ بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے معاہدہ پر بات چیت کرنا چاہتے تھے۔

پاکستان کے سیاسی حالات کے بارے میں مسز گاندھی نے مجھ سے پوچھا تو عدم جارحیت کی اخباری اطلاعات کے پیش نظر میں نے مخصوص جذباتی انداز میں کہا کہ ''اگر جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کے ساتھ بھارت نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا تو اس سے جنرل ضیاء اپنی پوزیشن مستحکم کر کے جمہوری قوتوں کو کچل دے گا اور اس سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو کو ہمیشہ کے لیے اپنی راہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے گا۔'' جنرل ضیاء پہلے ہی جناب بھٹو کا عدالتی قتل کر چکا ہے وہ عوام کو جبر وتشدد کا نشانہ بنا کر ملک کے جمہوری اداروں کو مزید تباہ و برباد کر دے گا اور آپ کی پاکستانی عوام میں good will بھی ختم ہو جائے گی۔

میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں لندن سے دشمن ملک بھارت میں تو آزادی سے آ سکتا ہوں لیکن اپنے وطن پاکستان نہیں جا سکتا کیونکہ میں ایک فوجی آمر کے خلاف آواز اٹھا رہا ہوں، اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ پاکستان کے دشمن بھارت کا کوئی بھی شہری ویزا لے کر وہاں جا سکتا ہے، لیکن اپنی سرزمین کی سرحد عبور کرنا میرے لیے ممکن نہیں پاکستانی سرحد یہاں سے اتنی نزدیک ہونے کے باوجود میرے لیے بہت دور ہے اور میرے جذبات واحساسات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں یہاں سے واپس لندن چلا جاؤں گا لیکن پاکستان میں قدم رکھنے کا تصور بھی میرے لیے مشکل ہے مسز اندرا گاندھی نے میری باتیں بڑے غور سے سنیں اور بہت متاثر ہوئیں۔

مسز گاندھی کی شخصی عظمت کا میں اس وقت اور بھی زیادہ قائل ہوا جب لندن میں پریس کانفرنس کے بعد ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ میں نے بے نظیر کے بارے میں مسز تھیچر سے بات کی ہے مگر انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ افغانستان کی صورتحال کے سبب وہ جنرل ضیاء کو ناراض نہیں کرنا چاہتیں اور ان کے نزدیک اس وقت انسانی حقوق سے زیادہ افغانستان کا مسئلہ اہم ہے مجھے اس پر مایوسی تو ہوئی مگر ایک طرح سے یہ خوشی بھی ہوئی کہ ایک ملک کی وزیر اعظم نے دوسرے ملک کے دورے پر اس ملک کی وزیر اعظم سے بے نظیر

بھٹو کی رہائی کا معاملہ اٹھایا۔

بے نظیر بھٹو کی نظر بندی اور اس سے زیادہ ان کی بیماری کے بارے میں تشویشناک خبریں اب برطانوی اور مغربی اخبارات میں نمایاں طور پر شائع ہو رہی تھیں۔ لندن اور سارے یورپ میں پارٹی کے حامی اور کارکن بے نظیر بھٹو کی رہائی کی مہم چلا رہے تھے مگر جنرل ضیاء الحق کا فوجی ٹولہ انتہائی ڈھٹائی سے بے نظیر بھٹو کی بیماری کو نظر انداز کر رہا تھا۔

مارچ 1983ء میں دہلی میں غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس تھی اور مسز اندرا گاندھی کانفرنس کی میزبان تھیں۔ بے نظیر بھٹو کی رہائی اور پاکستان میں فوجی آمریت کی جمہوریت مخالف پالیسی کے خلاف مہم چلانے کے سلسلے میں مجھے بغداد کی طرح یہ ایک اچھا پلیٹ فارم نظر آیا۔ غیر جانبدار سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لیے میں ذرا تاخیر سے دہلی پہنچا۔ کانفرنس میں شرکت کے لیے جنرل ضیاء الحق بھی آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ آنے والے وفد میں پاکستانی صحافیوں کا ایک گروپ بھی شامل تھا۔ دہلی کے جس ہوٹل میں پاکستانی صحافی ٹھہرے ہوئے تھے میرا قیام بھی اسی ہوٹل میں تھا۔ پہلے روز بعض پرانے رفقاء سے میری ملاقات ہوئی اس کے بعد ماحول ایسا تھا جیسے ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں بلکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ اس ہوٹل پر بھی مارشل لاء کا سایہ محیط ہے۔ میرے پرانے دوست نوائے وقت کے عارف نظامی واحد شخص تھے جو بڑے تپاک سے ملتے تھے ورنہ طویل مارشل لاء کے اثرات اتنے شدید اور ناگوار تھے کہ ایک جاننے والے دانشور اور شاعر جن کی مجھ سے برسوں سے جان پہچان تھی مجھے دیکھتے ہی ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ غیر جانبدار سربراہ کانفرنس کی کوریج کے لیے ایگزیکٹو انٹیلی جینس ریویو کے جرمنی، پیرس اور بنکاک بیورو کے نمائندے بھی پہنچے ہوئے تھے۔ دوسرے دن ہمیں اطلاع ملی کہ پی ایل او کے سربراہ یاسر عرفات پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ ایگزیکٹو انٹیلی جینس ریویو کی ایک خاتون صحافی سے میں نے کہا کہ آپ یاسر عرفات سے پریس کانفرنس میں یہ پوچھیں کہ کیا آپ پاکستان میں قید اپنے دوست علی بھٹو کی بیٹی کی رہائی کے لیے جنرل ضیاء الحق سے کہیں گے مگر پھر ہمیں اطلاع ملی کہ یاسر عرفات کی پریس کانفرنس منسوخ ہو گئی ہے اور مسز اندرا گاندھی جو غیر جانبدار ملکوں کی کانفرنس کی سربراہ منتخب کی گئی تھیں، خطاب فرمائیں گی۔ میں نے اپنی دوست خاتون صحافی سے کہا کہ مسز گاندھی سے آپ یہ سوال پوچھیں کہ بے نظیر بھٹو کان کی شدید بیماری میں مبتلا ہیں کیا آپ جنرل

ضیاء سے ملاقات میں یہ کہیں گی کہ وہ بے نظیر بھٹو کو علاج کے لیے باہر جانے کی اجازت دیں۔ آپ کو اس سوال کا اچھا جواب ملے گا۔ مسز اگاندھی کی پریس کانفرنس شروع ہوئی تو اس جرمن صحافی نے دو سوالوں کے بعد یہ تیسرا سوال کر دیا۔ مسز گاندھی نے اس سوال پر انتہائی تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے انسانیت کے ناطے بیگم نصرت بھٹو کی رہائی کے لیے گزشتہ سال جنرل ضیاء سے اپیل کی تھی اور اب میں اس حیثیت میں بھی یہ سمجھتی ہوں کہ پاکستانی حکومت کو بے نظیر بھٹو کی بیماری کے سبب ان کی رہائی پر ہمدردانہ غور کرنا چاہیے۔ مسز گاندھی غیر وابستہ ملکوں کی کانفرنس کے سربراہ کی حیثیت سے پریس سے خطاب کر رہی تھیں جہاں دنیا بھر کے کئی معتبر اخبارات اور ریڈیو ٹی وی کے نمائندے آئے ہوئے تھے اور کئی انٹرنیشنل چینل تو اس کانفرنس کی لائیو کوریج دے رہے تھے۔ اب ضیاء کے ساتھ جو دیگر سرکاری ارکان آئے ہوئے تھے وہ بھونچکا رہ گئے کہ اتنی بڑی بین الاقوامی کانفرنس میں بے نظیر بھٹو کا ذکر کیسے آ گیا اس دن میں بڑا خوش تھا کہ میں جس کام کے لیے آیا تھا وہ بڑے شاندار طریقے سے پایہ تکمیل کو پہنچا غیر وابستہ ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کے اختتام کے بعد وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی رہائش گاہ پر میری ان سے مفصل اور خوشگوار ملاقات ہوئی۔ مسز گاندھی نے بیگم بھٹو کی صحت پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میری دعا ہے کہ وہ جلد اور مکمل طور پر صحت یاب ہوں۔''

مسز اندرا گاندھی نے مساوات کے لیے انٹرویو میں بھی کہا کہ پاکستان کے پہلے منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی دختر اور پاکستان پیپلز پارٹی کی رہنما بے نظیر بھٹو کی نظر بندی اور گرتی ہوئی صحت باعث تشویش ہے۔ انہیں توقع ہے کہ پاکستان کی حکومت انہیں علاج کے لیے باہر جانے دے گی! مسز اندرا گاندھی کے اس بیان سے فوجی حکومت پر بے نظیر بھٹو کی رہائی کے لیے اور بھی دباؤ پڑا اور ساری دنیا میں بے نظیر کی بیماری اور علاج موضوع بن گیا۔

جلاوطنی کے ایّام
(جنوری 1984ء سے اپریل 1986ء)

بے نظیر بھٹو کی لندن آمد:

جنرل ضیاء الحق اور اس کے فوجی ٹولے کا یہ خیال تھا کہ بیگم بھٹو پہلے ہی ملک سے باہر جا چکی ہیں، بے نظیر بھٹو کے باہر چلے جانے سے پاکستان میں عوامی جدوجہد بالکل ہی دم توڑ دے گی یوں 10 جنوری 1984ء کو بالآخر مارشل لاء حکومت نے بے نظیر بھٹو کو رہا کر دیا۔ کراچی سے وہ سوئٹزرلینڈ پہنچیں جہاں وہ اپنی بیمار والدہ کے ساتھ دو دن رہنے کے بعد 13 جنوری کو لندن کے لیے روانہ ہوئیں۔ 12 جنوری کی رات کو ہی ہمیں بے نظیر بھٹو کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ 13 جنوری کی صبح جب بے نظیر بھٹو ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچیں تو لندن کا میڈیا ان کی کوریج کے لیے پہنچا ہوا تھا۔ پیپلز پارٹی کے جلاوطن رہنماؤں، کارکنوں اور حامیوں کی بھی ایک بڑی تعداد استقبال کے لیے ایئرپورٹ پہنچ گئی تھی۔ استقبال کرنے والوں میں پارٹی رہنماؤں کے علاوہ بے نظیر بھٹو کی قریبی سہیلیاں یاسمین نیازی، وکٹوریہ سکوفیلڈ اور مس کلر ولمور بھی پھولوں کے گلدستے لیے ان کے خیر مقدم کے لیے ہیتھرو ایئرپورٹ پر موجود تھیں۔ خوشی ان کے چہروں سے چھلک رہی تھی۔

میری بے نظیر بھٹو سے سات سال بعد ملاقات ہو رہی تھی۔ جولائی 1977ء میں مارشل لاء کے فوراً بعد جب وہ اپنے بھائی شاہنواز کے ہمراہ دو روزہ دورہ پر لاہور آئی تھیں تو وہاں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ نادرہ خاکوانی کے ہاں قیام پذیر تھیں اور وہیں میں نے مشرق ویکلی لندن کے لیے ان سے ایک خصوصی انٹرویو کیا تھا اس میں انہوں نے جنرل ضیاء پر سخت تنقید کرتے ہوئے

امریکہ کو بھٹو صاحب کی حکومت کا تختہ الٹنے کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔

لندن سے میری بی بی سے فون پر بات ہوتی رہتی تھی اور مساوات ویکلی اور میڈیا کے حوالے سے ان کے بیانات وغیرہ ملتے رہتے تھے، لیکن مجھے یہ خیال بھی تھا کہ اتنے سالوں بعد شاید وہ مجھے پہچان نہ سکیں۔ عالمی ذرائع ابلاغ کے نمائندے اور فوٹوگرافر بڑی تعداد میں آ گئے تھے۔ اس لیے ایئرپورٹ انتظامیہ نے وی آئی پی روم میں پریس کانفرنس کا انتظام کر دیا۔

بے نظیر بھٹو جب اپنے علاج کے لیے لندن روانہ ہو رہی تھیں تو فوجی حکومت کے حامی اخبارات نے یہ تاثر دیا تھا کہ وہ جلاوطنی میں چلی جائیں گی اور پاکستان کبھی واپس نہیں آئیں گی۔ بے نظیر نے اپنی پریس کانفرنس کا آغاز ہی اس عزم سے کیا کہ پاکستان ہمارا وطن ہے اور ہم اپنی سرزمین پر ہی جئیں گے اور مریں گے'' میں علاج کے لیے برطانیہ آئی ہوں میرے بائیں کان میں شدید تکلیف ہے بلکہ قوت سماعت ختم ہو گئی ہے خطرہ تھا کہ دوسرے کان کی قوت سماعت بھی ختم نہ ہو جائے گزشتہ سال لاڑکانہ میں نظربندی کے دوران پتہ چلا کہ انفیکشن ہے، یہ اللہ کا احسان ہے کہ ایک مرتبہ کان میں بھرا ہوا مادہ پھٹ گیا اور پھر باہر نکل آیا اگر وہ اندر رہ جاتا تو اس سے چہرہ پر فالج ہو سکتا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ میں ضیاء کے مارشل لاء کے بعد تقریباً ساڑھے پانچ سال جیلوں میں رہی ہوں اس لیے میرا لوگوں سے براہ راست رابطہ نہیں رہا اب میں آزاد ملک کی آزاد فضا میں ہوں یہاں میں پارٹی رہنماؤں سے مشورے کے بعد آئندہ کا لائحہ عمل طے کروں گی۔ بے نظیر بھٹو یہ کہتے ہوئے انتہائی جذباتی ہو گئیں۔ ''میرے والد نے ملک کے لیے جان دی۔

والی بدنامی کے سبب مجھے رہا کرنے پر مجبورا ہوا مجھے اس فیصلے کی اچانک اطلاع دی گئی میرا پاسپورٹ مجھے جہاز میں سوار ہوتے وقت دیا گیا جب تک پرواز روانہ نہ ہوئی مجھے اپنے آزاد ہونے کا یقین نہیں تھا کیونکہ فوجی حکومت کا ارادہ کسی بھی لحہ تبدیل ہوسکتا تھا۔

پریس کانفرنس کے بعد بے نظیر بھٹو نے پارٹی کے کارکنوں اور رہنماؤں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا بے نظیر بھٹو کا بیگم بھٹو کی ہمشیرہ مسز بہجت ہریری کے فلیٹ میں قیام تھا۔مسز بہجت کا چھوٹا سا فلیٹ تھا اور باہر کارکنوں اور رہنماؤں کا ایک ہجوم تھا۔جوان سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔اپنی کان کی تکلیف کے باوجود بے نظیر نے انہیں ملاقات کا وقت دیا۔

ایک دن میں مشرق کے آفس میں تھا کہ صنم بھٹو کا فون آیا کہ بی بی صبح سے مجھے تلاش کر رہی ہیں۔بی بی نے فون لیتے ہی مجھ سے پوچھا۔کیا میں ان کے Spokesman کی حیثیت سے کام کرنا پسند کروں گا۔میرے لیے یہ ایک خوش کن پیشکش تھی اور فخر کی بات بھی۔میں نے جواب میں کہا کہ میں اپنی سی کوشش کروں گا کہ اس اہم ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھاؤں۔

شہید ذوالفقار علی بھٹو کے ذاتی معالج ڈاکٹر نصیر اے شیخ بے نظیر بھٹو کے کان کے آپریشن کے انتظامات میں مصروف تھے چند ہی دنوں بعد انہیں یوسی ایچ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا اور اگلے روز ان کے کان کا نازک آپریشن کیا گیا۔

بیگم بھٹو اپنی بیماری کے باوجود اپنی بیٹی کی محبت میں لندن چلی آئیں اور جتنے دن بے نظیر ہسپتال میں رہیں۔بیگم بھٹو ان کے سرہانے بیٹھی رہتیں۔ڈاکٹروں کا بے نظیر کو مشورہ تھا کہ وہ چھ ماہ بعد پھر آئیں اب پاکستان واپسی تو ممکن نہیں تھی۔اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ لندن میں ہی رہیں گی۔اس کے لیے لندن کے وسطی علاقے باربیکن میں فلیٹ کرایہ پر لیا گیا اور پھر یہی فلیٹ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔اسی عمارت میں ڈاکٹر ظفر نیازی اور ان کی بیٹی یاسمین بھی رہائش پذیر تھیں۔یاسمین سہیلی ہونے کے علاوہ بے نظیر بھٹو کی سیکرٹری کے امور بھی انجام دینے لگیں کچھ دنوں بعد بے نظیر کی بچپن کی سہیلی سمیعہ وحید بھی کراچی سے لندن آ گئیں اور ان کا ہاتھ بٹانے لگیں۔سمیعہ کئی ماہ تک بے نظیر کے پاس رہیں اور لندن اور لندن سے باہر جلسوں اور تقریبات میں بھی بے نظیر کے ساتھ جاتی تھیں۔دونوں میں قابل رشک بے لوث دوستی تھی پھر سمیعہ کے والد کی بیماری کے باعث انہیں اچانک پاکستان جانا پڑا۔ادھر یاسمین کی بی بی کے کزن طارق اسلام سے شادی ہوگئی جس کے بعد بے نظیر کو

پھر پارٹی ورکروں پر انحصار کرنا پڑا اور جدوجہد کے یہ ماہ وسال نیا سیاسی منظر نامہ بن گئے۔

شہید بھٹو کا پانچواں یوم شہادت:

بے نظیر بھٹو نے صحت یابی کے فوراً بعد ہی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ مارچ 1984ء کے وسط میں وہ امریکہ کے دورہ پر گئیں اور سینٹ اور کانگریس کے اہم ارکان کے علاوہ خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے چیئرمین چارلس پرسی اور دوسرے ارکان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ملک کے سیاسی حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے ریڈیو اور اخبارات کو انٹرویوز میں پاکستان میں مارشل لاء ختم کرنے اور جمہوریت کی بحالی پر زور دیا اور پاکستانیوں سے خطاب میں یقین دلایا کہ وہ پاکستان کی بقاء کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور جمہوریت بحال ہونے کے بعد مارشل لاء دور میں کی گئی ناانصافیوں کی تلافی کی جائے گی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قائدعوام کی پانچویں برسی پر بے نظیر بھٹو آزاد تھیں۔ اپریل 1979ء سے وہ مسلسل جیل میں رہیں اس لحاظ سے لندن میں پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی جناب ذوالفقار علی بھٹو کا پانچواں یوم شہادت بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ بیگم نصرت بھٹو اور بے نظیر بھٹو نے پارٹی کارکنوں اور پاکستانیوں کے ہمراہ یوم شہادت منایا۔ ویمبلے مسجد میں قرآنی خوانی کا اہتمام کیا گیا۔ اس سے قبل 4 اپریل 1979ء کو بھی قل کی تقریب ویمبلے مسجد میں ہی ہوئی تھی جس میں مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو شریک تھے۔

8 اپریل کو لندن کے فلہم کے علاقے میں واقع لندن ویسٹ ہوٹل کے ہال میں پانچویں برسی کے موقع پر جلسہ عام ہوا۔ یہ پہلا یوم شہادت تھا جس میں بیگم نصرت بھٹو اور بینظیر بھٹو کے ہمراہ پارٹی کے مرکزی رہنما شیخ رشید، عبدالحفیظ پیرزادہ، غلام مصطفیٰ کھر، ڈاکٹر غلام حسین، رانا شمیم احمد خان اور پیپلز پارٹی کے عہدیدار شریک تھے۔ یہ ایک بہت بڑا جلسہ تھا جس میں برطانیہ کے علاوہ یورپ سے بھی کارکن شریک ہوئے تھے۔

بے نظیر بھٹو نے قائدعوام کے پانچویں یوم شہادت پر اپنے پہلے تفصیلی خطاب میں کہا کہ:

''ہمارے ملک میں دو طاقتیں برسرپیکار ہیں ایک فوج اور دوسری عوام۔ دونوں ایک دوسرے کی متحارب قوتیں ہیں۔ فوج پاکستان میں حاکم اعلیٰ بن کر رہنا چاہتی ہے جبکہ عوام اس کی غلامی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ جرنیل یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی اس خواہش کو عوام پر ٹھونس سکتے ہیں اور

بطورِ آقا انہیں تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ میں ان سے یہ سوال کرتی ہوں کہ عوام تمہیں اپنا آقا کیوں تسلیم کریں جبکہ تم کسی بھی طرح برطانوی راج کی فوج سے مختلف نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہو اس لیے کہ انگریزوں نے عوام کے کسی رہنما کو قتل نہیں کیا تھا اور نہ ہی انہوں نے عوامی رہنماؤں کے ساتھ جیل میں غیر انسانی سلوک کیا تھا۔ ذرائع ابلاغ کبھی اس طرح پابند نہیں تھے جیسا کہ آج ہیں۔

14 اگست 1983ء کو شروع کی گئی بحالی جمہوریت کی تحریک میں اپنی جانوں کی عظیم قربانی دینے والے ہماری سرزمین کے عظیم سپوت ہیں، وہ شہید جمہوریت ہیں، شہید آزادی ہیں، شہید حق خودارادیت ہیں، ہم انہیں سلام کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ پوری قوم پر ان کا احسان اور قرض ہے۔ میں ان ماؤں کو سلام پیش کرتی ہوں جنہوں نے سرزمین کے ان عظیم فرزندوں کو جنم دیا اور ان کی قربانی کو جواں مردی اور ہمت سے برداشت کیا، میں ان بیویوں کو سلام کرتی ہوں جن کے شوہروں نے اپنی جانیں قربان کیں یا جو کئی سال سے جیلوں میں قید ہیں۔ میں ان تمام سے جو ہم میں خوشحال ہیں اپیل کرتی ہوں کہ ان خاندانوں کی دیکھ بھال کریں۔ جن کا کوئی کمانے والا نہیں رہا۔ یہ ایک مشکل اور کٹھن مرحلہ ہے یہ وہ وقت ہے جب ہمارا ذمہ دارانہ سماجی عمل قوم کے اتحاد کو استحکام بخشے گا اگر ہم اپنی سماجی ذمہ داریاں نبھانے میں کامیاب رہے تو عوام کی جدوجہد کے نتیجے میں جنم لینے والے سیاسی ڈھانچے کو امن اور اشتراک کے کردار کی بنیاد مل جائے گی، اور اگر ہم قربانیوں کے نتیجے میں تباہ ہونے والے افراد اور گھرانوں کی دیکھ بھال نہ کرسکے تو آنے والے کل کا سیاسی ڈھانچا تلخیوں اور رنجشوں کا کردار لے کر ابھرے گا۔

ضیاء کا جبر و تشدد عوام کے جذبے کو کچلنے میں ناکام رہا۔ دلوں اور ذہنوں کی جنگ کو سنگینوں سے نہیں جیتا جاسکتا۔ اس وحشیانہ جبر نے سیاسی صورتحال کو مزید پیچیدہ کردیا ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں ضیاء کو صرف ان ترامیم تک محدود کیا تھا جو نوّے دن میں آزاد، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کرانے کے لیے ضروری ہوں۔ ضیاء کا سلیکشن پلان عوام کی خواہشات کو رد کرنے اور انتخابی عمل کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ایک کوشش ہے۔ یہ پلان اور سب کچھ تو ہوسکتا ہے مگر آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات منعقد کرانے کا پلان ہرگز نہیں ہوسکتا۔ وہ عدالت جس نے نظریہ ضرورت ایجاد کیا تھا اس وقت موقوف کردی گئی جب ضیاء نے 1973ء کا آئین منسوخ کرتے ہوئے عارضی آئینی آرڈر نافذ کیا۔

آئین، قانون اور انتخابی عمل کی اس مکمل خلاف ورزی کا تمام تر مقصد صرف یہ ہے کہ انتخابات کے نام پر ضیاء عوام دشمنوں کے ایک ایسے گروہ کو جمع کر سکے جو لامحالہ اپنے سے بڑے مکار اور عوام دشمن ضیاء کو اپنا سرغنہ اور صدر بنا سکیں۔ اگر انتخابات کے اس ناٹک کا نتیجہ موجودہ حکومت کا جاری وساری رہنا ہی مقصود ہے تو عوام کے پاس اس کی پذیرائی کے لیے نفرت اور بیزاری کے علاوہ کچھ نہیں۔ آج انہوں نے ایک سپاہی کا وہ کردار جو مقدس مقاصد کے لیے جہاد کیا کرتا تھا ختم کر دیا ہے آج ان کے مقاصد، قتل وغارتگری، جبر وتشدد، دولت کے انبار جمع کرنا، معاشرے کو بدکردار بنانا اور پاکستان کے وفاقی اتحاد کا شیرازہ بکھیرنا ہیں۔ سات سال کے بعد اب پاکستان کی تمام اہم سیاسی جماعتیں 1973ء کے آئین کو اسلامی آئین تسلیم کر رہی ہیں۔ ہم ان سیاسی جماعتوں کے اس اصولی حب الوطنی پر مبنی حقیقت پسندانہ موقف کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ پوری قوم کا 73ء کے آئین پر مکمل اعتماد ہے۔ اسلام کے نام پر ضیاء کے غاصبانہ قبضے نے بالآخر اس کے دعووں کا پول کھول دیا ہے مگر عوام ضیاء کو کبھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اسلام کو ایک جمہوریت دشمن، انسانی حقوق کا مخالف اور شہری وسیاسی غاصب کے طور پر پیش کر سکے۔

4 اپریل 1979ء کی رات کو پاکستان کے یزید نے ہماری تاریخ کے حسین کو پھانسی دے دی ہم اپنے کربلا میں سے گزرے، ہم نے غاصبیت پر مبنی ریاستی ڈھانچے کو تشکیل پاتے اور جبر وتشدد کے بل بوتے پر اسے قائم رہتے دیکھا ہے۔

میں! بھٹو شہید کی بیٹی

میں! جو 4 اپریل کے زخم کے بعد بھی موجود ہوں۔ شہید بابا کی روح اور پاکستان کے عوام سے عہد کرتی ہوں کہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور وقت، غاصبیت کے خلاف قانون، باطل کے خلاف حق اور بدی کے خلاف نیکی کی فتح کے لیے وقف کر دوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس عہد میں شامل ہوں کہ ہم اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور پاکستان کے یزید کا تختہ الٹ کر دم لیں گے، مادر وطن کو غاصبیت اور مارشل لاء کے تازیانوں سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائیں گے۔

بھٹوشہید کے 57ویں یومِ ولادت پرسیمینار میں خطاب:

5 جنوری 1985ء کو کانوائے ہال لندن میں ذوالفقار علی بھٹوشہید کے یومِ ولادت پر ایک سیمینار منعقد ہوا، جس میں بھٹوشہید کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت کے بارے میں مختلف مقالے پڑھے گئے۔

اس سیمینار میں برطانیہ کے علاوہ امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک سے وفود آئے۔ حفیظ پیرزادہ، ڈاکٹر نصیر اے شیخ، شاہد ندیم، ڈاکٹر فیروز احمد، نصیر شاہ نے سیمینار سے خطاب کیا، سیمینار کا موضوع ''بھٹوشہید کی شخصیت اور پاکستان کے حالات'' تھا۔ تمام مقررین نے اپنے مقالوں میں انہی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

بے نظیر بھٹو نے صدارتی خطاب میں کہا کہ پاکستان کے عوام نے ریفرنڈم میں عدم شرکت سے پختہ سیاسی شعور کا ثبوت دیتے ہوئے آمریت اور رجعت پسندوں کو مسترد کر دیا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اس خیال کو غلط قرار دیا کہ بھٹوشہید کے آخری سالوں میں ان کا عوام سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ بھٹوشہید کا عوام سے رشتہ کبھی نہیں ٹوٹا اگر ایسا ہوتا تو آج لوگوں کو ان سے والہانہ عقیدت نہ ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں کے لوگ پارٹی سے علیحدہ ہو گئے، لیکن جو بھی پارٹی سے الگ ہوا، وہ ایسے قمقمے کی طرح تھا جو بجلی کے بغیر روشن نہیں ہو سکتا جب بھٹوشہید کو پھانسی ہو رہی تھی تو پارٹی کے لیڈر کہاں تھے؟ ہم دیکھتے رہے کہ بھٹوشہید کو بیرونی ممالک آ کر بچائیں گے، لیکن انہیں صرف عوام بچا سکتے تھے، آج بھی اگر جمہوریت بحال ہوگی تو عوام ہی کی بدولت ہوگی اور ہمیں دوسرے ملکوں کی بجائے اپنے عوام کی طرف دیکھنا چاہیے کیونکہ ملک میں جمہوریت پاکستان کے عوام ہی لائیں گے۔

بھٹوشہید کا یومِ ولادت ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے ہم ان کی ان خدمات کو بھی یاد کریں۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھٹوشہید نے تیسری دنیا کے مسائل کو اجاگر کرنے اور انہیں یکجا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے مصر کے صدر جمال عبدالناصر اور انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو کے ساتھ باہمی تعلقات کو بڑھایا جس کے نتیجے میں 1965ء کی ہندو پاک جنگ میں انڈونیشیا نے پاکستان کی اخلاقی اور مادی امداد کی۔ بھٹوشہید نے اسی دور میں افغانستان کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے کی

کوشش کی اور آر سی ڈی کے تحت ترکی کے ساتھ پاکستان کے رشتے مزید استوار کیے، نو آبادیاتی نظام اور جنوبی افریقہ کی نسل پرست پالیسیوں کے خلاف پاکستان کا نقطہ نظر مضبوط بنایا، برطانیہ اور امریکہ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیے۔ اس دور میں بھٹو شہید نے پاکستان کو ایک طفیلی ریاست کے دائرہ سے نکال کر ایک اصول پرست ریاست کا مقام دلایا۔ نوے ہزار جنگی قیدی اور پانچ ہزار مربع میل کا علاقہ بھارتی فوجوں کے قبضہ میں تھا جس کے لیے رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے بھٹو شہید نے کابل، ایران، مشرقِ وسطیٰ اور چین کے دورے کیے اور ان کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شملہ معاہدہ بھٹو شہید ہی کا کارنامہ تھا۔ فرانس کے ساتھ ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کسی سنسنی خیز داستان سے کم نہیں تھا۔ 1973ء میں بھٹو شہید نے فرانس کے صدر پامپیدو کے ساتھ مذاکرات شروع کیے تھے جن کو مکمل ہونے میں تین سال لگے۔ صدر پامپیدو کی وفات کے بعد مستر دیستاں نے وہ معاہدہ جاری رکھا لیکن یہ معاہدہ کئی لوگوں کو کھٹکتا تھا۔ ہنری کیسنجر کا بھٹو شہید کو ''خوفناک مثال'' بنانے والا جملہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ بھٹو شہید ایک روشن ستارے کی طرح تھے ہم ان کے اصولوں کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

برمنگھم میں قائدِ عوام کی چھٹی برسی کی تقریب میں خطاب:

بے نظیر بھٹو نے قائدِ عوام ذوالفقار علی بھٹو کے چھٹے یوم شہادت پر برمنگھم کے ڈگبتھ ہال میں پاکستانیوں اور کشمیریوں کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج صرف چیئرمین بھٹو شہید کا یوم شہادت نہیں بلکہ ہمارے سارے شہیدوں کا یوم شہادت ہے، جنہوں نے قائد کی طرح اپنے لہو سے جدوجہد کا چراغ روشن کیا ہے۔ زمین اپنے مدار سے ہٹ سکتی ہے مگر شہیدوں، غازیوں اور مجاہدوں کی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی اپنی جدوجہد سے نہیں ہٹے گی ہم اپنے شہیدوں کے لہو اور شہداء کی قربانیوں کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے، ہم اپنے شہید کے خون کی سرخی سے پاکستان کی نئی تاریخ اور قوم کی نئی تقدیر لکھیں گے اور ملک توڑنے کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

فوجی جنتا آئین توڑ تو سکتی ہے لیکن اسے بنا نہیں سکتی، فوجی آمر ملک توڑ تو سکتا ہے لیکن اسے متحد نہیں رکھ سکتا، مارشل لاء عوام سے دشمنی تو کر سکتا ہے مگر دوستی نہیں۔ عوام جنرل ضیاء کی

حقیقت پہچانتے ہیں۔عوام نے مارشل لاء کے خلاف بڑی جدوجہد کی ہے اور بڑے ظلم سہے ہیں لیکن وہ تنہا نہیں بھٹو شہید کی انقلابی پارٹی ان کے ساتھ ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی عوام کا ہراول دستہ ہے جتنی قربانیاں ہمارے کارکنوں نے دی ہیں وہ برصغیر کی تاریخ میں ایک ریکارڈ ہے۔آج اس عظیم سپوت کا یوم شہادت ہے جس پر تاریخ ہمیشہ ناز کرے گی جس عظیم انسان نے پاکستان کے مزدوروں اور بے نواؤں کے سر بلند کیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ آج اس عظیم رہنما کا یوم شہادت ہے جس نے سندھ کے مظلوم ہاریوں، سرحد کے دیہاتیوں، پنجاب کے کسانوں اور بلوچستان کے چرواہوں کی مدد کی جس نے کشمیر کے لیے آواز بلند کی اور اپنی زندگی کو تختہ دار پر رکھ دیا جسے صرف اس لیے قید کر دیا گیا کہ اس نے عوام کے شعور کے لیے کام کیا اور انقلاب کی چنگاری سلگانے کی کوشش کی آج اس عظیم مجاہد کا یوم شہادت ہے جس نے سر دے دیا لیکن جھکایا نہیں۔

جب ہمارے قائد نے سر نہیں جھکایا تو ہم بھی اصولوں کے لیے مر مٹیں گے جس انقلابی مشن کا انہوں نے آغاز کیا تھا اس مشن کی تکمیل ہم کریں گے۔ انقلاب کا جو جھنڈا انہوں نے سر بلند کیا ہم اسے کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیں گے جس سفر کی ابتداء انہوں نے کی اور جو راہ دکھائی اسے کبھی نہیں بھولیں گے۔اے غاصبو یاد رکھو جب تک پاکستان میں ایک غریب بھی زندہ ہے پاکستان پیپلز پارٹی کبھی ختم نہیں ہوگی ہر غریب کی جھونپڑی پاکستان پیپلز پارٹی کا دفتر ہے، جب تک پاکستان میں ایک ماں بھی زندہ ہے پاکستان پیپلز پارٹی ختم نہیں ہوگی اس لیے کہ پارٹی پرچم ان کا آنچل ہے جب تک پاکستان میں ایک مظلوم بھی زندہ ہے چیئرمین بھٹو کا نام زندہ رہے گا، ہر مظلوم کا گھر چیئرمین بھٹو کا گھر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر محنت کش، مزدور، کسان اور نوجوان بھٹو ہے، آج پورا پاکستان بھٹو ہے۔"

انہوں نے مارشل لاء کی مخالفت کرنے والے صحافیوں، دانشوروں اور اہل علم کو یقین دلایا کہ پارٹی ان سے انصاف کرے گی اور ان کا حق دلایا جائے گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی ان کے ساتھ ہے۔ ہماری منزل ایک ہے، ہمارا راستہ ایک ہے، ہمارا سفر ایک ہے۔

ڈگبتھ ہال کا یہ جلسہ سب سے بڑا تھا جس میں مختلف شہروں سے کارکن اور پاکستانی شریک ہوئے۔ 1969ء میں برمنگھم کے ٹاؤن ہال میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کیا تھا۔اس وقت برمنگھم میں سب سے بڑی پہلی جامع مسجد زیر تعمیر تھی۔ انہوں نے اس

وقت یہ اعلان کیا تھا کہ اگلی مرتبہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کریں گے۔اپریل 1985ء کو ان کی بیٹی بےنظیر جامع مسجد گئیں مسجد کے منتظم نے انہیں بتایا کہ بھٹو صاحب نے برسر اقتدار آنے کے بعد مسجد کے لیے پانچ لاکھ روپے کا عطیہ دیا تھا۔

گلاسگو میں خطاب:

پاکستان پیپلز پارٹی کے کسی رہنما نے اسکاٹ لینڈ کا دورہ پہلے نہیں کیا تھا۔فوجی حکومت کے حلقوں کو یہ خوش فہمی تھی کہ انگلینڈ کے برعکس اسکاٹ لینڈ میں پیپلز پارٹی کا وجود نہیں ہے۔فوجی جنتا کے کٹھ پتلی وزیر،مشیر اور سفارتکار اس خوش فہمی میں تھے کہ اسکاٹ لینڈ پاکستان پیپلز پارٹی کے اثر ورسوخ سے ''محفوظ'' ہے۔بےنظیر بھٹو 15 ستمبر کی شام پانچ بجے ابر آلود موسم میں گلاسگو ایئرپورٹ پہنچیں تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا اسی شام ''ہالیڈے ان'' میں انسانی حقوق کی کونسل برائے پاکستان وکشمیر نے ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں مقامی ارکان پارلیمنٹ اور سٹی کونسل کے ارکان بھی مدعو تھے۔

انسانی حقوق کی کونسل برائے پاکستان وکشمیر کا یہ عشائیہ بے حد اہمیت کا حامل تھا کیونکہ مقامی ارکان پارلیمنٹ اور سٹی کونسلروں کے درمیان شہید ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی اور آکسفورڈ اسٹوڈنٹس یونین کی صدر ہی موجود نہیں تھیں بلکہ پاکستانی مہمانوں کو بھی پاکستان کی اس رہنما سے ملنے کا موقع ملا جس نے کئی سال مارشل لاء کی قید میں بسر کر کے تمام دنیا سے اپنی بہادری کا لوہا منوایا۔مقامی مہمان ضیاء آمریت میں ہونے والے تشدد اور اذیتوں سے بھی پوری طرح آگاہ نہیں تھے بےنظیر بھٹو نے پہلی بار انہیں مارشل لاء کا بدترین اور بھیانک چہرہ دکھایا اور بتایا کہ ''پاکستانی عوام کا پاکستان کے بارے میں تصور پاک سرزمین تھا۔انہوں نے سیاسی،اقتصادی اور سماجی حقوق کے جو خواب دیکھے تھے جنرل ضیاء نے انہیں تباہ کر دیا ہے ہم سیاسی آزادی،انسانی حقوق اور احترام آدمیت کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ہم شہید بھٹو کے پیروکار ہیں ہم نے سات سال تک مارشل لاء کا مقابلہ کیا ہے،مصائب برداشت کیے ہیں اور ہم پاکستان کے عوام کے حقوق کا تحفظ کریں گے جس طرح بھٹو شہید نے سر نہیں جھکایا اس طرح ہم بھی فوجی آمریت کے مظالم کے آگے سر نہیں جھکائیں گے،ہم انسانی حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں۔پاکستان میں کس طرح عوام کو ظلم وتشدد کا

نشانہ بنایا گیا۔ انہیں بغیر اطلاع کے گرفتار کر کے سالوں تک جیل میں رکھا جاتا ہے اور پھر اس میں بلا جواز توسیع کر دی جاتی ہے، خود مجھے آج تک یہ علم نہیں کہ مجھے اتنے سال تک کیوں قید میں رکھا گیا۔ ہمارے ہزاروں کارکن آج تک جیلوں میں بند ہیں اور انہیں اپنے جرم کا علم نہیں۔ پاکستان کے حالات بے حد بھیانک ہیں عورتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا ہے، بے گناہوں کو انصاف مہیا کیے بغیر فوجی عدالتیں پھانسی دے رہی ہیں۔ ادریس بیگ اور عثمان غنی فوجی جنتا کے انتقام کا تازہ شکار ہیں۔ ان کا یہی گناہ ہے کہ وہ مارشل لاء کے خلاف تھے اور انہوں نے پاکستان میں احترام آدمیت کا خواب دیکھا تھا۔"

گلاسگو کے ارکان پارلیمنٹ نے بے نظیر بھٹو کو یقین دلایا کہ ضیاء آمریت کے خلاف جدوجہد میں وہ ان کے ساتھ ہیں۔ لیبر رکن پارلیمنٹ اور سابق وزیر مسٹر بکن نے کہا کہ ضیاء کے مظالم کے خلاف احتجاج اور عملی کارروائی کرنی چاہیے۔ آج پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے خلاف چلّی کی طرح احتجاج کرنا ضروری ہے۔

ٹوری رکن پارلیمنٹ مسز میکالنی نے سیاست میں ایک عورت کی حیثیت سے پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئر مین کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہادری کے ساتھ قید کی صعوبتیں برداشت کر کے سرخرو ہوئی ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا کہ وہ ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز بلند کر رہی ہیں تا کہ ضیاء کے خلاف احتجاج کو موثر بنایا جائے۔ لارڈ پروسٹ کے نمائندے مسٹر جم میکرن نے گلاسگو کے شہریوں کی طرف سے یقین دلایا کہ ان کی سیاسی جماعت ان کی مکمل حمایت کرتی ہے اور ہم آپ کے کاز کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔

لیبر پارٹی کے تجارت وصنعت کے شیڈو وزیر مسٹر جان اسمتھ نے جو بعد میں لیبر پارٹی کے لیڈر چنے گئے، بے نظیر بھٹو کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی پاکستان میں مارشل لاء کا جمہوری بدل ہے اور ان کی پارٹی ضرور برسر اقتدار آئے گی۔

16 ستمبر کے دن کا پروگرام بے حد مصروف تھا۔ شام کو پاکستان پیپلز پارٹی گلاسگو کے زیر اہتمام گاون ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ عام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس جلسہ عام میں لارڈ نیل کارمیکل، یورپی پارلیمنٹ کی رکن مسز جینی بکن اور لیبر پارٹی کی مجلس عاملہ کے اہم عہدیدار مسٹر پیٹرک لالی بھی مدعو تھے، ٹاؤن ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا گلاسگو کی تاریخ میں اس سے قبل اتنا بڑا

جلسہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

بے نظیر بھٹو نے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی، مارشل لاء کے خاتمہ اور جمہوریت کی بحالی تک ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔'' ''آئین'' پارلیمنٹ اور عوام کی امانت ہے۔ مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ یقین ہے کہ اس ملک پر اللہ تعالیٰ کے نمائندے عوام ہیں۔ فوجی حکومت نے پارلیمنٹ اور عوام کی امانت کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان کے نزدیک آئین بارہ صفحات کا کتابچہ ہے جسے پھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے۔ میں نے ایک تقریر میں جب یہ کہا کہ فوجی جرنیل شہید بھٹو کو قتل کر کے عوام کی امیدوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو تین دن بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا جس طرح مارشل لاء کے تحت انہیں نظر بند رکھا گیا اسی طرح دوسرے سیاسی قیدی جیلوں میں رکھے جا رہے ہیں۔

پیٹر برا میں خطاب:

گلاسگو کے بعد بے نظیر بھٹو نے 13 اکتوبر پیٹر برا میں پاکستانیوں اور کشمیریوں کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کے دوران کہا کہ ''میں شہید بھٹو کی ادنیٰ کارکن ہوں، جو بھٹو شہید کی پالیسیاں تھیں وہی میری پالیسیاں ہوں گی۔ پیپلز پارٹی کو یہ فخر ہے کہ اس کے دور میں کسانوں میں زمین تقسیم کی گئی، انہیں زمین کے علاوہ بینکوں سے بیج، پانی، ٹریکٹر اور کھاد کے لیے قرضے دیئے گئے، سہولتیں دی گئیں، ہم آئندہ بھی کسانوں میں زمین تقسیم کریں گے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہماری پارٹی تانگے والوں، ریڑھی والوں کی پارٹی ہے، غریب عوام کی پارٹی ہے۔ شہید بابا نے عوام کی خاطر جان قربان کی وہ ملک کے لیے شہید ہو گئے، پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے اگر قربانیاں دیں۔ سندھ کے عوام نے اگر جانیں دیں، پورے ملک میں کارکن فوجی آمریت کے خلاف جدوجہد میں اگر قربانیاں پیش کر رہے ہیں تو وہ ملک اور عوام کی خاطر کر رہے ہیں، ظلم و استحصال کے خلاف کر رہے ہیں ہم عوام کی حاکمیت پر یقین رکھتے ہیں ملک پر حکومت کرنے کا حق صرف اور صرف عوام کو ہے، فوجی حکمرانوں کو نہیں، فوجی حکومت نہ تو عوام کے مسائل سمجھ سکتی ہے اور نہ ہی انہیں حل کر سکتی ہے ظالم و جابر فوجی حکمران پاکستان میں ظالمانہ طبقات کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں، سرمایہ داروں

اور استحصالیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں وہ اسی لیے شہید بھٹو کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔فوجی حکمرانوں کو یقین تھا کہ بھٹو شہید کو راستے سے ہٹا کر ہی فوجی حکومت قائم رکھی جاسکتی ہے ظلم روا رکھا جاسکتا ہے، استحصال وظلم کیا جاسکتا ہے، شہید بھٹو کا یہ بھی جرم تھا کہ انہوں نے شملہ جا کر نوے ہزار فوجی اور بہت بڑا علاقہ آزاد کرایا وہ جب شملہ گئے تھے تو ان کے پاس عوام کے اعتماد کا ووٹ تھا۔ یہی وہ عوام کی طاقت تھی جس کے بل بوتے پر انہوں نے اپنے فوجی اور زمین واپس لی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ شملہ میں وہ رات کو پلنگ پر نہیں سوئے تھے، انہوں نے کہا تھا کہ اگر میرے فوجی بھارت کی قید میں زمین پر سوتے ہیں تو میں بھارت میں آکر پلنگ پر کیسے سوسکتا ہوں۔

آج پاکستان جس بحران کا شکار ہے اسے فوجی حکومت حل نہیں کرسکتی اسے عوام کی طاقت کے ذریعے ہی حل کیا جاسکتا ہے ملک کو غریب عوام نے ہی بنایا تھا اور وہی اسے بچاسکتے ہیں۔ ہمیں فخر ہے ان ماؤں پر اور اس سرزمین پر جس نے ایسے سپوت پیدا کیے جو پھانسی پر چڑھتے ہوئے بھی بھٹو شہید کے نعرے لگاتے ہیں اور سر نہیں جھکاتے۔میرے شہید والد نے ایک کاز کے لیے جان کی قربانی دی ہے اور فوجی حکومت ان کے اس کاز کو ختم نہیں کرسکتی۔ میں پاکستان میں حکومت کے سیاسی مخالفین کے خلاف انتقامی کارروائیوں سے مغربی دنیا کو آگاہ کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔"

ٹیلیگراف نے ایک نوٹ میں لکھا کہ مس بھٹو نے جنرل ضیاء اور اس کی فوجی حکومت کے اقتدار پر قابض ہونے کے بعد بہت سے مصائب ومشکلات برداشت کی ہیں لیکن اس اذیت نے ان کے اس عزم کو اور مضبوط کیا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت اور شہری آزادیاں بحال ہوں اور ملک انتقامی کارروائیوں سے پاک ہو اور اگر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات ہوں تو آکسفورڈ کی گریجویٹ 31 سالہ بے نظیر بھٹو پاکستان کی آئندہ وزیراعظم ہوں گی۔

لندن اسکول آف اکنامکس میں خطاب:

بے نظیر بھٹو نے لندن اسکول آف اکنامکس میں زیر تعلیم پاکستانی طلباء کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "میں شہید بھٹو کی بیٹی ہوں اور میں نے شہید بابا سے یہ عہد کیا ہے کہ میں اپنی تمام صلاحیتیں اور وقت عدل وانصاف اور حق وصداقت کو ظلم واستبداد اور غاصب پر غالب لانے کے لیے وقف کروں گی۔اس عہد میں آپ بھی میرے ساتھ شامل ہیں۔ہم بڑی سے بڑی

قربانی دے کر پاکستان کے بدترین ڈکٹیٹر کا تختہ الٹ کر مادرِ وطن کو غاصب اور مارشل لاء کی لعنت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائیں گے۔حکومت عوام کے غیظ وغضب سے لرزاں اور خوفزدہ ہے۔ حکومت کو اپنی غیر مقبولیت کا بھی احساس ہے۔ مارشل لاء حکومت کی بوکھلاہٹ کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اعلان کیا گیا کہ جو شخص ریفرنڈم کی مخالفت کرے گا اسے تین سال قید اور 30ہزار پونڈ جرمانہ کیا جائے گا۔

یہ اقتدار کا کھیل نہیں، بائیکاٹ کا کوئی کھلونا نہیں۔سنو جنرل ضیاء! تمہارے لیے اقتدار حاصل کرنا آسان تھا، بہ نسبت اقتدار دینے کے۔تمہارے لیے یہ اقتدار ہے، لیکن ہمارے لیے ایک نصب العین ہے۔ یہ ایک مشترکہ نصب العین ہے، جو خاک وخون، آنسوؤں، استحصال زدہ غریبوں کی جھونپڑیوں اور قدیم تہذیب کے سایوں سے ابھرا ہے عوام میں تبدیلی کی تڑپ اور اضطراب موجزن ہے۔

''یہ ملک کی کایا پلٹنے اور عوام کے مقدر کو سنوارنے کی جدوجہد ہے۔تاریخ اقوام کے عروج وزوال کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ یونانی حکمرانوں نے عروج وزوال دیکھا ہے، روما کے حکمران عروج وزوال سے گزرے ہیں، نپولین نے نشیب وفراز کا مزا چکھا، تاجِ انگلستان نے عظمت وتنزلی کا دور دیکھا تو کیا چشم فلک نے نہیں دیکھا کہ پاکستان کا وفاق فوجی حکمرانوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا یہ بات ان تمام لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جنہیں پاکستان سے محبت ہے۔رنگ، نسل، عقائد ونظریات، مذہبی تضادات اور سیاسی وابستگیوں سے ماوراسب کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ غور کریں کہ وہ کدھر جارہے ہیں؟''

لنکنز انز میں یوم پاکستان کی تقریب سے خطاب:

بےنظیر بھٹو نے 23مارچ 1985ء کو بیرسٹرز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام لنکنز انز کے اولڈ ہال میں یوم پاکستان کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اس ہال سے پاکستان کی کئی یادیں وابستہ ہیں۔اس سے وابستہ قائداعظم محمد علی جناح اور قائدعوام ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کے فوجی حکمران نے چند دن تک اپنی ہی نامزد اسمبلی کے اجلاس کا بھی انتظار نہ کیا اور 1973ء کے آئین میں یکطرفہ ترامیم سے اسے عملی طور پر ختم کردیا

یہ ترامیم ضیاء کی اپنی منتخب کردہ اسمبلی کی توہین ہے اسی طرح وفاقی کابینہ اور صوبائی وزراء کے تقرر کے اختیارات اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں۔ 1973ء کا آئین بحال کیا جاتا تو آج ملک میں مارشل لاء نہ ہوتا، فوجی عدالتیں نہ ہوتیں، عدلیہ آزاد اور منتخب پارلیمنٹ ہوتی۔ سیاسی پارٹیوں کے حصہ لینے سے انتخابات ہوتے بنیادی انسانی حقوق بحال ہوتے اور نوجوانوں کو پھانسی پر نہ لٹکایا جاتا۔ فوجی حکمرانوں نے اسلام کے نام پر اسلام کا استحصال کیا، جمہوریت کے نام پر جمہوریت کو ختم کیا اور بالآخر 1973ء کے آئین کی بحالی کے نام پر اسی آئین کو ختم کیا جو صرف ایک شخصی اور فوجی آئین رہ گیا ہے اور اس نئے حکم سے اس نے تمام اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے ہیں اور عوام کی بالادستی کو ختم کر دیا ہے۔ 1973ء کے آئین میں عوام کو ان کے بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی جواب موجود نہیں ہے اور وہ لوگوں کو نصف شب میں گرفتار کرنے کا سلسلہ جار رکھے گا اور فوجی عدالتوں میں مقدمے چلا کر پھانسی کی کوٹھڑی میں مقید رکھے گا جو غیر آئینی انصاف اور اخلاقی وتہذیب کے منافی ہے۔

اسٹارزبرگ میں پریس کانفرنس:

جون 1985ء میں بے نظیر بھٹو یورپین پارلیمنٹ کے لیبر ارکان کی دعوت پر اسٹارزبرگ گئیں۔ انسانی حقوق کے شعبہ کے سربراہ نے ان کے اعزاز میں عشائیہ دیا، محترمہ بے نظیر بھٹو نے یورپین پارلیمنٹ کے ارکان کو پاکستان کی سیاسی صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے مغربی ممالک پر زور دیا کہ وہ پاکستان میں جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی کے لیے پاکستان کے فوجی ڈکٹیٹر پر دباؤ ڈالیں۔ مغربی ممالک کے اپنے مفادات کا یہی تقاضا ہے کہ پاکستان میں انتخابات کے ذریعے عوامی حکومت ہو۔

بے نظیر بھٹو نے اسٹارزبرگ میں 13 جون کو پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ 5 جولائی 1977ء کی رات کو پاکستان کے مقبول اور منتخب وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد جنرل ضیاء نے آٹھ سال گزرنے کے بعد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات نہیں کروائے، فروری 1985ء میں جنرل ضیاء نے خودساختہ اصولوں کے تحت اپنی طرز کے انتخابات کروائے۔ جن میں سیاسی پارٹیوں پر پابندی تھی اور ممتاز سیاسی مخالفین انتخابات میں حصہ نہیں لے

سکتے تھے۔ پاکستان کے جمہوری اور نمائندہ آئین کے بارے میں تو ضیاء نے کہہ دیا تھا کہ یہ بارہ صفحوں کی کتاب ہے جسے میں پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہوں۔ ملک کی یہ بنیادی دستاویز چاروں وفاقی اکائیوں کے اتحاد کی ضمانت تھی، اس کی جگہ فوجی آئین آمریت کی جڑیں مضبوط کرنے اور لوگوں کے حقوق کا مسلسل استحصال کرنے کا آلہ کار ہے۔ انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کا کوئی تحفظ نہیں نہ سیاسی سرگرمیوں کی آزادی ہے اور نہ سول عدالتیں بااختیار ہیں نہ صرف مارشل لاء جاری ہے بلکہ فوجی عدالتیں بھی کام کر رہی ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دوسری انسانی حقوق کی تنظیموں نے مارشل لاء کے جبر وتشدد اور وحشیانہ کارروائیوں کا ریکارڈ مرتب کیا ہے۔ ملک کے منتخب وزیراعظم کے عدالتی قتل سے حکومت کا آغاز کرنے کے بعد پیپلز پارٹی کے کئی نوجوان کارکنوں کو پھانسی دے گئی ہے۔ نئے آئین اور پارلیمنٹ کا آغاز ہوتے ہی ناصر بلوچ جیسے بہادر ٹریڈ یونین رہنما کو پھانسی چڑھا دیا گیا جو پیپلز پارٹی کا حامی تھا۔ اس کے بعد ایک اور پارٹی کے حامی ایاز سموں کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ جب دنیا کا ضمیر نسل پرستی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف بجا طور پر جاگتا ہے تو اس ضمیر کو اس ملک کی فوجی عدالتوں سے کیے گئے قتل پر آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔

برلن میں جلسہ عام سے خطاب:

24 نومبر 1984ء میں اپنے دورہ مغربی جرمنی کے آغاز پر جونہی بے نظیر بھٹو برلن ایئر پورٹ کی لاؤنج میں آئیں تو وہاں پر جمع پاکستانیوں نے اپنی قائد کا استقبال پرجوش نعرے لگا کر کیا یہ منظر پاکستان کے استقبال کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ برلن ایئر پورٹ کی فضا چیئرمین بھٹو شہید زندہ باد، پاکستان پیپلز پارٹی زندہ باد، قوم کی تقدیر بے نظیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی وہاں پر موجود سیاح اور مقامی لوگ اس والہانہ استقبال پر محوحیرت تھے، ان کے بقول برلن نے اتنا شاندار استقبال نہیں دیکھا، ہر پاکستانی بے نظیر کی جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھا اور پولیس نے بڑی مشکل سے انہیں کار تک پہنچایا۔ بے نظیر سیدھی جلسہ گاہ میں پہنچیں تو ہال زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگا۔ انہوں نے شہید ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کا نعرہ لگا کر تقریر کا آغاز کیا اور ہال میں کئی منٹ تک یہ نعرے لگتے رہے، جیوے جیوے بھٹو جیوے۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد، بے نظیر بھٹو

زندہ باد کے نعرے رکے تو بے نظیر نے کہا "آپ میرے نام کا نعرہ نہ لگائیں اگر آپ مجھے خوش کرنا چاہتے ہیں عوام کے لیڈر شہید ذوالفقار علی بھٹو ہی کا نعرہ لگائیں ہم سب کو ہمت اور بہادری شہید ذوالفقار علی بھٹو سے ہی ملی ہے جو ہماری زندگی کی قوت ہے۔ وہ شہید کی ذات ہے شہید ہمیں طاقت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شہید کو شہادت دی، مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی، آپ کی دعاؤں اور شہید کی قوت سے، ہم سب مشکلوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں پاکستان میں جلسے جلوس پر پابندی ہے، کارکنوں سے ملاقات پر پابندی ہے اور خاص کر مجھ پر یہ پابندی زیادہ تھی اس لیے میں آپ میں سے بہت کم لوگوں کو پاکستان سے جانتی ہوں۔ میرے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ کون وہاں کا کارکن ہے اور کون یہاں آ کر کارکن بنا ہے اگر کوئی معاشی مجبوری سے یہاں آیا ہے اس نے پارٹی کا نام لیا اور کارکن بنا تو وہ بھی ہمارا بھائی ہے۔ اس لیے کہ پیپلز پارٹی غریبوں کی جماعت ہے اگر کوئی سیاسی تکلیف سے یہاں آیا تو وہ ہم میں سے ایک ہے، وہ ہمارا پرانا ساتھی ہے لیکن مسئلہ یہ نہیں کہ نیا کون اور پرانا کون ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ جدوجہد کون کرتا ہے مسئلہ یہ نہیں کہ وہ کل کیا تھا؟ مسئلہ یہ ہے کہ آج وہ کیا کرتا ہے؟ میں دور سے پہچان سکتی ہوں کہ کون پارٹی کا کارکن ہے اس لیے کہ پارٹی کا کارکن خواہ ملک کے اندر ہو یا ملک سے دور اس کی آنکھوں میں ایک ہی تصویر ہوگی اور وہ تصویر ہے چیئر مین بھٹو شہید کی اس کے ہونٹوں پر ایک ہی نعرہ ہوگا اور وہ نعرہ ہے پاکستان پیپلز پارٹی زندہ باد کا! پاکستان زندہ باد کا، اس کی ایک ہی کوشش ہوگی اور وہ کوشش ہے جمہوریت کی بحالی، آئین کی اور ملک کو بچانے کے لیے کوشش۔ جرنیلوں نے اس ملک کو کھیل بنا دیا اس ملک کو تجربہ گاہ بنا دیا ایوب خان آیا تو اس نے تجربہ کیا اس نے بنیادی جمہوریت کا تجربہ کیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ الیکشن کی بجائے سلیکشن اور اسمبلی اس کے نیچے ہوتا کہ وہ خلیفہ بنا رہے پھر یحییٰ خان آیا اس نے انتخابات تو کرائے لیکن انتقال اقتدار نہ کیا۔ انہوں نے پاکستان کا انتقال کر دیا آپ کو یاد ہوگا ادھر فوج کو شکست ہو چکی تھی، پاکستان ٹوٹ چکا تھا مگر یحییٰ قوم کو خوشخبری سنا رہا تھا کہ میں نے نیا آئین بنا دیا چونکہ بھٹو شہید زندہ تھے وہ میدان میں نکلے، انہوں نے ملک بچایا، انہوں نے قوم کو فوج کے تجربے سے بچایا مگر باقی پاکستان کو ختم کرنے کے لیے جنرل ضیاء نے مارشل لاء لگایا اب وہ تجربہ کرنا چاہتا ہے یہ شخص جس نے ملک کے وزیر اعظم کو قتل کیا، یہ شخص جس نے آئین کو قتل کیا، یہ شخص جس نے جمہوریت کو قتل کیا، یہ شخص جس نے ملک کو مذبح خانہ بنا دیا یہ شخص جس

نے ایوب خان اور یحییٰ خان کو بھی شرما دیا، یہ شخص الیکشن کے نام پر سلیکشن کرنا چاہتا ہے اس کا پلان ہے کہ عوام کی بجائے فوج اسمبلی کو سلیکٹ کرے اس پلان کے مطابق فوج چاہے گی تو امیدوار الیکشن لڑے گا۔ فوج ہی امیدوار کو قبول کرے گی فوج ہی امیدوار کو رد کرے گی گویا یہ فوج عرش سے آئی ہے، گویا یہ جرنیل فرشتے ہیں، یہ فرشتے ایسی پارلیمنٹ چاہتے ہیں جو ان کی حمد پڑھے، جو ان کی تعریف کرے، جو ان کے سائے میں بیٹھے یہ ایسی پارلیمنٹ چاہتے ہیں جو ان کے چہروں پر جمہوریت کا میک اپ کر دے یہ جمہوریت نہیں چاہتے۔ صرف جمہوریت کا ماسک چاہتے ہیں، لیکن آج بھی وقت ہے کہ ملک کو بچایا جا سکے آج بھی وقت ہے کہ خطرہ دور کیا جا سکے، آج بھی وقت ہے کہ ملک کو زندہ رکھا جا سکے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ عام انتخابات ہوں، ضروری ہے کہ آئین کے تحت پارلیمنٹ بنے اگر آج جرنیل ہٹ جائیں تو عوام کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے، صوبوں کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے۔ میں پارٹی کے ہر کارکن اور پاکستان کے ہر شہری سے اپیل کرتی ہوں کہ وہ ملک کو بچانے کے لیے باہر نکلے، جمہوریت کو بحال کرنے کے لیے جدوجہد کرے، سلیکشن پلان کو رد کرنے کے لیے باہر نکلے۔

سنو! اے جرنیلو! ہم بھٹو کے کارکن ہیں نہ اس نے سر جھکایا تھا، نہ ہم جھکاتے ہیں، نہ جیل سے وہ ڈرا تھا، نہ ہم ڈرتے ہیں، نہ موت سے وہ گھبرایا تھا، نہ ہم یا ہمارے کارکن ڈرتے ہیں اس لیے کہ ہمارا راستہ جدوجہد کا راستہ ہے، یہ راستہ قربانی کا راستہ ہے، آئین اور قانون کا راستہ ہے، انسانیت اور جمہوریت کا راستہ ہے، انقلاب کا راستہ ہے، اس راستے پر چلے چلو اے کارکنو۔ اے بھائیو اور بہنو۔ چلے چلو اے جوانو، چلے چلو اے مزدورو اور کسانوں۔ انشاءاللہ فتح عوام کی ہوگی۔ آپ کی فتح ہوگی۔"

فرینکفرٹ کے جلسہ میں خطاب:

آج ہم یہاں آئے تو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں گروپ بندی کو دیکھنا پڑے گا میں نے چار رکنی کمیٹی کی طرف سے دعوت اس لیے قبول کی تھی کہ یہاں جو پاکستانی اور پارٹی کے کارکن رہتے ہیں وہ اپنے ملک کے بارے میں حالات سننے اور راہ عمل معلوم کرنے کے لیے بے تاب ہیں۔ ہر پاکستانی خواہ وہ پاکستان پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتا ہے یا کسی اور سیاسی پارٹی سے وہ جمہوریت کی

بحالی پر متحد ہے اسے معلوم ہے کہ یہ صرف کسی ایک حکومت کی بات نہیں بلکہ پاکستان کو بچانے کی بات ہے اور پاکستانی عوام کی قوت استعمال کر کے ملک کو بچانے کا مسئلہ ہے۔ ہمیں وہ تنظیم چاہیے جو پارٹی اور عوام کے ساتھ رابطہ تیز کرے۔ ہمیں وہ تنظیم چاہیے جو انہیں بتائے کہ لوگ مثبت کام کریں، عملی جدوجہد کریں۔ ہم دشمنوں کے لیے میدان کھلا نہ رکھیں بلکہ میدان میں آ کر بہادروں کی طرح مقابلہ کریں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ پارٹی کے ورکر پارٹی کا قیمتی سرمایہ ہیں آپ پارٹی کی حفاظت کریں گے۔ آپ پارٹی کی امانت ہیں، آپ ملک کی امانت ہیں، آپ عوام کی امانت ہیں، ہر ایک جو جدوجہد میں شامل ہونا چاہتا ہے اسے موقع ملے گا، کل بھی ایسے لوگ تھے جن سے غلطیاں ہوئی تھیں اور شہید بھٹو نے ان کو معاف کر دیا تھا اور انہیں دوبارہ موقع دیا تھا۔ میں شہید کی بیٹی ہوں آپ کی بہن ہوں، اگر کسی سے غلطی ہوئی ہے ہم اسے معاف کر کے دوسرا موقع دیں گے اس لیے کہ یہ کوئی ذاتی چیز نہیں یہ ایک سیاسی عمل ہے، سیاسی رشتہ ہے جو کوئی پاکستانی عوام اور جھنڈے کے لیے قربانی دینا چاہتا ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی میں اس کے لیے جگہ ہوگی۔ ہاں اس کو یہ حلف اٹھانا پڑے گا کہ ہمارا دین اسلام ہے، ہماری معیشت سوشلزم ہے، ہماری سیاست جمہوریت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ ہر ایک کو پارٹی میں پارٹی کے ڈسپلن کے تحت کام کرنا پڑے گا اس لیے کہ یہ پارٹی عوام کی آواز ہے۔

ہمارے قائد کا ایک قرض ہے ایک وعدہ ہے جو مجھے پورا کرنا ہے، آپ کو پورا کرنا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ سوال پوچھنا چاہیے کہ مارشل لاء کیوں لگا؟ ہمیں بہت ساری وجوہات بتائی جاتی ہیں۔ ضیاء نے کہا کہ دھاندلی ہوئی ہے اس لیے ہم نے تختہ الٹا اگر دھاندلی ہوئی ہے تو پھر دھاندلی کے ثبوت دکھائیں۔ دھاندلی کا مطلب ہے کہ عوام کا فیصلہ نہیں تھا ضیاء نے سات سال بعد اپنے تشدد سیل کی تفتیش کے بعد دھاندلی کے کتنے کیس نکالے۔ اس پر جو روپیہ خرچ کیا سب جانتے ہیں جو لوگ جھوٹی گواہی نہیں دینا چاہتے تھے ان کو مجبور کرنے کے بارے میں بھی ہم جانتے ہیں۔ آپ کے پاس یحییٰ بختیار کا ایک کیس تھا وہ شہید بھٹو کے وکیل صفائی تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے الیکشن واضح اکثریت سے جیتا تھا اگر صرف ایک سیٹ پر دھاندلی ہوئی تھی تو نتیجہ بدلتا نہیں، اگر آج بھی الیکشن ہوں تو ووٹ پیپلز پارٹی کو ملے گا۔ اس لیے کہ پیپلز پارٹی کے قائد نے عوام کی خدمت کی ہے۔ یہ دھاندلی کی بات نہیں۔ دھاندلی تو آپ کر رہے ہیں اسی لیے آپ عوام کی آواز کو پہنچنے نہیں

دے رہے ہیں، آپ نہیں چاہتے کہ غریب عوام مستقبل اپنے ہاتھ میں لیں، آپ نہیں چاہتے کہ جو مظلوم ہیں وہ زنجیریں توڑ دیں، آپ نے کہا میں مارشل لاء لگانے پر مجبور ہوا اس لیے کہ پی این اے اور پی پی پی کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ پی این اے اور پی پی پی کے درمیان 4 جولائی کو سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ آپ کی کوشش تھی کہ کوئی سمجھوتہ نہ ہو آپ نے قائد عوام کو کہا تھا کہ ان کے مطالبات منظور نہ کریں لیکن قائد عوام جمہوریت چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں طاقت سے تحریک نہیں کچلوں گا میں نے عوام کی خدمت کی ہے۔ میں عوام کے پاس جاؤں گا اور کہوں گا آپ فیصلہ کریں کہ پیپلز پارٹی صحیح ہے یا پی این اے۔ 4 جولائی کو ہم نے سمجھوتہ کر لیا۔ ان کے مطالبات ہم نے مانے، ہم نے کہا الیکشن کمشنر یا کوئی اور چیز چاہیے ہم عوام کے پاس جائیں گے اور جو ان کا فیصلہ ہو گا منظور کریں گے کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ ہم نے ان کی خدمت کی ہے مگر کیا ہوا؟ ہمیں جتنے بہانے بتائے گئے ہیں۔ ان کی فہرست بہت لمبی ہے پھر ہمیں بتایا گیا کہ خانہ جنگی ہونے والی ہے اور ہم نے ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لیے اقتدار سنبھالا ہے۔

آپ جانتے ہیں خانہ جنگی اس وقت ہوتی ہے جب فوج دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے جیسا کہ لبنان میں فوج نے ایک دوسرے پر گولیاں برسائیں۔ اسپین کی سول وار میں ہم نے دیکھا ہے جب اسپین کے جرنیل کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف۔ آپ خود سوچیے کہ خانہ جنگی اس وقت تھی جب پوری فوج آئین کے تابع تھی، جب عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں جوابدہ تھے جب پارلیمنٹ خود عوام کے ماتحت تھی۔

خانہ جنگی کا خطرہ اب ہے جو حالات آپ نے سات سال میں پیدا کیے ہیں اس سے خانہ جنگی کا خطرہ ہے ہمیں یہ خبریں مل رہی ہیں، جب فوج میں اختلافات پیدا ہو جائیں، جب فوج میں بے چینی پیدا ہو جائے تو پھر خانہ جنگی کا خطرہ ہوتا ہے۔ آپ نے جو پالیسی اختیار کی ہے جو پالیسی فوج کے لیے بنائی ہے۔ آپ کوڑے لگائیں جو ہاتھ ہمارے دفاع کے لیے ہونے چاہیے تھے وہی ہاتھ عوام کی کمزور پیٹھ پر کوڑے برسا رہے ہیں۔ اس سے مایوسی پیدا ہوتی ہے، اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور پھر خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے کہا ہم نے اقتدار سنبھال کر احتساب کرنا ہے، آپ احتساب کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ احتساب کرنے کے لیے عوام

ہوتے ہیں ملک کے مالک دھرتی کے مالک عوام ہوتے ہیں۔

تیس سال پہلے آپ انگریزوں کو سیلوٹ کرتے تھے آپ انگریزوں کے آرڈرز پر پاکستان کے عوام جو پاکستان کے لیے جدوجہد کررہے تھے ان پر لاٹھی چلاتے تھے آپ کے باپ دادا نے جلیانوالہ باغ میں جو کچھ کیا وہ بھی سب کو یاد ہے یہ ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ آپ احتساب کرنے کے لیے نہیں آئے بلکہ اقتدار چھیننے کے بعد احتساب کے خوف سے اب انتخابات نہیں کروا رہے ہیں۔ اس لیے آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جرائم کیا ہیں احتساب سے آپ خوفزدہ ہیں۔

ایک دفعہ یہ کہا کہ میں نے اس لیے اقتدار سنبھالا کہ مجھے چیف آف آرمی اسٹاف سے ہٹایا جانے والا تھا۔ میں اس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتی اسے ہٹایا جانے والا تھا اس نے دنیا کے سامنے جو دھوکا بازی کی ہے وہ آپ سب کے علم میں ہے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتے تھے کہ میں آئین کا پابند رہوں گا اور ہم لوگ مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ سوچتے تھے کہ یہ مسلمان ہے اور قرآن میں وعدہ کا احترام ہے۔ قرآن پر جو وعدے کیے جائیں ان کی عزت ہوتی ہے، ہر مسلمان سیاسی طور سے باشعور ہے دینی طور سے باشعور ہے اس کو آپ دھوکا نہیں دے سکتے ہیں اور نہ دیں گے پھر ہمیں بتایا گیا کہ ہمارے پڑوسی ملک میں صورتحال تبدیل ہوگئی اور ہم نے اقتدار سنبھالا ہے اور اس وقت تک رہیں گے جب تک افغان اپنی آزادی نہیں جیت لیتے۔ کیا افغانستان کی آزادی آپ کو اتنی عزیز ہے، کیا ان کی آزادی اچھی ہے اور پاکستان کے عوام کے لیے جیل اور پھانسی کی کوٹھڑی۔ ہمارے نوجوان بچے جن کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ غریب ہیں عثمان غنی کو لاہور کے ساتھی جانتے ہیں وہ چپل تک نہیں خرید سکتا تھا۔ اس کے پاس پاکستان کا ایک خواب تھا جہاں ترقی ہو اس کا خواب تھا کہ پاکستان میں غربت نہ ہو۔

ہم دوسرے ملکوں کو کیوں دیکھیں ہم اپنی تاریخ دیکھتے ہیں آپ دیکھیں گے کہ جب پہلے فوجی حکومت تھی افراتفری پھیلی تھی اور بنگلہ دیش بنا کر ہمارا ملک آدھا بانٹ دیا دوسرے ملکوں میں اگر یونان کو دیکھیں تو کرنلوں نے اقتدار سنبھالا۔ کرنلوں نے کہا تھا کہ ہم نے اقتدار امن اور سکون لانے کے لیے سنبھالا ہے مگر انہوں نے افراتفری پیدا کی آخر کار انہیں لیڈر کارمنیلیس کو واپس بلانا پڑا کہ آ کر سول حکومت قائم کر کے ملک کو افراتفری سے بچائے۔ ارجنٹائن میں جرنیلوں نے حکومت پر قبضہ کیا تھا اور آخر کار جرنیلوں کو اپنے لیڈر کو بلانا پڑا کہ افراتفری سے نجات دلانے کے

لیے آپ آئیں اور ہماری مدد کریں افراتفری فوجی ڈکٹیٹر اور جرنیلوں کے راج سے پھیلتی ہے۔

شہید بھٹو کے خلاف سازش کی گئی کہ شہید کی کوشش تھی کہ پاکستان میں پرامن نیوکلیئر پراسیسنگ پلانٹ لگائیں اور سازش صرف کہنے کی بات نہیں ہے کیونکہ بھٹو شہید کو ہٹانے کے ایک سال بعد آپ دیکھ سکتے ہیں کہ فرانس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا وہ منسوخ کر دیا گیا اس لیے مارشل لاء لگایا گیا ہے کیونکہ چند قوتوں کو پسند نہیں تھا کہ شہید ذوالفقار علی بھٹو مسلمانوں کے جائز حقوق کے لیے آواز بلند کریں۔ ان کو پسند نہیں تھا کہ شہید بھٹو کشمیر کے مقصد کے لیے، فلسطین کے مقصد کے لیے آواز اٹھائیں اب جب مقبول بٹ کو پھانسی ہوئی تو آپ نے کیا کیا۔ ایک بیوہ کی آپ نے آواز نہیں سنی جب اس نے کہا کہ میرے شوہر کی میت واپس دلائیں آپ نے کہا میت ہے اگر وہاں دفن ہو گئی تو کیا ہے اگر سیاسی طور پر نہیں تو انسانی طور پر یہ آپ کا فرض ہے۔ جب فلسطینیوں پر بمباری ہو رہی تھی، جب لبنان میں مسلمان بچے مارے جا رہے تھے جب سارے فلسطینی بھائی اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑ رہے تھے تو آپ نے کیا امداد بھیجی۔ آپ نے مسلمانوں کے مقاصد کے لیے اپنی آنکھیں بند رکھی ہیں۔ آپ نے شہید بھٹو کی مخالفت اس لیے کی ہے کہ اس نے ہر وقت انصاف اور حق کے لیے آواز بلند کی۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو کو کیوں قتل کیا گیا، ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ نہیں چلا تھا وہ مقدمے کا قتل تھا۔ شہید بھٹو کو گرفتار کرنے کے لیے آرمی کمانڈو بھیجے گئے تھے جب ان کو گرفتار کیا گیا تھا تو وہ کوئی گرفتاری کا وارنٹ نہیں لائے تھے۔ اب بات کرتے ہیں چادر اور چاردیواری کی، چادر اور چاردیواری کی کیا حفاظت ہو رہی تھی جب آپ نے شہید بھٹو کے بنگلے میں اسٹین گنوں کے ساتھ تین بجے رات کمانڈوز بھیجے تھے تاکہ وہ کمروں میں گھس کر سب کو اٹھائیں، جب شہید بھٹو کو لاہور ہائیکورٹ کے ایک بینچ نے آزاد کیا تھا جب ان کو ضمانت پر چھوڑا تھا تو اس بینچ کو کیوں توڑ دیا تھا اور اس بینچ کے سربراہ جسٹس صمدانی کو دوسرے بینچ میں کیوں نہیں شامل کیا گیا۔ اس لیے کہ آپ قتل کا مقدمہ نہیں کر رہے تھے بلکہ مقدمے کا قتل کر رہے تھے۔

جب سے ضیاء آیا ہے ہر سال خالصتان کا مسئلہ بڑھتا جا رہا ہے ہر سال ہائی جیکنگ ہوتی ہے اور آپ ہمارے بے گناہ ساتھیوں کو سزائے موت سناتے ہیں۔ ہائی جیکنگ کے کیس میں جن کا ہائی جیکنگ کے ساتھ تعلق نہیں ہے ان کو سزائے موت سناتے ہیں اور جو ہائی جیکنگ کرتے ہیں

ان کے خلاف آپ نے مقدمہ نہیں چلایا ہے کیا آپ کو سکھ اتنے پیارے ہیں کیا آپ کو مسلمانوں سے کوئی محبت نہیں۔

میرے بھائیو، بہنوں اور ساتھیو! میرا پیار، میرا ایمان سب کچھ پاکستان کے ساتھ ہے میں اگر سکھ کا پرابلم آپ کے سامنے کہتی ہوں تو اس لیے کہ سکھوں کا مطالبہ خالصتان اور خالصتان کا کیپٹل وہ لاہور چاہتے ہیں، اگر وہ خالصتان کا کیپٹل لاہور چاہتے ہیں تو پاکستان کا کیا بنے گا جب آپ ان کی حمایت کرتے ہیں، جب آپ ان کو کہتے ہیں کہ پاکستان آئیں تو ان کو کیوں اجازت دے رہے ہیں لاہور کو خالصتان کا کیپٹل بنانے کی۔ یہ پاکستان کو نامنظور ہے اور اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اجازت دیں گے تو پاکستان کے عوام خون کے آخری قطرہ تک لڑیں گے وہ یہ اجازت نہیں دیں گے کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اندرونی صورتحال پر ضیاء نے اعلان کیا ہے کہ میں سلیکشن اسکیم کروں گا ہم کہتے ہیں کہ الیکشن عوام کا فیصلہ اور سلیکشن جنرلوں کا فیصلہ۔ عوام کا فیصلہ منظور، جنرلوں کا فیصلہ نامنظور۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم عوام کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے ان کے دکھ سکھ میں شامل رہیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ملک کو بچانا ہے تو وہ جمہوریت سے بچ سکتا ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جمہوریت ہو اگر سلیکشن ہوا تو ہم اپنے ملک کے دفاع کے لیے اور اپنے عوام کے دفاع کے لیے بائیکاٹ کریں گے۔ میں نے پارٹی کو ہدایت بھیجی ہے میں نے کہا ہے کہ اگر آپ ساتھ ساتھ کام کریں آپ عوامی حلقوں کے اندر جائیں عوام تک جائیں اور ان کو کہیں کہ یہ ووٹ یہ پرچی آپ کی طاقت ہے آپ کی قوت ہے آپ کا قلم ہے اس کے ساتھ آپ NO کہہ سکتے ہیں۔ ضیاء کو، بے روزگاری کو NO کہہ سکتے ہیں آپ غربت کو NO کہہ سکتے ہیں اور آپ ہاں کہہ سکتے ہیں جمہوریت کے لیے، روٹی، کپڑا اور مکان کے لیے اس لیے جدوجہد ملک کے اندر ہے آپ سب لوگ جو یہاں رہتے ہیں آپ سے میں درخواست کروں گی آپ جو ملک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کو بتائیں کہ جمہوریت کیوں ضروری ہے اور ہر ایک کو متحرک کریں کہ اپ کو اس دھرتی کے لیے لڑنا ہے اگر ہم نہیں لڑیں گے تو کون لڑے گا ہم انگریز نہیں ہیں کہ ٹوپی اٹھا کر انگلستان چلے جائیں گے یہ ہماری دھرتی ہے ہمیں یہیں جینا، مرنا ہے۔ اس دھرتی پر۔ آخر میں، میں ایک بات کہوں گی کہ میں آپ کی قائم مقام چیئرمین کی حیثیت سے نہیں میں آپ کے شہید کی کارکن کی حیثیت سے آئی ہوں میرے لیے عہدے وغیرہ کچھ نہیں

ہیں۔ میں صرف شہید کی بیٹی ہی نہیں میری زندگی کا جو مقصد اور فرض ہے وہ صرف شہید کی بیٹی کی حیثیت سے نہیں مگر ایک کارکن کا آپ کے شہید کے ساتھ اور اپنے وطن کے ساتھ یہ وعدہ ہمیشہ رہے گا جب تک دم ہے۔

بے نظیر بھٹو کا دورہ امریکہ:

اپریل 1985ء میں بے نظیر بھٹو نے امریکہ کا دورہ کیا۔انہوں نے ورلڈ افیئر کے زیر اہتمام ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "آٹھ سال تک مارشل لاء کے نفاذ سے ملک کے چاروں صوبوں میں علیحدگی پسند رجحانات جڑ پکڑ چکے ہیں۔جنرل ضیاء کی حمایت کر کے ملک میں اس خطرہ کی جانب توجہ نہیں دی گئی اور اگر پاکستان ٹوٹتا ہے تو اس سے مغربی ملکوں کے مفادات پر اثر پڑے گا۔ جنرل ضیاء نے غیر جماعتی پارلیمنٹ صرف مغربی ممالک کو دکھانے کے لیے قائم کی ہے جبکہ اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے اور ضیاء کے موجودہ قانون کے مطابق پارلیمنٹ غیر سیاسی ادارہ ہے، پاکستان میں ضیاء ایسا شخص ہے جس سے سب سے زیادہ نفرت کی جاتی ہے بلکہ وہ ملک پر بوجھ ہے، اسکا ریکارڈ وعدہ خلافیوں غیر قانونی کارروائیوں اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے بھرا ہوا ہے۔اس نے 77ء میں منتخب وزیر اعظم کا تختہ الٹ کر اپنے محسن کو پھانسی دی اور اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا اس نے وعدہ کیا تھا کہ آئین قائم رہے گا، عدلیہ کا احترام کیا جائے گا اور انتخابات کرا کے فوج کو واپس بیرکوں میں لے جائے گا لیکن آٹھ سال بعد وہ ان تمام وعدوں سے منحرف ہو گیا۔ آئین منسوخ کر دیا گیا ہے، الیکشن کا مطالبہ کرنے والی پارٹیوں کو غدار کہا گیا ہے۔انسانی حقوق کے بارے میں اس کا ریکارڈ یوگنڈا کے حکمراں عیدی امین سے بھی بدتر ہے، اس نے پریس کی آزادی سلب کی، ٹریڈ یونین، طلباء، ڈاکٹروں اور عورتوں کو خوفزدہ کرنے کے قانون بنائے تا کہ اس کے غیر آئینی اقتدار کو چیلنج نہ کیا جا سکے۔اب ملک میں کوئی قانون نہیں، عدلیہ مکمل طور پر لونڈی بن چکی ہے اور اس کا حکم ہی قانون ہے اقلیتوں کو اپنے ختم ہونے کا خوف ہے۔

افغانستان میں روس کی آمد کے بعد دونوں ملکوں میں تعلقات مستحکم ہوئے ہیں۔ بین الاقوامی صورتحال ضیاء کے لیے سازگار ثابت ہوئی ہے اور اسے خلیج فارس میں پولیس مین بنا دیا گیا

ہے جیسے وہ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں روس کی توسیع پسندی کو روک سکتا ہے لیکن تاریخی تجربہ کے مطابق ریگن انتظامیہ کو اس سے ناکامی ہوئی، کیونکہ عوام کی حمایت کے بغیر وہ اس مشن کو تکمیل کیسے کر سکتا ہے، ڈکٹیٹر شپ اور غیر نمائندہ حکومت کی وجہ سے خلا وسیع ہوگا، فلپائن کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اکینو کے قتل کے بعد وہاں معتدل سیاستدان نہیں رہے اور یہی مثال پاکستان پر بھی صادق آتی ہے، ابھی پاکستان میں مقبول قوتیں ہیں جو پاکستان میں جمہوری راہ اختیار کر سکیں گی، ان کے خاتمہ کے بعد دنیا کے اس حساس خطے میں مغربی مفادات کیسے پورے ہو سکیں گے، پارٹی پڑوسی ممالک سے اچھے اور دوستانہ تعلقات کی خواہاں ہے اور شملہ معاہدہ سے برصغیر میں امن کی ٹھوس بنیاد رکھی گئی ہے جس پر وزیر اعظم بھٹو اور مسز گاندھی نے دستخط کیے تھے۔''

نیویارک میں 20 اپریل کو ریگو پارک کوئنز پبلک اسکول میں پاکستانیوں کے جلسہ میں پاکستان کے سیاسی حالات ضیاء کے نام نہاد ریفرنڈم اور فروری کے انتخابات کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ''ضیاء کو غیر سیاسی پارلیمنٹ کے ارکان پر اعتماد نہیں ہے اور مارشل لاء جاری ہے، انتخابات میں حصہ لینا بعض اصولوں پر سمجھوتہ کرنا تھا عوام نے منفی ووٹ اس لیے دیئے کہ مارشل لاء کے پٹھوؤں کو ہرا کر مارشل لاء سے نفرت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ ہم ضیاء کی غیر آئینی حکومت کو تسلیم نہیں کریں گے اور پارٹی پاکستان کے غریب عوام کے حقوق کی بحالی تک جدوجہد جاری رکھے گی تاکہ ملک میں غریب کارکنوں کو پھانسیاں نہ دی جائیں۔ ملک میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ غیر قانونی اور غیر انسانی سلوک سے مغربی ممالک کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے جبکہ سیاسی کارکنوں سے تشدد اور اذیت کے ذریعے اقبال جرم کرایا جاتا ہے۔''

بے نظیر بھٹو نے 21 اپریل کو ڈیٹرائٹ میں پاکستانیوں کے جلسہ عام میں مارشل لاء حکمرانوں سے مطالبہ کیا کہ تمام سیاسی قیدی فوراً رہا کیے جائیں۔ سیاسی پابندیاں فوراً اٹھائیں جائیں اور 73ء کے آئین کے تحت انتخابات کرائے جائیں۔ اسی رات بے نظیر بھٹو کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا جس میں سٹی کونسل کی صدر مس ارما ہینڈرسن نے ان کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کیا۔ بے نظیر بھٹو نے امریکہ کے دورے کا آغاز ریڈکلف کالج میں ''مسلم خواتین اور سیاست'' کے موضوع پر دو روزہ سیمینار سے کیا اور 25 اپریل کو سان فرانسسکو اور لاس اینجلز میں ورلڈ افیئرز کونسل میں خطاب سے دورہ ختم کیا۔ اس دوران انہوں نے اخبارات و جرائد کے علاوہ ٹی وی اور ریڈیو کو انٹرویوز بھی

دیئے۔ انٹرویو لینے والے اداروں کے نمائندوں نے بے نظیر کی سیاسی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ انہوں نے جس ذہانت سے اپنا موقف پیش کیا ہے وہ بے حد اثر انگیز تھا اور امریکی عوام کو پاکستان کے اندرونی حالات بہتر طور پر جاننے کا موقع ملا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے واشنگٹن میں امریکی سینٹروں، کانگریس کے ارکان کے علاوہ ممتاز اخبارات وجرائد کے ادارتی بورڈ کے ممبروں سے ملاقاتیں کر کے انہیں پاکستان کے حالات اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے آگاہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مختلف وفود سے بھی ملاقاتیں کیں۔

مشرق کی شہزادی:

ڈنمارک کے ممتاز روزنامہ ''پولیٹیکن'' کا محترمہ بے نظیر بھٹو کو خراج تحسین۔

''یونانی ہیروئن، انسٹی گان'' کی طرح بے نظیر بھٹو نے انتہائی کم عمری یعنی صرف تیس سال میں پاکستان کے حکمرانوں کے ظلم اور سفاکی کے خلاف اپنی ذات، ضمیر اور ہمت کو صف آراء کر کے دنیا کے لیے ایک مثال قائم کر دی ہے، گو ظالم حکمرانوں نے بے نظیر بھٹو کو ان کے والد کی لاش دفن کرنے کا موقع نہ دیا تاہم کئی سال کی قید تنہائی اور قتل کی دھمکی کے باوجود انہوں نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے ''مقدمہ قتل'' کو دفن کرنے سے انکار کر دیا۔''

بے نظیر بھٹو کی رہائی اور جلاوطنی میں بھیجے جانے کی وجہ بین الاقوامی دباؤ تھا شاید فوجی ڈکٹیٹر کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر بھٹو خاندان کے خون سے اس نے اپنے ہاتھ رنگے تو اس کی ''شہرت'' ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے اسے بے نظیر بھٹو سے یہ یقین دہانی نہ مل سکی کہ وہ اپنے والد اور وزیراعظم کے مقدمہ قتل کو دفنا دیں گی۔'' اس کے برعکس بے نظیر بھٹو اپنے والد شہید کی جدید اور سوشلسٹ پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے ظالم فوجی حکمرانوں کے خلاف جنگ لڑ رہی ہیں اور یہ جنگ پرامن ہے کیونکہ بے نظیر بھٹو انتہائی مصائب جھیلنے کے باوجود تشدد کے خلاف ہیں۔

امریکہ کی ہاورڈ اور آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ دراز قد، دبلی اور باوقار ''مشرق کی اس شہزادی'' کے بارے میں کسے خبر تھی کہ وہ اپنے امتحان کے چند سال بعد پاکستانیوں کے لیے اتحاد کا ''سمبل'' بنے گی۔ بے نظیر بھٹو کی زندگی میں انقلاب اس وقت آیا جب جنرل ضیاء الحق نے 1977ء میں بغاوت کر کے فوج کی مدد سے پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم کی حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار خود

سنبھال لیا۔اس وقت سے بے نظیر ایک نہ تھکنے والی سیاسی آرگنائزر کی حیثیت سے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سفر کر کے اپنے والد کی رہائی اور ان کی سیاست کو جاری رکھنے کا مطالبہ کرنے لگیں ان کی تقریروں کا عوام پر بے پناہ اثر ہوا جس کے نتیجے میں انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا جونہی انہیں رہا کیا گیا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ انہیں پھر گرفتار کر لیا جائے گا، انہوں نے ضیاء کی آمریت کے خلاف اپنے بھرپور حملے جاری رکھے۔اس کم عمر سیاستدان سے تنگ آ کر جنرل ضیاء نے اس شرط پر انہیں رہا کرنے کی پیشکش کی کہ ''ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔'' ہوش ٹھکانے آنے سے مراد یہ تھی کہ وہ اپنے والد کے نقش قدم پر نہ چلیں لیکن انہوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

بیماری بہانہ بنی:

سالہا سال کی قید تنہائی کے دوران بے نظیر کے کان میں تکلیف ہو گئی، گزشتہ سال کے آخر میں فوجی حکمرانوں کو بہانہ مل گیا کہ وہ انہیں ملک سے باہر بھیج کر ان سے چھٹکارا حاصل کریں لیکن علاج کی غرض سے بھی انہیں اس وقت بھیجا گیا جب ان کا ایک کان کافی خراب ہو گیا تھا۔

بے نظیر بھٹو پر جو قیامت گزری ہے اس کے باوجود جب وہ بولتی ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو نہیں ہوتے، وہ اپنے آپ پر رحم نہیں کھاتیں جب وہ جیل میں اپنے اوپر مظالم کی بات کرتی ہیں تو کہتی ہیں ''ہمارے لاتعداد پارٹی ورکر، سابق وزراءاعلیٰ، ایک گورنر اور ہزاروں کارکن جیلوں میں سزاؤں کے منتظر ہیں۔ ہمیں اب لوگوں کے لیے جنگ لڑنا ہے۔ اسٹیل مل میں یونین قائم کرنے پر ایک کارکن کو گرفتار کر لیا گیا اور جھوٹے الزامات لگا کر اسے سزائے موت دی گئی۔ 1981ء سے اسے ہتھکڑیاں لگا کر جیل کی تنگ کوٹھڑی میں بند رکھا گیا۔ بیماری کے باعث اس نے عدالت سے مقدمہ کی سماعت ملتوی کرنے کی درخواست کی تو جج نے اسے جواب دیا۔ ''ہمارے لیے تم پہلے ہی قبر میں پڑی ہوئی لاش ہو۔''

مغربی ممالک جغرافیائی وجوہات کی بناء پر پاکستان میں آمریت کو تحفظ دے رہے ہیں۔ پاکستان روس کے خلاف لڑنے والے ''افغان باغیوں'' کی بہت حد تک مدد کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ فوجی حکمرانوں کی امداد بند نہیں کر رہا اور بے نظیر بھٹو مغربی ممالک کے اس رویہ کو

تبدیل کرانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ان کا کہنا ہے"آپ افغانستان میں آزادی کی بات کرتے ہیں پاکستان میں آزادی کو آپ کیوں بھول رہے ہیں۔آزادی نا قابل تقسیم ہے اور چند مما لک کے لیے مخصوص نہیں۔"

اپنی مثال دے کر اس جدید "انسٹی گان" نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے لیے آزادی محض الفاظ سے کہیں زیادہ ہے۔وہ اس کے لیے قربانی دینے پر تیار ہیں اور ہم سے بھی یہی توقع رکھتی ہیں۔

کوپن ہیگن کے ممتاز اخبار "برلنکسک ٹائیڈنڈ" کا تجزیہ:

انسٹی ٹیوٹ فار ایشین اسٹڈیز کوپن ہیگن کے پلیٹ فارم سے ایک تیس سالہ پتلی دبلی خوبرو اور پروقار خاتون نے پاکستان کی فوجی جنتا کو للکارا ہے۔پاکستان کے فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاءالحق کے لیے یہ ایک چیلنج تھا۔اس خاتون نے جنرل ضیاءالحق کو"قاتل"،"استحصالی"اور"غاصب" قرار دیا اور آخری دم تک اس سے جنگ لڑنے کا اعلان کیا۔

یہ خاتون پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی ہیں جنہیں جنرل ضیاءالحق کی فوجی حکومت نے 1979ء میں پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔پھانسی ایک ایسے طویل مقدمہ کے بعد دی گئی جس میں مشہور فرانسیسی وکیل ایلن جوڈل کے مطابق الزامات من گھڑت تھے جہاں جج اور گواہ حکمرانوں کی جیب میں تھے اور ملزم کو عدالت میں حاضر ہونے کی اجازت تک نہ تھی۔ایلن جوڈل انسانی حقوق کی بین الاقوامی فیڈریشن کی طرف سے اس مقدمہ کی کارروائی کے دوران مبصر کے طور پر عدالت میں موجود تھے۔

اس خاتون کا نام بےنظیر بھٹو ہے۔اپنی جواں سالی کے باوجود بےنظیر بھٹو ڈکٹیٹر شپ کی سخت مخالف اور اپنے والد کی وراثت کی امین ہیں۔ایشین انسٹی ٹیوٹ میں تقریر سے قبل انہوں نے "برلنکسک ٹائیڈنڈ" کو ایک طویل انٹرویو دیا جس میں انہوں نے کہا کہ"جب میری ضرورت پڑی تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے واپس پاکستان جانے سے نہیں روک سکے گی۔مجھے علم ہے کہ فوجی جنتا مجھے جیل میں ڈال دے گی اور فوجی عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا جہاں کارروائی غیر منصفانہ اور غیر قانونی ہوتی ہے۔میرے لیے سب سے زیادہ اہم مارشل لاء کے خلاف جنگ

لڑنا اور ضیاء حکومت کا تختہ الٹنا ہے اگر میرے جیل جانے سے ایسا ہو سکتا ہے تو میں ہزار بار جیل جاؤں گی۔''

بے نظیر کو علم ہے کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں، ان کے والد کے ''قتل'' کے بعد پانچ سال کے دوران وہ لگاتار جیل یا گھر میں زیر حراست رہی ہیں جہاں انہیں جسمانی تشدد کا خطرہ بھی تھا اور ہر وقت فوج کی نگرانی میں تھیں جب اس کی ابتداء ہوئی ان کی عمر 25 سال تھی، لیکن اس سے وہ قطعاً خوفزدہ نہیں ہوئیں ان کی پارٹی کے کئی دوسرے اراکین جنرل ضیاء کی جیلوں میں جسمانی تشدد کا شکار ہو رہے ہیں اور ان میں سے کئی لاپتہ ہو گئے ہیں یا انہیں مار دیا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو اور ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو خود بھی کراچی اور سکھر کی جیلوں میں نظر بند رہی ہیں جہاں انہیں تنگ کوٹھڑیوں میں عادی مجرموں کے ساتھ رکھا گیا۔ بیگم بھٹو السر کے باعث سخت بیمار ہو گئیں اور انہیں یورپ آنے کی اجازت مل گئی خود بے نظیر کو کان میں شدید تکلیف ہو گئی جس کا فروری میں آپریشن کیا گیا اور علاج کے نام پر فوجی حکمرانوں نے انہیں جلاوطنی میں بھیج دیا، فوجی جنتا کا خیال تھا کہ لوگ انہیں بھلا دیں گے لیکن وہ لندن اور دوسرے ممالک میں سرگرم عمل ہیں۔ ڈنمارک میں انہوں نے کئی سیاسی جماعتوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں اپنے حامی اور پیپلز پارٹی کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا وہ پیپلز پارٹی کی سربراہ ہیں اگر آج منصفانہ انتخابات ہوں تو یہ جماعت (جسے گزشتہ انتخابات میں 75 فیصد حمایت حاصل تھی) بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گی۔

ایسے ملک میں جہاں بار بار فوج اقتدار پر قبضہ کر لیتی ہے کیا بے نظیر بھٹو جمہوریت پر یقین رکھتی ہیں۔ بے نظیر بھٹو نے بتایا کہ وہ ''جمہوریت پر ایمان رکھتی ہیں۔ پاکستان بعض مرحلوں میں مستحکم اور جمہوری ملک رہا ہے۔ 1947ء میں برطانوی راج سے آزادی پر پاکستان نے بھارت سے علیحدہ، آزاد اور خود مختار رہنے کا اعلان کیا جہاں انتخابات ہوں نہ کہ اوپر سے آمریت مسلط ہو۔ جمہوریت پاکستان میں بھی قائم ہو سکتی ہے کیونکہ ہم بھی برصغیر کا ایک حصہ ہیں اور ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں جمہوریت پھل پھول رہی ہے تاہم جب ضیاء انتخابات کا وعدہ کرتا ہے تو یہ جمہوریت نہیں۔ اس کا پلان یہ ہے کہ جمہوریت سیاسی جماعتوں کی شرکت کے بغیر قائم کی جائے وہ ایسے امیدواروں کو ووٹ دلانا چاہتا ہے جنہیں سلیکٹ کیا گیا ہے دوسرے لفظوں میں یہ لوگ اس کے نامزد کردہ ہیں اور اگر مارشل لاء اٹھایا جائے تو یہ ''جمہوریت'' ایک دن بھی نہیں رہے گی کیونکہ

اس وقت لوگوں کا غضب کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

ضیاء نے پاکستان میں یکلخت ''اسلامی'' طریق کار کے ذریعے سزاؤں کا سلسلہ شروع کیا کیونکہ ان میں عام قسم کے جرائم پر بھی کوڑے مارے جاتے ہیں۔ بےنظیر بھٹو باوجود اس کے کہ انہوں نے مغرب میں تعلیم پائی ہے اور ہاورڈ اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے فلسفہ اور پولیٹیکل سائنس کی ڈگریاں حاصل کی ہیں نہ صرف مذہبی ہیں بلکہ قرآنی تعلیمات پر عمل بھی کرتی ہیں۔ وہ جنرل ضیاء کی طرف سے ''اسلام کے غلط استعمال'' پر سخت برہم ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''اسلام ہمہ گیر مذہب ہے۔'' جس کا انحصار کسی ملک کے قوانین پر نہیں ہوتا۔ انسان اور خدا کے درمیان رشتہ میں کوئی فرد یا شے مداخلت نہیں کر سکتی، ہم سیاستدانوں کا کام ہے کہ انسانوں کے درمیان رشتے گہرے کریں جب سزاؤں کے پرانے طریقوں کی تجدید کی جائے تو یہ وحشیانہ ہیں اور ان کا مقصد لوگوں میں دہشت پھیلانا اور حکمران کی طاقت تسلیم کرانا ہوتا ہے جن ممالک میں رجعت پسند مسلمان حکمرانوں نے اقتدار سنبھالا ہے کوئی بھی ملک جمہوری نہیں۔ پاکستان میں جب بھی انتخابات ہوئے لوگوں نے غریب اور امیر، خوراک اور بھوک سے متعلق سوالات اور سماجی وسیاسی تبدیلیوں کے حق میں ووٹ دیئے۔''

بیرون ملک بےنظیر بھٹو خصوصاً یورپ اور امریکہ میں بین الاقامی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کیونکہ یہ ممالک پاکستان میں فوجی جنتا کی ضرورت سے زیادہ امداد کر رہے ہیں وہ اپنی جماعت کے جلاوطن گروپوں کو بھی یکجا کر رہی ہیں۔ ان کے والد شہید کے الفاظ میں ان کی پارٹی کا پروگرام یہ ہے ''اسلام ہمارا مذہب ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔''

کیا یہ سب مبالغہ آمیزی ہے؟ جب آپ بےنظیر بھٹو کو بولتے سنیں گے تو آپ کو علم ہوگا کہ ایسا ہرگز نہیں کروڑوں پاکستانیوں کے تعاون کے باعث وہ جرنیلوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں اور ایک عورت کی شکل میں وہ شہید چیئرمین بھٹو کا پرتو ہیں۔

لندن ٹائمز میں بےنظیر بھٹو کا سیاسی شخصی خاکہ:

لندن ٹائمز نے 12 اپریل کی اشاعت میں بےنظیر بھٹو کا ایک شخصی خاکہ نصف صفحہ پر شائع

کیا جس میں ضیاء کی فوجی آمریت کے خلاف بے نظیر بھٹو کی سیاسی جدوجہد کا پس منظر اور پیش منظر بیان کیا گیا۔ مس انجیلا بروکس نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ ملاقات کے بعد شخصی خاکہ تحریر کیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرپرسن بے نظیر بھٹو نے لندن ٹائمز کی نامہ نگار کو بتایا کہ جنرل ضیاء عوام کے بنیادی حقوق کیسے بحال کر سکتا ہے جبکہ اسے عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے اور اس کا خود اسے احساس ہے کیونکہ پرفریب انتخابات کے بعد آئینی ترامیم کا مقصد ایسی حکومت کا قیام ہے جو محض اس کے مہروں کے طور پر کام کر سکے اگر آپ ایسے انتخابات میں حصہ لیتے ہیں جن میں سینکڑوں رہنماؤں اور کارکنوں کو جیل میں ڈال دیا گیا ہو، جلسے جلوسوں کی اجازت نہ ہو، اظہار خیال پر پابندیاں ہوں، اجتماعی اور انفرادی آزادیاں سلب کر لی گئیں ہوں تو ایسی حکومت کے ساتھ کسی قسم کے سمجھوتے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ اس کے اقتدار پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں اور ضیاء حکومت سے تعاون کرنا اسی طرح ہے جیسے یہودیوں سے کہا جائے کہ وہ ہٹلر سے تعاون کریں۔

موجودہ پارلیمنٹ کسی کی نمائندہ نہیں ہے اس لیے جنرل ضیاء مارشل لاء نہیں اٹھائے گا، اگر وہ ملک میں سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دے دے تو ایم آر ڈی اس کی حکومت کا تختہ الٹ دے گی۔ جنرل ضیاء جانتا ہے کہ اگر ہم وہاں ہوں تو وہ حکومت نہیں کر سکے گا ہم بھٹو شہید کا انتقام لینا نہیں چاہتے لیکن میرے ملک کے لوگ انصاف کے مستحق ہیں۔ بھٹو شہید صرف میرے والد نہیں تھے بلکہ وہ منتخب وزیراعظم تھے اگر جنرل ضیاء یہ کہے کہ ہاں میں نے قتل کیا ہے لیکن رحم کا طلبگار ہوں تو یہ اور بات ہو گی، لیکن اگر وہ یہ کہتا ہے کہ نہیں یہ قتل نہیں تھا تو ظاہر ہے ہمیں تحقیقات کی ضرورت پیش آئے گی، میں حکمرانی کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ حالات اس نہج پر لے آئے ہیں۔ فرانس میں ایک شخص سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ فرانس میں ملاقات کے دوران اس نے بتایا کہ کئی سال پہلے واشنگٹن میں وہائٹ ہاؤس میں ملاقات ہوئی تھی جہاں جناب بھٹو نے اس وقت اس سے کہا تھا کہ کسنجر کے ساتھ بات کرنے والی نوعمر لڑکی کو دیکھیے وہ میری بیٹی ہے اور میری ہی طرح مقابلہ کرنے والی ہے۔ وہ میرے لیے جنگ کرے گی، وہ صحیح تھے، وہ اپنی بیٹی کو اچھی طرح جانتے تھے۔ میں اس دن کے انتظار میں زندہ ہوں جب میرے والد بے داغ ثابت ہوں گے اور عالمی سطح پر ان کا بول بالا ہو گا۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب کوئی پیچھے پلٹ نہیں سکتا

جب تک ضیاء کا خاتمہ نہیں ہو جاتا میں بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتی، ضیاء کے پاس طاقت ہے میرے پاس نہیں ہے لیکن ایک دن اسے ضرور جانا ہوگا یہی تاریخ کی حقیقت ہے ضیاء یہ سوچ سکتا ہے کہ اسے مزید پانچ سال مل گئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مزید پانچ دن بھی میسر نہ ہوں۔ آلام میری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔ دکھ اور تکلیف کے اظہار کی اپنی زبان ہوتی ہے اگر آپ نے یہ مصیبتیں جھیلی ہیں تو آپ یہ زبان سمجھ سکتے ہیں، اگر نہیں تو کتنی ہی وضاحت سے بتایا جائے آپ کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ انجیلا بروکس نے لکھا کہ مصائب و آلام نے بے نظیر بھٹو کے عزم اور ارادے کو راسخ اور مضبوط کر دیا ہے۔

برطانوی ٹیلی ویژن چینل فور پر بے نظیر بھٹو کا مارشل لاء پر تبصرہ:

بے نظیر بھٹو نے چینل فور ٹیلی ویژن کے حالات حاضرہ کے پروگرام میں 11 جون 1985ء کی شام پاکستان میں مارشل لاء کے دور حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ ہفتے جب جنرل ضیاء کی پارلیمنٹ مارشل لاء اٹھانے کے سوال پر لا حاصل بحث کر رہی تھی میرے متعدد ہم وطن جیلوں میں سڑ رہے تھے، جب میں آکسفورڈ میں زیر تعلیم تھی تو میں نے آزادی اور جمہوریت کے موضوع پر بہت کچھ پڑھا جس میں آئیس برلن کا آزادی کے موضوع پر شہرہ آفاق خطبہ اور عوامی حاکمیت پر لکھے گئے مقالے بھی تھے مگر مجھے اس وقت تک آزادی اور جمہوریت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آیا جب تک ٹینکوں نے میری رہائش گاہ کا محاصرہ نہ کیا اور میرے ملک پر مارشل لاء کا بھیانک خواب طاری نہ ہوا۔ زندگی اور آزادی یہ دو لفظ کس قدر قیمتی ہیں جب میں قید تنہائی میں تھی اور میں نے پرندوں کو قید خانے کی سلاخوں سے باہر پرواز کرتے دیکھا تو مجھے ان کی آزادی پر رشک آیا جب آپ خود کو تنہا پائیں تو آزادی ایک لفظ نہیں رہتی بلکہ اس کی قدر و قیمت کہیں ارفع ہو جاتی ہے جب میں نے اپنے والد کو پھانسی چڑھتے دیکھا تو میری سمجھ میں آیا کہ ''زندہ رہنے کا حق'' ایک جملہ ہی نہیں اس کی قدر و قیمت اس سے کہیں بلند تر ہے، ایک دن وہ زندہ تھے اور دوسری صبح نے ان کا وجود ختم کر دیا، میں نے دیکھا ہے کہ میرے ساتھیوں میں سے کئی ایسے لوگ جنہوں نے آزاد اور جمہوری معاشرے کا خواب دیکھا انہیں تختہ دار پر چڑھا دیا گیا حالانکہ ان کا تعلق انتہائی شریف گھرانوں سے تھا بہت سے ایسے ہیں جن کی چمڑیاں کوڑوں سے ادھیڑ دی گئیں یا وہ بے پناہ تشدد

کی وجہ سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو جیل کی ویران چاردیواری کے اندر ہی بچپن سے جوانی میں قدم رکھ چکے ہیں، جن کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں۔ ان میں پارلیمنٹرین، وکلاء، مزدور رہنما، یونیورسٹی کے اساتذہ اور کسان سب ہی شامل ہیں۔ جنہیں جمہوریت سے لگاؤ ہے اور انہیں اس جدوجہد کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔ ہمیں ایک اور آزادی بھی یاد رکھنی چاہیے۔ یہ بھوک سے آزادی ہے، بھوک تیسری دنیا کے کروڑوں عوام کا مقدر بنی ہے۔ بھوک کو ایک ادارہ بنا دیا گیا ہے، آزادی اظہار کے حق کی طرح بھوک مٹانے کے لیے پیٹ بھر کر کھانا بھی ایک بنیادی حق ہے۔ میری نظر میں سیاسی آزادی اور سماجی انصاف باہم مربوط ہیں، جمہوریت منصفانہ اور مساوی بنیادوں پر استوار معاشرے کی تعمیر کا خواب ہے جو بھوک اور تکالیف سے پاک ہو۔ جمہوریت تو خوشحالی اور ترقی کا ایک خواب ہے میرے ملک میں آمریت ایک آمر کی مصنوعی مسکراہٹوں کا مشاہدہ کر رہی ہے وہ آمر جو مذہب اور اس کے فیوض وبرکات کی تعریف کے پل باندھتا ہے مگر وہ جس معاشرے کا حاکم ہے اس میں جنونی اپنی طاقت کے بل پر عورتوں کو سر بازار برہنہ کر کے رسوا کرتے ہیں اور ایک مُلا بے شک کسی نوزائیدہ کو سنگسار کرنے کا فتویٰ دے دے، آمریت نے اگر مجھے آزادی کی صحیح قدر و قیمت سکھائی ہے تو پھر اس نے مجھے شاعر رابرٹ فراسٹ کے ان اشعار کے پس پردہ معنی اور عزم وحوصلہ کے معانی سے بھی آشنا کیا ہے۔ جن میں شاعر کہتا ہے کہ الفاظ تو خاموش تاریک اور عمیق ہیں مگر مجھے تو اپنے وعدوں کا پاس کرنا ہے اور نیند سے پہلے میلوں سفر طے کرنا ہے۔

ٹائم میگزین کو بے نظیر بھٹو کا انٹرویو:

امریکہ کے کثیر الاشاعت میگزین ٹائم نے پاکستان کے بارے میں ایک سرورق رپورٹ شائع کی اس میں بے نظیر بھٹو کا ایک انٹرویو شائع کیا۔ بے نظیر کے بارے میں اس رپورٹ میں یہ کہا گیا کہ ان کی عمر صرف 31 سال ہے، وہ کبھی کسی عہدہ پر فائز نہیں رہی ہیں جس شخص نے ان کے والد وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ اسی کے حکم پر اپنی جوانی کے کئی سال جیل میں بسر کیے ہیں۔ بے نظیر بھٹو جلاوطن ہونے کے باوجود پاکستان کی سیاست پر چھائی ہوئی ہیں۔

غیر جماعتی انتخابات سے قبل متکبر پولیس نے کراچی ایئرپورٹ پر باہر سے آنے والی ہر عورت کی تلاشی لی، پولیس کو اندیشہ تھا کہ بےنظیر پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت کے لیے ملک میں واپس نہ آ جائیں، پاکستان پیپلز پارٹی نے غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا۔ٹائمز کے نامہ نگار مسٹر اسٹیون ہومز کو لندن میں انٹرویو دیتے ہوئے انتخابی نتائج کے بارے میں بےنظیر بھٹو نے کہا کہ اگر انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوتے تو ضیاء ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔اس کی طرف سے یہ خاموش اعتراف ہے کہ ہمارے امیدوار جیت جاتے اور ہم اسمبلی کی دوتہائی سے زیادہ نشستوں پر کامیابی حاصل کر لیتے۔پاکستان پیپلز پارٹی ملک کی مقبول ترین پارٹی ہے کیونکہ عوام میرے والد کے دور کا پاکستان چاہتے ہیں۔وہ ضیاء کی دہشت اور آمریت نہیں چاہتے۔

ضیاء کے مارشل لاء ہٹانے کے وعدے کے بارے میں انہوں نے کہا وہ کہتا ہے کہ شائد چند ماہ لگیں۔یہ ایک مجرم ضمیر کا قول ہے جب اس نے اقتدار پر قبضہ کیا تھا تو 90 روز میں انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا، اب دنوں کی بات ہی نہیں کرتا بلکہ مہینوں کی بات کرتا ہے اگر 90 دن سات سال تک طویل ہو سکتے ہیں تو آپ خود اندازہ لگالیں کہ چند ماہ کتنے سالوں پر محیط ہوں گے۔وہ جو بھی کہتا ہے آپ کو اس کے برعکس یقین کرنا چاہیے۔1977ء میں منتخب حکومت کا تختہ الٹا گیا، وزیراعظم کو قتل کیا گیا، ان کے خاندان، ساتھیوں اور پارٹی کے خلاف اس لیے انتقامی کارروائیاں کی گئیں کہ ہم جمہوری اور ترقی پسند پاکستان کا تصور رکھتے ہیں جہاں عوام عزت اور وقار کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ملک میں عوام کی اکثریت نے میرے عورت اور نوجوان ہونے سے قطعہ نظر مجھے قبول کر لیا ہے۔میں سیاست میں اپنی مرضی سے نہیں آئی ہوں بلکہ حالات نے سیاست میں آنے پر مجبور کیا ہے۔جلاوطنی کی زندگی میں یہاں بہت ناامیدی کی صورت درپیش ہے میں ملک میں ہونا پسندوں کروں گی باوجود اس کے کہ جب میں ملک میں تھی تو میرا کسی سے رابطہ نہیں تھا، یہاں میں روزمرہ کے سیاسی مسائل اور پارٹی امور سے آگاہ ہوں، میں فوجی حکومت کو ہٹانے کے لیے ٹھوس کام کو زیادہ اہم سمجھتی ہوں۔

اگست 1985ء میں بےنظیر بھٹو اپنے بھائی شاہنواز بھٹو کی میت لے کر پاکستان گئیں تو ایک ہفتے بعد جنرل ضیاء کی حکومت نے انہیں تین ماہ کے لیے 70 کلفٹن میں نظر بند کر دیا تھا۔بےنظیر بھٹو نے اپنی نظر بندی کے خاتمے اور پاکستان سے روانگی کے وقت رائٹر کو ایک خصوصی انٹرویو دیا۔

انہوں نے رائٹر کو بتایا عام انتخابات سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ جنرل ضیاء الحق اب تک پاکستان پیپلز پارٹی سے خائف ہے حالانکہ مارشل لاء کے نفاذ کو آٹھ سال ہو گئے ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم کو قتل کیا جا چکا ہے اور ہمارے کارکنوں کو کچل دینے کی کارروائی کی جا چکی ہے۔ اس کے باوجود وہ انتخابی میدان میں ہمارا سامنا نہیں کر سکتے۔ عام انتخابات سے یہ بات بھی عیاں ہو گئی کہ ان میں حصہ لینے والے امیدوار یہ جانتے تھے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کو ہی ووٹ مل سکتے ہیں لہٰذا ان میں سے بہت سے امیدواروں نے خود کو پیپلز پارٹی کا دوست ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ ایک حلقہ انتخاب بہت مشہور ہوا۔ اس حلقے سے کھڑے ہوئے وزیر کو تارا مسیح کا نام دیا گیا، چنانچہ وہ بری طرح ہار گیا۔ مارشل لاء کی بی ٹیم جماعت اسلامی کو بری طرح شکست ہوئی اگرچہ پاکستان پیپلز پارٹی انتخابات سے الگ رہی، پھر بھی اس نے اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔ عام انتخابات اس لیے کرائے گئے کیونکہ مارچ 1986ء میں جنرل ضیاء الحق خود کو امریکی کانگریس کے سامنے ایک ''اچھے بچے'' کی طرح پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ پاکستان میں اپنے جابرانہ اقتدار کو جاری رکھنے کے لیے مزید امداد حاصل کر سکیں۔ یہ عام انتخابات جنرل ضیاء کو اقتدار میں رکھنے اور پاکستان پیپلز پارٹی اور ہمارے ملک کے عوام کو حکومت سے باہر رکھنے کے لیے حربے کے طور پر منعقد کرائے گئے۔ سیاسی صورتحال جوں کی توں ہے، عوام کے حقیقی نمائندے اسمبلیوں کے باہر ہیں اور جو اسمبلیوں کے اندر ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ حکومت کا یہ دعویٰ ہے کہ پچاس فیصد سے زائد عوام نے ان خود ساختہ انتخابات میں حصہ لیا، لیکن میں کہتی ہوں کہ چوبیس فیصد سے زائد لوگوں نے حصہ نہیں لیا اگر عوام ضیاء اور نئی اسمبلیوں کے حامی ہیں تو پھر اس وقت فوجی کارروائی کیوں کی گئی جب میں اپنے عزیز ترین بھائی شاہنواز بھٹو کی میت کے ساتھ کراچی پہنچی؟ جنازے میں پانچ لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی جس سے انتظامیہ اس قدر بوکھلا گئی کہ اس نے میری گرفتاری کا حکم دے دیا۔ حکومت کا ڈھانچا اتنا کمزور ہے کہ وہ ایک غم زدہ بہن کے ملک کے دورے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ ایک غم زدہ بہن ہی نہیں بلکہ پورا اوفاق اپنے حقوق کے غصب ہونے پر غمزدہ ہے، میری گرفتاری کے لیے یہ بہانہ تراشا گیا کہ میں ''دہشت گردوں کے رشتہ داروں کے پاس تعزیت کرنے کے لیے جانے والی تھی، ان کا اشارہ میرے بھائی ناصر بلوچ شہید اور ایاز سموں شہید کی طرف تھا جنہیں قبل ازیں فوجی عدالتوں کے حکم پر پھانسی دی گئی۔

پاکستان پیپلز پارٹی ایاز سموں اور ناصر بلوچ کی کسی بھی غیر جانبدار بین الاقوامی ٹریبونل کے سامنے بے گناہی ثابت کرنے کو تیار ہے کیا یہ حکومت ہمارا چیلنج قبول کرنے کو تیار ہے؟ چیلنج کی جب بات ہو رہی ہے تو میں فوج کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور فوج کے وزیر اعلیٰ غوث علی شاہ کو چیلنج کرتی ہوں کہ وہ ملیر میں ناصر بلوچ شہید کے بیٹے اور لیاری میں ایاز سموں کی بہن کے مقابلے میں کھڑے ہو کر دکھائیں، لیاری اور ملیر کے عوام ان طاقتور جاگیرداروں اور مارشل لاء کے خادموں کو ایسی شرمناک شکست دیں گے کہ ان کی آنے والی نسلیں بھی اس شرمندگی کو نہیں بھولیں گی۔ میں جنرل ضیاء کو یہ نہیں کہتی کہ وہ ملیر اور لیاری سے کھڑے ہوں کیونکہ انہیں تو مجھ سے مقابلہ کرنا ہے وہ اگر لاڑکانہ سے خوفزدہ ہیں تو وہ اپنی پسند کا حلقہ منتخب کریں پاکستان میں ہر حلقہ مجھے قابل قبول ہے کیونکہ ملک کی زمین کے ہر ذرے پر یہ تحریر ہے کہ ہمارے والد نے اس ملک اور یہاں کے عوام کے لیے کیا کیا خدمات سرانجام دیں۔ جنرل ضیاء الحق کو چاہیے کہ وہ مجھے قید کرنے کی بجائے میرا سامنا کریں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مجرم کی بیٹی ہوں اور وہ مومن ہیں! اس کا فیصلہ پاکستان کے عوام کو کرنے دیں۔ سیاسی صورتحال کا اندازہ صرف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنرل ضیاء خوف میں مبتلا ہیں اور اس خوف کے نتیجے میں ہمارا ملک اور ہمارے عوام مصیبت اٹھا رہے ہیں وہ تمام ادارے جو انتہائی جانفشانی سے قائم کیے گئے تھے۔ پاکستان کے عوام نے اس ملک کے لیے اپنا خون پسینہ اور آنسو بہائے ہیں جب تک اداروں کے ذریعے عوام کی حمایت حاصل نہ کی جائے۔ ملک میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا۔ خوشحالی، ترقی، ٹیکنالوجی کی ترقی اور سائنسی علم سماجی اور ثقافتی فروغ، عوام اور ملک کی ترقی کا انحصار صرف جمہوریت کی حکمرانی پر موقوف ہے اگر جنرل ضیاء کو عوام کی حمایت پر اتنا ہی اعتماد ہے تو پھر ایسی صورت میں منصفانہ آزادانہ اور ایسے غیر جانبدارانہ انتخابات کے انعقاد میں کیا نقصان ہے۔ جن میں تمام جماعتوں اور شخصیتوں کو بغیر کسی پیشگی شرائط کے حصہ لینے کی اجازت ہو؟ اگر ایسا ہوا تو اس سے فیڈریشن کو استحکام ملے گا انہیں ایسے انتخابات سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ملک کو نقصان پہنچنے سے یہ بہتر ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی جیت جائے۔

شاہنواز بھٹو کی المناک موت

بعض حقیقتیں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ شاہنواز بھٹو کی اچانک موت بھی ایسی ہی سنگین حقیقت تھی۔

18 جوالائی 1985ء کو جب شاہنواز بھٹو کی پراسرار موت کی پہلی خبر آئی تو اس پر یقین کرنے کو دل آمادہ نہ ہوا۔ یہ المناک خبر سن کر ایک ہنستا مسکراتا شاداب چہرہ آنکھوں کو اشکبار کر گیا اور اس منحوس خبر کی تصدیق ہوئی تو ذہن ایک دم شل ہو گیا۔ یہ کیفیت کسی ایک شخص کی نہیں تھی بلکہ اس درد کی شدت کو ہر گھر میں محسوس کیا گیا جس نے بھی یہ جاں گسل خبر سنی، اس کا دل پارہ پارہ ہو گیا اور اس نے مغموم لہجے میں اسے نا قابل یقین جان کر یہی دعا کی کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو۔

بیگم بھٹو کو اپنے اس چھوٹے چہیتے بیٹے سے بے حد محبت تھی۔ ان کا ممتا بھرا دل اور لاڈلے بیٹے کی دائمی جدائی کا صدمہ۔ الفاظ بھی اسے بیان کرنے سے کانپتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے بھی وہ بے حد قریب تھا اپنے خوبصورت پیارے جوان بھائی کے یوں بچھڑ جانے کا صدمہ ان کے لیے نا قابل برداشت تھا۔ شاہنواز کی موت پر مرتضٰی بھٹو کا بازو کٹ گیا دونوں بھائی ایک دوسرے سے والہانہ پیار کرتے تھے۔ صنم بھٹو کے صدمہ کا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی تھے۔ شاہنواز کے دوست، چاہنے والے ساتھی اور پارٹی کے کارکنوں نے ان کی موت پر جتنے اشک بہائے وہ رنجور دلوں کی ترجمانی نہیں کر سکتے۔

شاہنواز کی بھرپور جوانی میں موت کا ایک بہت بڑا پس منظر ہے۔ ان کی زندگی پچھلے کئی سالوں سے ایک طوفانی دور سے گزر رہی تھی۔ انہوں نے اپنی جوانی کے بہترین سالوں کو انقلاب کی نذر کر دیا تھا اور زندگی کی رعنائیوں، خوبصورتی اور دلچسپیوں کو ترک کرنے کا فیصلہ گہری سوچ اور

پختہ شعور سے کیا تھا۔ اپنی تعلیم، مستقبل اور عیش وآرام ایک نصب العین کے نام وقف کر دیا۔ یہ نصب العین ملک سے مارشل لاء کا خاتمہ اور عوام کو ان کے جمہوری حقوق کی بازیابی تھا۔ اپنے والد کی زندگی بچانے کے لیے موثر کوششیں اور عالمی سطح پر مہم کے باوجود فوجی حکمرانوں نے رات کے اندھیرے میں بڑی سفاکی کے ساتھ جناب بھٹو کو شہید کر دیا تو اس سانحہ نے شاہنواز بھٹو کی زندگی کا دھارا بدل دیا اور انہیں زندگی کے ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا، جہاں وقت نے انہیں انقلابی سیاست کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

بیگم صاحبہ نے 1975ء میں ایک انٹرویو میں اپنے دونوں چھوٹے بچوں شاہنواز اور صنم کے بارے میں کہا تھا کہ بڑی بیٹی بے نظیر اور بیٹے مرتضیٰ کو سیاست سے گہری دلچسپی ہے لیکن شاہنواز اور صنم کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں ان کی ہم سے ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ ہم انہیں زیادہ وقت نہیں دیتے۔ سینما اور پکنک پر لے کر نہیں جاتے۔ والدین کی بھرپور شفقت میں اس کمی کی وجہ سے وہ سیاست کو پسند نہیں کرتے تھے مگر جولائی 1977ء کو جب ذوالفقار علی بھٹو کی عوامی حکومت کا تختہ الٹ کر مارشل لاء نافذ کر کے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا گیا تو سیاست کو ناپسند کرنے والا یہی نوجوان اپنی ہمشیرہ بے نظیر بھٹو کے ہمراہ لاہور دورہ پر آیا اور بیگم نادرہ خاکوانی کے ہاں پارٹی کارکنوں سے ملاقات کی۔ لاہور میں دو دن کا قیام سیاست میں شاہنواز کا پہلا عملی قدم تھا یہیں میر شاہنواز سے تعارف ہوا۔ شاہنواز اپنے والد اور والدہ کی ہدایت پر تعطیلات گزرانے کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے سوئٹزرلینڈ چلے گئے اور پھر 18 مارچ 1978ء کو جناب بھٹو کو پھانسی کی سزا کے فیصلہ کے بعد وہ جون میں اپنے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کے پاس لندن چلے آئے۔ میر مرتضیٰ بھٹو اس وقت اپنے والد کے لیے عالمی مہم کے سلسلے میں بے حد مصروف تھے اور مختلف ملکوں کے دورے کر رہے تھے ان کی رہائش پاکستانی سفارتخانے کے ساتھ ملحق فلیٹ میں تھی۔ دونوں بھائیوں کے اس فلیٹ میں رہائش اختیار کرنے پر پاکستانی ہائی کمیشن کے اہلکار بڑے پریشان تھے۔ ہر رات ''شہید بھٹو کے اسٹیکر'' سفارتخانے کی بلڈنگ کے دروازوں پر لگائے جاتے تھے جسے وہ روزانہ اتارتے تھے۔

اس وقت میر مرتضیٰ کا تمام تر وقت بھٹو صاحب کی سزائے موت کے فیصلہ کے خلاف عالمی مہم میں گزرتا تھا اور شاہنواز اپنے بھائی کے لیے اس وقت بڑے مددگار ثابت ہوئے۔ انہوں نے جس طرح میر مرتضیٰ بھٹو کا ہاتھ بٹایا اس سے ان کی ذہانت، صلاحیت اور اوصاف اجاگر ہوتے

گئے۔شاہنواز کے اپنے تصورات تھے، اپنے منصوبے تھے اور وہ ان منصوبوں کے خاکوں میں رنگ بھرنے کی صلاحیت سے بھی آ گاہ تھے لیکن وہ اپنے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں میں بڑی یگانگت اور قابل رشک محبت تھی۔ شاہنواز بھٹو کے اعلیٰ سطح پر کئی اہم عالمی شخصیات کے ساتھ تعلقات تھے اور اس نے سب کو حیران کر دیا تھا۔ ایران میں شاہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد امام خمینی کے پیروکار اقتدار میں آئے تو شاہنواز نے نئی حکومت میں اپنے اعلیٰ ذرائع کے توسط سے مختصر وقت میں امام خمینی سے ملاقات کا اہتمام کیا اور حکومت کے مہمان کی حیثیت سے دونوں بھائیوں کو ایران مدعو کیا گیا امام خمینی نے انہیں یقین دلایا تھا کہ ان کے والد کو کچھ نہیں ہوگا۔ ایرانی زعماء نے اس وقت فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء سے رابطہ کیا تھا۔ حکومت کے ان اقدامات کو ایرانی اخبارات میں بھی نمایاں طور پر شائع کیا گیا تھا۔ شاہنواز پی ایل او کے چیئرمین جناب یاسر عرفات کے پرستار تھے۔ یاسر عرفات بھی انہیں بے حد عزیز رکھتے تھے اور ایک بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے۔ ان سے ہمیشہ طویل ملاقاتیں رہتی تھیں۔ یاسر عرفات نے شاہنواز کو اپنی خاص آٹوگراف شدہ تصویر دی تھی جسے وہ اپنے کمرے میں آویزاں رکھتے تھے۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے 7,6 اپریل کو لندن میں جناب بھٹو کے مقدمہ قتل کے بارے میں ایک بین الاقوامی کنونشن کا اہتمام کیا تھا جس میں دنیا بھر کے معروف اور ممتاز قانون دان مدعو کیے گئے تھے۔ اس کنونشن کے لیے بھی شاہنواز نے بڑی محنت سے کام کیا۔ اس مقصد کے لیے ریجنٹ اسٹریٹ میں ایک عارضی دفتر لیا گیا جہاں دونوں بھائی صبح سے شام تک کام کرتے تھے۔

میر مرتضیٰ اور شاہنواز نے بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد باوقار طریقے سے کنونشن کے انتظامات کو حتمی شکل دی۔ کنونشن کے دوران بھی انہوں نے اس عظیم سانحہ کو اپنے عمل و کردار سے ظاہر نہیں ہونے دیا اور بڑے نظم وضبط سے دو روزہ کنونشن کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ دنیا بھر کے وکلاء نے وزیر اعظم پاکستان کے خلاف مقدمے کو جھوٹا اور انہیں ناانصافی سے قتل کرنے کا فیصلہ قرار دیا۔ دنیا کے یہ ممتاز قانون دان جناب بھٹو کے دونوں بیٹوں کی ہمت سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔

4 اپریل کے بعد سوگوار ایام میں تعزیت کرنے والی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں لیکن شاہنواز اور میر مرتضیٰ کی آنکھ میں کسی نے آنسو چھلکتے نہیں دیکھا۔ شاہنواز کہتے تھے "مجھے

یقین نہیں آ رہا کہ پاپا چلے گئے ہیں وہ زندہ ہیں اور یہیں کہیں ہیں کسی بھی وقت آنکھوں کے سامنے آ جائیں گے۔"

اپریل کے آخری دونوں میں میر مرتضٰی بھٹو لندن چھوڑ کر چلے گئے لیکن شاہنواز اپنی تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ بھائی کے مشن میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے نہایت چابکدستی سے متعلقہ امور انجام دیئے اور مساوات ویکلی کی اشاعت میں عملی دلچسپی لے کر اسے بھی اپنے فرائض میں شامل کر لیا۔ ادھر فوجی حکومت شاہنواز کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں تھی، اس کے کارندے سائے کی طرح ان کا پیچھا کرتے تھے چنانچہ فوجی حکومت کے کارندوں نے شاہنواز کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن اس کی بروقت اطلاع ملنے سے وہ اپنے ناپاک عزائم پورے نہ کر سکے۔ 1979ء کے وسط میں شاہنواز کو خبردار کیا گیا کہ انہیں قتل کرنے کے لیے فوجی حکومت نے کسی آدمی کو مامور کیا ہے اس لے وہ کبھی اکیلے فلیٹ سے باہر نہ نکلتے اور ہمیشہ خاص دوستوں کی معیت میں باہر جاتے اسی دوران انہوں نے پی ایل او کے چیئرمین یاسر عرفات کی دعوت پر بیروت جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک یاسر عرفات کے مہمان رہے اور یہ عرصہ فلسطینی مجاہدوں کے کیمپوں میں گزارا اور جب ڈیڑھ ماہ بعد لندن لوٹے تو ان کے بدن پر فلسطینی مجاہدوں کے کیمپوں میں گزرے ہوئے دنوں کی مکمل کہانی لکھی ہوئی تھی۔ شاہنواز نے یہ بھی بتایا تھا کہ ایک دن کچھ لوگوں نے ان کی کار کا پیچھا کیا اور بم پھینک کر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن فلسطینی محافظوں کی چابکدستی کی وجہ سے وہ بچ گئے۔

☆☆☆

ویانا سے ممتاز صحافی خالد حسن کے فون نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا "یہ کیسے ہو سکتا ہے شاہنواز خودکشی نہیں کر سکتا۔" ایک طویل عرصے بعد بھٹو صاحب کا سارا خاندان فرانس کے خوبصورت ساحلی شہر کینز میں جمع تھا۔ بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو جنرل ضیاء الحق کی قید سے رہائی کے بعد مرتضٰی اور شاہنواز اکٹھے ہو رہے تھے ابھی بھٹو خاندان نے چند خوشگوار دن ساتھ گزارے ہی تھے کہ ان پر ایک اور غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

بے نظیر بھٹو کا جب سسکیوں اور آنسوؤں میں ڈوبا ہوا فون آیا تو میرے لیے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا میں نے بی بی سے کہا میں آپ کے ساتھ پاکستان جاؤں گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ

وہاں پکڑے جائیں گے۔میرا جواب تھا کہ اگر میں شاہنواز کی میت کے ساتھ بھی نہ جاسکوں تو پھر میرا آپ کے ساتھ ہونے کا کیا فائدہ۔

شاہنواز کی ناگہانی موت کے ایک ہفتے بعد بے نظیر بھٹو 26 جولائی کو لندن آئیں۔ان کا قیام بہت مختصر تھا۔ان کی آمد سے قبل یہ اعلان کیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کو صبح دس بجے سے 12 بجے تک ''عمل''، میگزین کے دفتر آئیں گی اور اسی دوپہر واپس فرانس چلی جائیں گی۔صبح ہی سے تعزیت کرنے والوں کا ہجوم شروع ہو گیا۔بے نظیر بھٹو ماتمی لباس میں دفتر آئیں۔ہجوم کی وجہ سے دفتر میں جگہ نہیں تھی۔لوگ سڑک اور سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔

بے نظیر بھٹو کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔کمرے میں شاہنواز کی تصویر آویزاں تھی۔خواتین نے بے نظیر سے ان کے بھائی کی موت پر تعزیت کی تو ہچکیوں اور رونے کی آواز سے کمرہ ماتم کدہ بن گیا۔انہوں نے اپنے بھائی کی موت کے بارے میں مختصراً بتایا اور آخری رات کی ملاقات کا حال سنایا۔خواتین کے زاروقطار رونے سے بے نظیر کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا بے حد مشکل ہو رہا تھا۔اس کے بعد خواتین اٹھ کر دوسری طرف چلی گئیں لیکن ان کی نمناک آنکھوں اور اداس چہروں پر غم والم کی کہانی لکھی ہوئی تھی۔

خواتین کے بعد مرد حضرات نے تعزیت شروع کی۔یہ منظر بڑا دردناک تھا اور پورا دفتر سوگ میں ڈوبا ہوا تھا۔لندن میں مقیم پارٹی کے تمام رہنما تعزیت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ان میں سینئر رہنماؤں کے علاوہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے والے کارکن بھی شامل تھے۔بے نظیر بھٹو نے ملکی وغیر ملکی اخبار نویسوں کے سامنے شاہنواز کی پراسرار موت پر روشنی ڈالتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ شاہنواز طبعی موت نہیں مرا اور جیسے ہی شاہنواز کا جسد خاکی انہیں ملا وہ اسے پاکستان لے کر ضرور جائیں گی تاکہ پاکستان کے عوام کو بتائیں کہ فوجی ڈکٹیٹر نے شہید بابا کے بعد ان کے نوجوان بیٹے کو بھی شہید کر دیا۔

بے نظیر بھٹو کا کہنا تھا کہ موت سے ایک دن قبل شاہنواز اپنی بیوی اور بیٹی کے ہمراہ ہمارے ساتھ تھا۔مسز بہجت ہریری اور ان کے شوہر بھی وہاں تھے سب رات دیر تک باتیں کرتے رہے۔شاہنواز یہ وعدہ کر کے رخصت ہوا تھا کہ صبح وہ مجھے سیر کے لیے لے جائے گا لیکن کسے علم تھا کہ کل ہماری ملاقات نہیں ہوگی۔

آخری ملاقات کے وقت وہ بالکل تندرست اور خوش وخرم تھا اگلے دن جب شاہنواز کی بیوی نے فون پر موت کی خبر دی تو میرے جسم سے جان نکل گئی۔ شاہنواز کی موت کا علم اس وقت ہوا جب اس کی بیٹی اسے جگانے گئی کیونکہ وہ ہر روز صبح سیر کے لیے جاتا تھا وہ اپنی بیٹی سے ہمیشہ کہا کرتا تھا میں تمہیں اپنے گھر لاڑکانہ لے کر جاؤں گا وہ مجھ سے کہا کرتا تھا اپنے شہید والد کا مزار دیکھنا چاہتا ہوں لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں تھا وہ مجھ سے اکثر پوچھتا تھا شہید بابا کا مزار کس طرف ہے اس کا محل وقوع معلوم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

ایک بیٹی اور بہن کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنے بھائی کی میت پاکستان لے کر جاؤں اور اپنے آباؤاجداد کے قبرستان میں دفن کروں جو اس کے والد، دادا اور دوسرے بزرگوں کی آخری آرام گاہ ہے۔ مجھے اس بات کی فکر نہیں کہ وہاں مجھے گرفتار کرلیا جائے گا میں ہر حالت میں میت کے ساتھ پاکستان جاؤں گی یہ سیاسی مسئلہ نہیں ہے ایک بہن اپنے بھائی کی میت کو دفن کرنے کے لیے اپنے ملک لے جائے گی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک طرف فوجی ڈکٹیٹر تعزیت کا پیغام بھیجتا ہے دوسری طرف پاکستان میں پارٹی کے کارکنوں کو گرفتار کیا جارہا ہے اگر حکومت اس مسئلہ کو سیاسی بناتی ہے تو اس کی مرضی، ہمارے خاندان کے لیے یہ ایک انسانی مسئلہ ہے۔ بے نظیر بھٹو دوٹوک الفاظ میں اعلان کرتی ہیں کہ وہ اپنے بھائی کی میت کو لے کر پاکستان جائیں گی اور شاہنواز کو اس کے والد اور آباؤاجداد کے پہلو میں سپرد خاک کیا جائے گا۔ ان کے اس اعلان سے فوجی انتظامیہ میں ہلچل مچ جاتی ہے۔

بے نظیر بھٹو کے اس اٹل فیصلہ اور عزم سے فوجی حکومت واقف تھی۔ وہ عوام کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے یہ اعلان کررہی تھی کہ بے نظیر کو آنے کی آزادی ہے اور انہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ پیرس میں پاکستانی سفارتخانہ کاغذات کی رسمی کارروائی میں تاخیری حربے استعمال کررہا تھا۔ 6 اگست کو شاہنواز کی میت ملنے کے بعد سفارتخانہ چوبیس گھنٹے میں رسمی اجازت دینے کی اطلاع دیتا ہے مگر اس عمل میں دو ہفتے ضائع کر کے اہل خاندان کو ذہنی اذیت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ فوجی انتظامیہ کے اشارے پر لیت ولعل اور دوسرے حربے اس لیے اختیار کیے جاتے ہیں تاکہ میت 14 اگست یوم آزادی کے روز پاکستان نہ جاسکے۔ فوجی انتظامیہ کی احتیاطی تدابیر کی حکمت عملی کا یہ بھی حصہ ہے تاکہ لاڑکانہ میں شاہنواز کے جنازے میں لوگوں کو شرکت سے روکا جائے۔ سفارتخانے

کے ان تاخیری حربوں کے لیے جواز تلاش کیے جاتے ہیں مگر فوجی جنتا کے یہ ہتھکنڈے بے نقاب ہونے پر دنیا بھر میں اس طرز عمل کو شرمناک قرار دیا گیا۔ آخرکار 19 اگست کو رسمی کارروائی ہونے کے بعد شاہنواز کے آخری سفر کا انتظام ہوتا ہے۔ پہلے میت کو فرینکفرٹ سے مغربی جرمنی کی ایئر لائن سے لے جانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے پھر سنگاپور ایئر لائن سے 20 اگست کو براستہ زیورچ شاہنواز کا جسد خاکی لے جانے کا فیصلہ ہوتا ہے۔

شاہنواز کی میت کے ساتھ پاکستان جانے کی حتمی تاریخ کے بعد عالمی پریس بے نظیر بھٹو سے ملنا چاہتا ہے۔ لندن ویک اینڈ ٹیلی ویژن کی معروف رپورٹر مس جین کوبرن جنوبی فرانس جا کر بے نظیر کا انٹرویو کرنا چاہتی ہیں جسے اسی شام چینل فور پر سات بجے کی خبروں میں نشر کرنا مقصود ہے لیکن مناسب فلائٹ نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح دوسرے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیاں پاکستان روانگی سے قبل بے نظیر سے بات چیت کرنے کی خواہشمند تھیں اپنے جوان بھائی کی میت کے ہمراہ پاکستان جانے کے جرات مندانہ فیصلہ میں جو خطرات مضمر تھے۔ اس سے عالمی پریس آگاہ تھا اور بے نظیر سے ملاقات میں بھی یہی پیشہ ورانہ خواہش پنہاں تھی۔ روانگی کے وقت کے اعلان کے بعد کئی صحافی زیورچ پہنچ جاتے ہیں۔ نیوز ویک کی پیرس میں چیف بیورو مس رتھ مارشل خصوصی طور پر بے نظیر کی روانگی کی رپورٹ کرنے اور ان سے بعض سوالات پوچھنے کے لیے آئی تھیں۔

اپنے بھائی شاہنواز کی میت سنگاپور ایئر لائن کے حکام کے سپرد کرنے کے بعد بے نظیر بھٹو وی آئی پی لاؤنج میں آتی ہیں۔ بھائی کی جدائی کا غم ایک ماہ کا کرب مسلسل ان کے چہرے پر جھلک رہا ہے۔ صنم بھٹو بھی غم کی تصویر نظر آ رہی ہیں۔ بھائی کی جدائی کا درد ان کی آنکھوں سے رواں تھا۔ ایئر پورٹ روانگی سے تھوڑی دیر پہلے بی بی پھر مجھ سے کہتی ہیں کہ میں پاکستان نہ جاؤں مگر میں انہیں اپنے اٹل فیصلے سے آگاہ کرتا ہوں۔

غیر ملکی صحافی اس مغموم اور افسردہ فضا سے بے حد متاثر تھے۔ بے نظیر صبر کا مجسمہ بنی ہوئی تھیں، مگر جب صحافیوں سے بات چیت کرتیں تو ضبط کے بند ٹوٹ جاتے۔ بھائی کی محبت اور مستقل جدائی میں ان کا دل خون خون تھا اور دل کا یہ لہو ان کی آنکھوں میں امڈ آتا تھا۔

بے نظیر کمال ضبط سے صحافیوں کو بتاتی ہیں جب میرے والد کا سایہ سر سے اٹھا تو میری عمر 26

سال تھی لیکن میرے بھائی کی بیٹی کی عمر صرف تین سال ہے اس کا باپ نہیں رہا ہے۔بیگم صاحبہ کی حالت بیان کرتے ہوئے وہ کہتی ہیں میری ماں بیمار ہے انہیں میری ضرورت ہے میں کوئی سیاسی بیان نہیں دوں گی میں اپنے بھائی کو واپس اس کے ملک لے جارہی ہوں جہاں اس کے اجداد مدفون ہیں اپنی گرفتاری اور زندگی کو درپیش خطرہ کے بارے میں سوال کے جواب میں کہتی ہیں۔ہم عوام کے لئے لڑ رہے ہیں۔اس لیے لوگ ہمارے غم میں شریک ہیں اگر ہم ان کے ساتھ نہ ہوتے،اگر ہم ان کے وقار،عزت اور حقوق کے لیے نہ لڑے ہوتے تو یہ نہ ہوتا عوام کی جنگ میں ہمیں جو مشکلات درپیش ہیں ہم ان کا مقابلہ کریں گے میں پہلی مرتبہ آزاد شہری کی حیثیت سے واپس جارہی ہوں مگر مجھے یہ علم نہیں کہ میں آزاد رہوں گی یا نہیں۔

صحافیوں سے بات چیت کے بعد بے نظیر برطانیہ اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے پارٹی کارکنوں کو مختلف امور کے بارے میں ضروری ہدایات دیتی ہیں،اب فلائٹ کی روانگی کا وقت ہے۔وہ اپنی ہمشیرہ صنم بھٹو،پھوپھی مسز نسیم الاسلام اور ہمراہ جانے والے دیگر ساتھیوں کے ساتھ جہاز میں آتی ہیں۔وطن واپسی کا سفر شروع ہورہا ہے یہ سفر درد کا سفر ہے اس قافلہ درد میں شریک ہم سفر بے نظیر بھٹو اور ان کی ہمشیرہ صنم بھٹو کے سانحہ کو دل کی گہرائیوں سے سمجھتے ہیں سب اس دکھ کو دل میں سما کر ساتھ جارہے ہیں اور بہنیں اپنے پیارے بھائی کی یاد دل میں لے کر اسے آخری آرام گاہ پہنچانے کے بارے میں اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی ہیں۔دونوں ایک دوسرے کا غم بانٹتی ہیں۔اس دوران بے نظیر بھٹو اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے کاغذات اور اخباری تراشے بھی دیکھتی ہیں۔

22 اگست کی صبح تقریباً آٹھ بجے سنگاپور ایئر لائن کی فلائٹ کراچی پہنچتی ہے۔ایئر پورٹ پر موت کا سکوت طاری ہے۔سنگاپور ایئر لائن کے جہاز کو مسلح کمانڈوز نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ پولیس اور سادہ لباس میں ایجنسیوں کے اہلکاروں کے علاوہ بغیر وردی کے فوجی حکمران بھی موجود ہیں۔قریب ہی ایک فوکر طیارہ کھڑا ہے وہاں بھٹو خاندان کے افراد بھی نظر آتے ہیں جو اداس نظروں سے ہمارے جہاز کو دیکھ رہے ہیں۔ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔اسی اثنا میں شاہنواز کی میت فوکر جہاز میں منتقل کرنے کے لیے لائی جاتی ہے وہاں موجود خواتین سراپا احتجاج ہیں لیکن فوجی حکام انہیں میت دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔شاہنواز کی میت پاکستان پیپلز

پارٹی کے پرچم اور گلاب کے پھولوں میں لپٹی ہوئی ہے۔اب مسافروں کو جہاز میں فنی خرابی کے اعلان کی اصل وجہ سمجھ آتی ہے جہاز میں باوردی عملہ اور فوجی حکام سادہ لباس میں آتے ہیں۔بے نظیر اور صنم اپنی نشستوں پر بیٹھی ہیں۔امیگریشن میں تاخیر ان کے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ادھر باہر رشتہ داروں اور عزیزوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔وہ اس بہن کو دیکھنے کے لیے بے چین ہیں جو اپنے جوان بھائی کی میت لے کر پاکستان آئی ہے۔فوکر میں خالی سیٹیں نہ ہونے کی وجہ سے بے نظیر ہمراہ آنے والے تین ارکان کو بھی لاڑکانہ ساتھ لے جانے کی ہدایت کرتی ہیں۔

فوکر طیارہ میں شاہنواز کی میت رکھی جا چکی ہے۔پی آئی اے،سکیورٹی،مارشل لاء اور ایف آئی اے کا عملہ سکتے کے عالم میں ہے اور وہاں مکمل سناٹا ہے۔اس اثنا میں بے نظیر جہاز سے باہر نکلتی ہیں۔ان کی آنکھیں غم سے سرخ ہیں۔انہیں دیکھتے ہی فضا سسکیاں لینے لگتی ہے۔بے نظیر گلے مل کر رونے والی عزیزوں اور سہیلیوں کو دلاسہ دے رہی ہیں وہ خود حوصلے اور صبر و تحمل کی بے نظیر مثال بنی ہوئی ہیں۔

اب فوکر موہنجوداڑو کے لیے مائل پرواز ہے۔ایئر ہوسٹس پرواز کے دوران شاہنواز بھٹو کی موت پر بے نظیر سے تعزیت کا اظہار کرتی ہیں۔کراچی ایئرپورٹ پر سخت ترین پہرے اور پابندیوں کے بعد پہلی مرتبہ انسانی رشتہ کی جھلک نظر آتی ہے ورنہ کراچی ایئرپورٹ پر تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے درندگی کے کسی جزیرے میں آ گئے ہوں جہاں ان لوگوں کا راج ہے جنہیں انسانی رشتوں کا احترام ہے نہ پاس۔

موہنجوداڑو ایئرپورٹ پر پابندیوں کے باوجود ہزاروں لوگ جمع ہیں۔تہذیب قدیم کے امین موہنجوداڑو پر انسان ہی انسان نظر آ رہے ہیں۔ان میں ننگے بدن بھی ہیں،پیوند لگے کپڑوں میں ملبوس بھی،وہ بھی جن کے چہرے مفلسی اور ناداری کا پتہ دیتے ہیں۔ان کے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور سینوں پر شاہنواز کی تصویر کے بیج لگے ہوئے ہیں۔سب کی نظریں فوکر طیارے پر لگی ہوئی ہیں سب اپنے قائد کی بیٹی کا انتظار کر رہے ہیں آج ایک بہادر باپ کی بیٹی آ رہی ہے جسے موت کا بھی خوف نہیں۔

بے نظیر جہاز سے باہر نکلتی ہیں رشتہ دار خواتین سے ملتی ہیں وہ ایک وقار سے اپنے بھائی کی موت کا غم چھپائے ہوئے ہیں لیکن اس صورتحال میں جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔

ایئرپورٹ پر موجود لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں اور ہر طرف سسکیوں، آہوں اور ماتم کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔شاہنواز کا جسد خاکی ایک ایمبولینس میں منتقل کیا جاتا ہے اور ہوائی اڈے سے المرتضیٰ کا سفر شروع ہوتا ہے یہ جلوس لاڑکانہ کا تاریخی جلوس ہے کم وبیش دس ہزار کاریں، ٹرک، وین، موٹرسائیکل اور بسوں پر مشتمل یہ جلوس اتنا بڑا ہے کہ جلوس کا ایک سرا المرتضیٰ پہنچ جاتا ہے اور دوسرا حصہ ابھی ہوائی اڈے پر ہی ہے ہماری گاڑی ڈیڑھ گھنٹے بعد المرتضیٰ پہنچتی ہے۔

لاڑکانہ پہنچ کر المرتضیٰ میں داخل ہونا بڑا مشکل ہے زیورچ سے ''رائٹر'' کا فوٹوگرافر ہمارے ساتھ ہے لوگوں کے اس قدر ہجوم کو دیکھ کر وہ حیران ہے اسے اندر جانے کا راستہ نہیں مل رہا اور بڑی مشکل کے ساتھ المرتضیٰ کے گیٹ سے گزرتا ہے المرتضیٰ کی دیواروں پر ضیاء اور امریکہ قاتل کے پوسٹر لگے ہوئے ہیں۔دیواروں پر ایسے پوسٹر لگائے گئے ہیں۔جن میں شاہنواز بھٹو کی تصویر کے ساتھ اسٹین گن دکھائی گئی ہے۔المرتضیٰ اور لاڑکانہ میں ہزاروں کی تعداد میں مارشل لاء کے خلاف بینرز لگے ہوئے ہیں۔ان پر سیاسی قیدیوں کی رہائی 73ء کے آئین کی بحالی اور مارشل لاء کے خاتمے کے مطالبے درج ہیں۔

بےنظیر بھٹو ایئرپورٹ سے سیدھی گڑھی خدا بخش جاتی ہیں اور بھٹو شہید کے مزار سے 33 فٹ کے فاصلے پر شاہنواز کی آخری آرام گاہ کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے واپس المرتضیٰ آتی ہیں۔ شاہنواز کی میت کو غسل دیا جاتا ہے اور صرف خواتین ان کا آخری دیدار کرتی ہیں۔لاڑکانہ کے اسپورٹس اسٹیڈیم میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے۔ہزاروں لوگ پہلے ہی گڑھی خدا بخش پہنچ جاتے ہیں۔لاڑکانہ سے گڑھی خدا بخش تک لوگ ہی لوگ ہیں جنازہ ایمبولینس میں گڑھی خدا بخش پہنچتا ہے تو ہجوم بے قابو ہو جاتا ہے۔پیپلز پارٹی کے پرچم میں لپٹی ہوئی میت سوگواروں کے کندھے پر تدفین کے لیے آتی ہے اور خاندان کے افراد اسے لحد میں اتارتے ہیں۔گڑھی خدا بخش میں بھٹو خاندان کا چھوٹا سا آبائی قبرستان بین الاقوامی توجہ کا مرکز ہے یہاں آج دنیا کے ہر ملک کے بااثر اخبار کے نمائندے آئے ہوئے ہیں۔اب شام ہو رہی ہے ہزاروں سوگوار پھر المرتضیٰ آتے ہیں، وہ بےنظیر بھٹو کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں کئی سال سے انہوں نے اپنی قائد کو نہیں دیکھا ہے۔
اپنے بھائی کی تدفین کے بعد غم سے نڈھال بہن سوگواروں سے خطاب کرتے ہوئے کہتی

ہیں۔''میں اپنے بھائی کی موت کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کروں گی، مگر پاکستان کے عوام کا ہر دکھ میرا دکھ ہے۔شاہنواز کی موت میرا ذاتی غم نہیں بلکہ اس سے پوری قوم غمگین ہوگئی ہے۔مجھے فخر ہے میرا بھائی شاہنواز باعزت طور پر پاکستان واپس آیا ہے چند سال پہلے جب میں نے لاڑکانہ چھوڑا تھا تو اس وقت میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میں اپنے بھائی کی میت لے کر اپنے گھر واپس آؤں گی آج ہر شخص جانتا ہے کہ ہم نے کتنی مصیبتیں اٹھائی ہیں، لیکن ہم نے ہر مصیبت کا مقابلہ کیا ہم بھٹو شہید کے مشن کو جاری رکھیں گے۔عوام کے لیے غربت و ناانصافی کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھیں گے۔شاہنواز صرف میرا بھائی نہیں آپ بھی اسے اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔میں آپ کی بہن ہوں اور ہر مرحلے پر آپ کے ساتھ رہوں گی میرے احساسات وہی ہیں جو آپ کے ہیں اور ہمارا راستہ ایک ہی ہوگا۔''

جمعہ کو سوئم ہے۔بے نظیر علی الصبح عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ چھوٹے بھائی کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے جاتی ہیں یہ منظر بڑا رقت انگیز ہے سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔صنم بھٹو اپنے بڑے بھائی مرتضیٰ کی طرف سے پھولوں کی چادر چڑھاتی ہیں۔

بے نظیر شاہنواز کی قبر پر گلاب کے پھول چڑھاتی ہیں۔شاہنواز بھٹو کے آخری سفر میں ان کی والدہ بیگم نصرت بھٹو شریک نہیں تھیں۔انہوں نے اپنے بیٹے کو جنوبی فرانس سے ہی الوداع کر دیا تھا۔ایک ممتا بھرے دل پر کیا بیت رہی ہوگی، اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا میر مرتضیٰ بھٹو بھی چھوٹے بھائی کو کندھا نہیں دے سکے، ماں اور بھائی کے فرض کا بوجھ بھی بڑی بہن کے ناتواں کندھوں پر تھا۔بے نظیر نے وطن اور والدہ کی امانت واپس لوٹا دی۔بے نظیر نے بیٹی اور بہن کا فرض ادا کر دیا اس فرض کی ادائیگی میں بڑے سے بڑا خطرہ بھی انہیں نہیں روک سکا۔لاڑکانہ پہنچنے کے بعد پہلی شام کو بے نظیر بھٹو نے جس پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔اس میں موجود ایک غیر ملکی صحافی نے کہا کہ وہ شاہنواز کی موت کو پراسرار موت کیوں کہتی ہیں۔صدمے سے نڈھال اور طویل سفر کی تھکاوٹ سے چور بے نظیر بھٹو جیسے اس سوال پر تڑپ اٹھیں۔انہوں نے اس غیر ملکی صحافی سے الٹا سوال کیا:''آپ کو معلوم ہے کہ شاہنواز کی موت کا سبب کیا ہے؟''

''جی نہیں۔''صحافی نے لجاجت سے کہا۔

''اسی لیے میں کہتی ہوں کہ میرا بھائی پراسرار حالت میں موت کی نیند سویا ہے۔اٹھارہ جولائی

سے آج تک کتنی بار تحقیقات کی گئی ہے مگر ہمیں رپورٹ نہیں ملی اگر ان حالات میں شاہنواز کی موت کو پراسرار نہ کہا جائے تو آپ بتائیں میں اسے کیا کہوں۔'' غیر ملکی صحافی بے نظیر بھٹو سے سیاسی سوالات کرنا چاہتے تھے۔ بے نظیر بھٹو ان سوالوں کے جواب میں کہتی ہیں۔

''میں اپنے بھائی کا سوگ منا رہی ہوں، مجھے معلوم نہیں وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ نظر بند کریں گے یا گرفتار کر کے جیل بھیجیں گے، میں ایک بہن کے ناطے اپنے بھائی کی میت لے کر آئی ہوں، جہاں تک میرے پروگرام کا تعلق ہے۔ میں ٹرین کے ذریعہ پورے ملک میں جانا چاہتی ہوں میں عوام کے ساتھ مل کر مختلف امور پر ان کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں مگر میں اس وقت سوگ میں ہوں اور ہماری روایات یہی ہیں کہ ایسے موقعوں پر صرف تعزیت کی جائے۔ میں آپ کے سیاسی سوالوں کا جواب نہیں دوں گی۔ یہ بات چہلم کے بعد دیکھی جائے گی۔''

شاہنواز بھٹو کے جسد خاکی کے ساتھ بے نظیر بھٹو کی آمد سے ملک میں ایک بار پھر ایک بڑا سیاسی ابھار اور احتجاج ہوا جس سے بے نظیر بھٹو کو ایک نئی سیاسی قوت ملی۔ عوام کے اس جوش وجذبے کو دیکھ کر ایک بار پھر انہیں یہ احساس ہوا کہ پاکستان کے عوام بھٹو خاندان سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور ان کی قیادت میں مارشل لاء سے لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ شاہنواز کی تدفین اور دیگر رسومات کے بعد میں نے سوچا کہ جب میں اپنے قائد کے بیٹے اور دوست شاہنواز کے لیے پاکستان آنے کا خطرہ مول لے سکتا ہوں تو مجھے اپنے والد کی قبر پر جا کر بھی حاضری دینی چاہیے جو 1979ء میں انتقال کر گئے تھے اور جن کی میت کو میں نے کاندھا نہیں دیا تھا۔ میں نے بی بی سے اجازت لی اور اسی رات ٹرین سے ساہیوال کے لیے روانہ ہو گیا۔ اگلی صبح فاتحہ پڑھ کر کراچی واپس آ گیا اس دوران بے نظیر بھٹو کو مارشل لاء حکومت گرفتار کر کے 70 کلفٹن میں نظر بند کر چکی تھی۔ مجھے پیغام ملا کہ فوراً پاکستان سے نکل جاؤں سنگاپور ایئر لائن سے میری روانگی تھی، اگلی رات ایئر پورٹ پر میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر کسی بھی ناگہانی صورتحال کے لیے تیار کر لیا تھا مگر امیگریشن کے تمام مراحل طے ہو گئے اور ایک بار پھر میں عازم لندن تھا۔

بے نظیر بھٹو کی گرفتاری:

بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی پر لاڑکانہ میں لوگوں کے بے مثال استقبال سے حکومت گھبرا

گئی تھی۔ وہ 27 اگست کی شام لاڑکانہ سے کراچی پہنچیں تو ایئرپورٹ اور 70 کلفٹن میں پرجوش کارکن ہزاروں کی تعداد میں بےنظیر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اُمڈ آئے تھے۔جن سے خطاب کرتے ہوئے بےنظیر بھٹو نے کہا کہ وزیراعظم جونیجو نے یکم جنوری 1986ء کو مارشل لاء ہٹانے کا اعلان کیا ہے اور پیپلز پارٹی کوئی ایسا موقع نہیں دے گی جس سے انتظامیہ کو مارشل لاء میں توسیع کا بہانہ مل سکے۔انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ بھٹو شہید نے زندگی بھر غریب عوام کے لیے جدوجہد کی ہے اور میں بھی وفاق اور وفاقی یونٹوں کے جائز حقوق کے حصول اور عوام کو انصاف ملنے تک ان کے ساتھ رہوں گی ہم نے شاہنواز کی موت سے اپنا بھائی کھودیا ہے لیکن اس کے خون کے ہر قطرے سے ایک اور شاہنواز پیدا ہوگا۔

ضیاء حکومت بےنظیر کی تقریروں اور عوام کے جوش وخروش سے اتنی خوفزدہ تھی کہ اس نے اپنے ان اعلانات کہ بےنظیر بھٹو واپس آنے میں آزاد ہیں اور انہیں گرفتار نہیں کیا جائے گا، کی پرواہ نہ کی اور انہیں نظر بند کر کے 70 کلفٹن کو سب جیل قرار دے دیا۔ بےنظیر کی گرفتاری کی دنیا بھر میں مذمت کی گئی۔ برطانوی وزیر کارجہ سر جیفری ہاؤ، لیبر لیڈر مائیکل فٹ اور دیگر ارکان پارلیمنٹ نے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔امریکہ میں بھی نائب صدر والٹر فیڈل، سابق وزیر خارجہ سائرس وینس اور سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی نے بےنظیر بھٹو کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا۔ برطانوی اور امریکی پریس نے بھی ان کی گرفتاری کی خبر صفحہ اول پر نمایاں طور پر شائع کیں اور ممتاز اخبارات نے اپنے اداریوں میں اس اقدام کی پرزور مذمت کی۔

دی ٹائمز لندن نے جمہوریت کی گرفتاری کے عنوان سے اپنے اداریہ میں لکھا۔

''جنرل ضیاء نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ بےنظیر بھٹو ملک واپس آنے، سیاسی جلسوں اور پریس کانفرنس سے خطاب کرنے میں آزاد ہوں گی لیکن گزشتہ ہفتے بےنظیر نے ضیاء کے اس دعوے کو آزمائش میں ڈال دیا اب وہ نظر بند ہیں وہ بہن کی حیثیت سے بھائی کی میت لے کر پاکستان گئی تھیں۔ضیاء کی سول انتظامیہ کے لوگ پچھلے ہفتے تک یقین دلا رہے تھے کہ بےنظیر بھٹو کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اب انہیں یا توریا کاریا پھر سیدھے سادے طور پر دروغ گو کہا جاسکتا ہے۔''

''دی گارڈین'' نے اپنے اداریہ میں لکھا۔''بےنظیر بھٹو چاہے جلاوطن رہیں یا نظر بند وہ

پاکستان کے فوجی حکمرانوں کے خلاف مزاحمت کا نشان بن چکی ہیں۔ بے نظیر بھٹو جب سے اپنے بھائی کی میت لے کر پاکستان گئی ہیں۔ان کا رویہ انتہائی شاندار رہا اور انہوں نے اپنا وعدہ برقرار رکھا۔ بے نظیر کی شخصیت سحر انگیز ہے، ان کا بھائی حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد میں مصروف رہا۔ اس کی فرانس میں پراسرار حالات میں موت واقع ہوئی جب ہزاروں افراد پر مشتمل وفود جن کا تعلق مذہبی، سیکولر اور تاجر تنظیموں سے تھا۔اس قدیم سیاسی خاندان کی سربراہ سے تعزیت کے لیے پہنچنے لگے تو بے نظیر نے باوقار سیاسی انداز اختیار کیا۔فوجی انتظامیہ کو خطرہ یقیناً ہوگا کہ کراچی کے گھر میں سیاسی شعور رکھنے والوں کا پھرتا نتا بندھ جائے گا۔“

روزنامہ ٹیلی گراف نے 22 اگست کے اداریہ میں بے نظیر بھٹو کو حزب مخالف کی حقیقی رہنما قرار دیتے ہوئے لکھا کہ جنرل ضیاء کو دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا یا تو حقیقی انتخابات کرائیں جس کا نتیجہ پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی کی صورت میں نکل سکتا ہے یا پھر اپنے ناجائز اور مطلق العنان دور حکومت کو جاری رکھیں جو آٹھ سال قبل وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کا تختہ الٹنے کے بعد شروع ہوا تھا۔ بے نظیر بھٹو اپنے بھائی شاہنواز کی میت لے کر لاڑکانہ کے آبائی قبرستان میں دفن کرنے کے لیے کراچی پہنچیں تو سخت ترین حفاظتی اقدامات کے باوجود جس پرجوش طریقہ سے ان کا استقبال کیا گیا اس کے بعد ضیاء کے لیے یہ کہنا مشکل ہوگیا کہ بے نظیر بھٹو یا ان کے والد کی پیپلز پارٹی عوام میں بڑے پیمانے پر حمایت حاصل نہیں کرسکتی اور آزادانہ و منصفانہ انتخابات نہ ہونے کی صورت میں بے نظیر بھٹو ہی پاکستان کی سیاسی اپوزیشن کی حقیقی رہنما ہیں۔

بے نظیر بھٹو 66 دن کی غیر قانونی حراست کے بعد 4 نومبر 1985ء کی صبح لندن پہنچیں تو ہیتھرو ایئرپورٹ پر برطانوی صحافی ان کے منتظر تھے۔انہوں نے بی بی سی ٹیلی ویژن کو بتایا کہ عوام ان کے ساتھ ہیں کیونکہ وہ پاکستان کے عوام کے حقوق کی علمبردار ہیں۔ بے نظیر نے صحافیوں کو بتایا کہ جتنی جلد ممکن ہوا پاکستان واپس چلی جاؤں گی کیونکہ ساری جدوجہد پاکستان میں ہے اور واپس جا کر کسی خطرہ کی پرواہ کیے بغیر فوجی انتظامیہ کو چیلنج کروں گی۔“

جمہوریت کی واپسی

عمل کا اجراء:

بے نظیر بھٹو کے لندن میں قیام سے پارٹی کے برسوں سے جلاوطن لیڈر بڑے پریشان تھے۔میڈیا، کارکنوں اور عام پاکستانیوں میں جو انہیں یہاں اہمیت ملی ہوئی تھی وہ بے نظیر بھٹو کے آتے ہی کم ہوگئی تھی۔ بے نظیر بھٹو کے کام کا اپنا انداز ہے۔انہوں نے آزمودہ کار ''انکلوں'' سے براہ راست متصادم ہونے کے بجائے پارٹی کی تنظیم اور پاکستان میں چلنے والی جمہوری تحریک کے لیے انتہائی منظم طریقے سے کام شروع کردیا۔ بے نظیر بھٹو اور بیگم بھٹو کا خیال تھا کہ آمریت کے خلاف تحریک چلانے کے لیے پارٹی کا اپنا ایک آرگن ضروری ہے۔اس لیے انتہائی محدود وسائل سے ماہنامہ ''عمل'' کا اجراء کیا گیا جس کا نام بے نظیر بھٹو نے تجویز کیا۔'' بے نظیر ''عمل'' کے اجراء کے بارے میں اتنی پرجوش تھیں کہ انہوں نے اس کا باضابطہ افتتاح فارن پریس ایسوسی ایشن میں ایک پریس کانفرنس میں کیا جس میں ملکی وغیرملکی ممتاز صحافی اور پارٹی کے سرکردہ رہنما بھی موجود تھے۔

''عمل'' عوام کی آواز ہے:

فارن پریس ایسوسی ایشن لندن میں ''عمل'' کی رسم اجراء کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے کہا کہ جو لوگ قانون کی حکمرانی پر یقین رکھتے ہیں، زندگی کا تحفظ چاہتے ہیں، مارشل لاء کی بدعنوانیوں اور مظالم کو بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ ''عمل'' ان کی آواز ہے اور

''عمل'' عوام کی اس جدوجہد میں مرکزی کردار ادا کرے گا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ''عمل'' مختلف خیالات کے اظہار کا فورم ہو، جمہوری جدوجہد کا مرکز ہو۔ ''عمل'' مارشل لاء کے خلاف عوام کی آواز بن کر پاکستان کے عوام کی خواہشات واحساسات کی ترجمانی کرے گا۔

بےنظیر بھٹو نے فارن پریس ایسوسی ایشن کی تقریب کے خطاب سے قبل بی بی سی ریڈیو کے ٹوڈے پروگرام میں ''عمل'' کے اجراء کے بارے میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں سیاسی خبروں پر پابندیوں کی وجہ سے پاکستان کے عوام تک آواز پہنچانے کے لیے ''عمل'' کا اجراء کیا جا رہا ہے اگر چہ یہاں فنڈز کے بغیر موثر طور پر پارٹی چلانا مشکل ہے لیکن ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے سے کچھ کرنا بہتر ہے۔ ''عمل'' معمولی بجٹ پر شروع کیا گیا ہے ہمارے پاس فنڈز نہیں لیکن ہم اپنی آواز بلند کرنا چاہتے ہیں اور جہاں کا ارادہ ہو راہ خود بخود نکل آتی ہے۔

''عمل'' نہ صرف مواد بلکہ پروڈکشن کے اعتبار سے بھی انتہائی جاذب نظر جریدہ تھا۔ برطانیہ اور سارے یورپ میں چند ہی ماہ میں یہ ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا اس کی کاپیاں دوبئ اور جدہ کے راستے اسمگل ہو کر پاکستان بھی پہنچتی تھیں اور پھر ان کی فوٹو کاپیاں پاکستان کی جیلوں میں قید پارٹی کے کارکنوں میں تقسیم ہوتی تھیں۔ ''عمل'' کیونکہ پارٹی کا ترجمان تھا اور اس میں ہم جو بھی مضامین اور رپورٹیں شائع کرتے تھے اس میں پارٹی پروگرام اور مستقبل کے لائحہ عمل کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ اس لیے پاکستان میں جیلوں کے اندر اور باہر کارکن اس سے پارٹی لائن لیا کرتے تھے۔

''عمل'' کا سب سے بڑا کارنامہ پارٹی کے ان چار کارکنوں کو پھانسی کی سزا سے بچانا تھا جنہیں فوجی عدالت نے عمر قید کی سزا دی تھی اور جس پر اپنی شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے جنرل ضیاء الحق نے گورنر سندھ کو یہ خط لکھا کہ عمر قید کی سزا کم ہے اور ان چاروں کو پھانسی کی سزا ہونی چاہیے۔ وہ ڈاکومنٹس ہمارے ہاتھ آ گیا اور اسے ہم نے باقاعدہ ثبوت کے ساتھ پرچے کے سرورق پر شائع کر دیا۔ اس شمارے کی بین الاقوامی پریس میں بھی بڑی شہرت ہوئی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر ہیومن رائٹس کی تنظیموں نے اس پر بڑا احتجاج کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنرل ضیاء اپنی شدید خواہش کے باوجود پی پی کے ان چار کارکنوں کو پھانسی نہ دے سکا۔

پاکستان میں نظر بند سیاسی قیدیوں کو ضمیر کا قیدی قرار دینے اور وہاں ڈھائے جانے والے مظالم کو جو پاکستانی پریس میں شائع نہیں ہو سکتے تھے ہم بہت نمایاں طور پر شائع کرتے تھے برطانیہ اور یورپ میں جلاوطن سیاسی کارکنوں کو ''عمل'' سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جو کمیٹڈ ورکر تھے ان کے انٹرویوز اور پاکستان میں ان پر ہونے والے مظالم کو تفصیل سے شائع کرتے تھے ان میں سے اکثر ہمیں اشتہار بھی دیتے تھے، جس کی بنیاد پر انہیں یہاں سیاسی پناہ کی سہولت ملنے میں بڑی مدد ملتی تھی اور اس طرح جو انہیں رہائشی اور مالی مسئلہ درپیش ہوتا تھا وہ بڑی حد تک حل ہو جاتا تھا۔ ''عمل'' بظاہر ایک جریدہ تھا مگر اس کڑے اور کٹھن حالات میں اس نے پیپلز پارٹی اور پاکستان اور پاکستان سے باہر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے پارٹی کے کارکنوں کے درمیان رابطہ رکھنے اور انہیں متحرک اور سرگرم رکھنے میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔

بے نظیر بھٹو کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے مزاج میں بڑی تیزی ہے اور وہ بہت جلد React کرتی ہیں۔ پارٹی میں ایک حلقے کی جانب سے خاص طور پر مشہور زمانہ ''انکلوں'' کو جو لندن میں بی بی کی آمد سے قبل اپنے اپنے حلقوں میں معتبر بنے بیٹھے تھے اور جوان

کہا کہ ریٹائر ہونا چاہتا ہوں تو انہوں نے نہایت خوشدلی سے کہا، ابھی ریٹائر نہیں ہو سکتے کیونکہ ابھی ہمیں لمبا سفر طے کرنا ہے، یوں اشتراک کار کا ایک خوشگوار اور مضبوط رشتہ قائم ہو گیا اور انہوں نے میرے اس موقف کو بھی فراخدلی سے قبول کر لیا کہ جب تک مجھے ان کا اعتماد حاصل رہے گا میں ان کے ساتھ کام کرتا رہوں گا اور جب میں نے محسوس کیا کہ اعتماد کا رشتہ برقرار نہیں رہا تو میں باعزت راستہ اختیار کر لوں گا۔ بے نظیر بھٹو کیونکہ پارٹی کی لیڈر تھیں اور مختلف الخیال اور مختلف مکتبہ فکر کے لوگوں کو ساتھ لے کر انہیں چلنا پڑتا تھا۔ اس لیے اگر ان کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو وہ درست بھی تھیں۔ بعد میں مجھے اس کا احساس بھی ہوا کہ ایک بڑی پارٹی کی قائد کی حیثیت سے لیڈر شپ پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور پھر ایک ایسے وقت میں جبکہ آپ ملک سے بہت دور ہوں اور آپ کے وسائل بھی محدود ہوں تو پھر مختلف سطح پر سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔ کارکنوں کے لیے ان کے دل میں جو خلوص و محبت اور رحم دلی کا جذبہ میں نے دیکھا اس سے بعد میں انہیں ذاتی اور سیاسی طور پر بڑے نقصانات بھی ہوئے ان کے اردگرد موجود اکثر لوگ اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے چہروں پر بیچارگی اور آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کا سہارا لے کر دوبارہ اپنی جگہ بنا لیتے تھے۔ آنسو بے نظیر بھٹو کی بہت بڑی کمزوری ہیں جو بھی ان کے آگے آنسو بہاتا اس کے لیے ان کا دل پسیج جاتا اور پھر وہ ان سے اپنی مرضی کا کام نکال لیتا۔ میرے لیے یہ بالکل ایک نیا کلچر تھا مظلومیت کا رونا رو کر بے نظیر بھٹو سے ان لوگوں نے بے پناہ فوائد حاصل کیے۔ رونا کلچر کی بدولت انہوں نے ایسے ایسے مقام اور مرتبے حاصل کیے کہ جس کا زندگی میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لندن میں موجود پارٹی کے جلاوطن انکلوں کا خیال تھا کہ بے نظیر بھٹو اپنی کم عمری اور تجربے کی کمی کے سبب ان کے حصار میں آ جائیں گی، مگر پہلی بات تو یہ کہ بے نظیر بھٹو جب لندن پہنچیں تو وہ بھٹو صاحب کی پھانسی سے پہلے اور پھر بعد میں جنرل ضیاء الحق کے فوجی ٹولے کے سامنے مسلسل اور بے خوفی سے ڈٹے رہنے کے سبب ایک پختہ کار قائد بن چکی تھیں پھر دوسرے کارکنوں کی اکثریت بھٹو خاندان کی طویل جدوجہد اور قربانیوں کے سبب صرف اور صرف بے نظیر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو ہی سے رہنمائی حاصل کرتی تھی۔

فوجی عدالت نے سزائے موت کے فیصلہ کا اعلان 6 نومبر کو کیا

OFFICE OF THE CHIEF MARTIAL LAW ADMINISTRATOR
PAKISTAN

Confirmation minute in respect of accused Muhammad Ayub Malik, Abdul Nasir Baluch, Muhammad Essa and Saif Ullah Khalid of Karachi.

I do hereby confirm the sentence of death awarded to

a. Accused Muhammad Ayub Malik s/o Ghulam Sarwar Malik, Karachi.

b. Accused Abdul Nasir Baluch s/o Wali Muhammad Baluch, Karachi.

c. Accused Muhammad Essa s/o Faiz Muhammad Baluch, Karachi.

d. Accused Saif Ullah Khalid alias Sain Khalid s/o Muhammad Ali Jauhar, Karachi.

Rawalpindi.

General
(M. Zia-ul-Haq)

26 X. 84

فوجی عدالت نے سزائے موت کے
فیصلہ کا اعلان ۶ نومبر کو کیا

سیاستدانوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا "دل" نہیں ہوتا مگر میں نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ جو سرد وگرم میں سیاسی سفر کیا ہے اور اقتدار سے باہر اور اقتدار میں ان کی شخصیت اور سیاست کا جو قریب سے مطالعہ کیا اس کے بعد میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ بے نظیر بھٹو ایک "اہل دل" خاتون ہیں اوپر سے بظاہر پتھر کی طرح سخت لیکن اندر سے ریشم کی طرح نرم اور ہمدرد، بے نظیر بھٹو نے بے شمار مرتبہ اپنے انٹرویوز اور نجی محفلوں میں یہ کہا کہ وہ سیاست میں نہیں آنا چاہتی تھیں انہیں اپنے والد کی پھانسی کے بعد پارٹی کی قیادت کا منصب مجبوراً سنبھالنا پڑا۔ پی پی حکومت کا 1977ء میں جب تختہ الٹا گیا تو بے نظیر بھٹو کی عمر 26 سال تھی اور بھٹو صاحب کی گرفتاری کے بعد جب 70 کلفٹن میں انہوں نے پارٹی امور میں اپنی والدہ بیگم نصرت بھٹو کا ہاتھ بٹانا شروع کیا تو پارٹی کے سارے ہی لیڈر اور کارکن ان کے لیے اجنبی تھے ابھی انہوں نے پارٹی کے امور اور دیگر رہنماؤں سے واقفیت حاصل کرنا شروع ہی کی تھی کہ نظر بندی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پھر اس کے بعد تو بھٹو صاحب کی پھانسی تک وہ مسلسل قید و بند میں ہی رہیں۔ بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد انہیں ایک بہت مختصر عرصہ میں سارے ملک میں پھیلے پیپلز پارٹی کے چھوٹے بڑے رہنماؤں اور کارکنوں کے خیالات اور ان کے اندر آپس کے تضادات جاننے کا موقع ملا۔ مارچ 1981ء میں پی آئی اے کے جہاز کے اغوا اور پھر اس کے بعد مسلسل قید اور بیماری کے بعد جب وہ لندن پہنچیں تو وہ ایک نئے عزم سے سرشار تھیں۔ بیگم نصرت بھٹو کی علالت اور مرتضیٰ بھٹو کی ریڈیکل سیاست سے کسی قدر پریشان ضرور تھیں لیکن ان میں ایک نیا جوش اور ولولہ بھی موجزن تھا وہ جہاں بھی جاتیں وہاں انہیں نہ صرف پارٹی کے جلاوطن کارکنوں اور عام پاکستانیوں میں بلکہ ان ممالک کے مقتدر حلقوں اور میڈیا سے بھی بڑی پذیرائی ملتی، ادھر پاکستان میں جس طرح جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف عوام کی نفرت اور ردعمل میں اضافہ ہو رہا تھا اتنی ہی تیزی سے پاکستان اور پاکستان سے باہر کے ممالک میں ذوالفقار علی بھٹو کی سیاست کے واحد وارث کے طور پر بے نظیر بھٹو کا نام نمایاں طور پر سامنے آ رہا تھا۔

بے نظیر بھٹو کی اپریل 1986ء میں وطن واپسی سے قبل دنیا کے دو ملکوں کے حزب مخالف قائدین کی دو مختلف صورتوں میں واپسی ہو چکی تھی۔ ان میں سے ایک ایرانی روحانی پیشوا اور رہنما آیت اللہ خمینی اور دوسرے فلپائن کے اپوزیشن لیڈر راکینو تھے ایک نے وطن واپس آ کر شہنشاہیت

کا تختہ الٹ کر ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھالی اور دوسرے کو فلپائن کے ڈکٹیٹر مارکوس کے ہاتھوں ایئرپورٹ پر ہی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ساری دنیا کے میڈیا میں یہ سوال اٹھایا جارہا تھا کہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی پر ان کا مقدر اور انجام آیت اللہ خمینی کی طرح ہوگا یا پھر فلپائن کے اپوزیشن لیڈر راکینو کی طرح۔

بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی:

''میں پاکستان واپس جانے کا سوچ رہی ہوں۔''

جنوری 86ء میں اپنی سیاسی جلاوطنی کے دو سال بعد بے نظیر بھٹو نے پارٹی کارکنوں کے اجتماع میں انتہائی پراعتماد لہجے میں اعلان کیا۔

30 دسمبر 85ء کو اندرونی اور بیرونی دباؤ کے سبب جنرل ضیاء الحق ملک سے مارشل لاء اٹھانے پر مجبور ہوگیا تھا۔ مارشل لاء اٹھانے سے قبل غیر جماعتی انتخابات کے ذریعہ منتخب ہونے والی پارلیمنٹ سے آٹھویں ترمیم متفقہ طور پر منظور کرانے اور وزیراعظم محمد خان جونیجو کی شکل میں نام نہاد سویلین سیٹ اپ ملک پر مسلط کرنے کے بعد فوجی حکمرانوں کا خیال تھا کہ وہ ملک میں چلنے والی جمہوری تحریک کے آگے بند باندھنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ پیپلز پارٹی کے لاکھوں کارکنوں کی صبر آزما جدوجہد اور تواتر سے بین الاقوامی دباؤ کے نتیجے میں گو مارشل لاء نام کی حد تک اٹھالیا گیا تھا مگر جنرل ضیاء الحق نے صدر اور چیف آف آرمی اسٹاف دونوں عہدے اپنے پاس رکھے ہوئے تھے اور اصل طاقت کا سرچشمہ ''جی ایچ کیو'' میں بیٹھا ضیاء الحق کا فوجی ٹولہ تھا۔

پاکستان سے مارشل لاء اٹھائے جانے کے بعد بے نظیر بھٹو ملکی و بین الاقوامی تناظر میں ہونے والی تبدیلیوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچ گئی تھیں کہ اب وہ وقت آ پہنچا ہے کہ پاکستان واپس جاکر ساری عوامی قوت مجتمع کر کے مورچہ لگایا جائے۔ ''اگر جنرل ضیاء الحق نے مجھے واپسی پر گرفتار کیا تو اس کی جمہوریت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور اگر گرفتار نہ کیا تو پارٹی اور عوام کو فوجی آمریت کے خلاف منظم کرنے کا موقع مل جائے گا۔'' یہ تھا بے نظیر بھٹو کا طویل غوروفکر اور باہمی مشورے کے بعد تجزیہ۔

''میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا میں نے محترمہ کو مطلع کیا۔'' جس پر انہوں نے کہا کہ

آپ جانے کی تیاری کریں بے نظیر بھٹو نے مجھے یہ بھی ہدایت کی کہ میں مغربی میڈیا سے رابطہ کروں اور یہ معلوم کروں کہ ان میں سے کتنے ہمارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔

اکتوبر 1985ء میں میر شاہنواز بھٹو کی تدفین کے وقت غیر ملکی صحافیوں نے بے نظیر بھٹو کا جو پرجوش اور والہانہ استقبال دیکھا تھا۔اس کی روشنی میں برطانیہ اور امریکہ کے موقر اخبارات وجرائد کے سینئر ممتاز صحافی اور تجزیہ نگار پاکستان کے بارے میں اپنی رپورٹوں اور تجزیوں میں محترمہ بے نظیر بھٹو کو "Future Leader of Pakistan" لکھا کرتے تھے۔اسی دوران امریکی وزارت خارجہ کی رپورٹ بھی شائع ہوئی کہ پاکستان میں اگر انتخابات ہوئے تو مستقبل کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو ہی ہوں گی۔مغربی پریس میں شائع ہونے والی ان رپورٹوں اور تجزیوں کو پاکستانی پریس کچھ ردوبدل کے ساتھ شائع کر رہا تھا۔ملکی و بین الاقوامی سطح پر بتدریج بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کی فضا تیار ہو رہی تھی۔تجسس پیدا کرنے اور فوجی حکمرانوں پر نفسیاتی خوف اور دباؤ بڑھانے کے لیے بے نظیر بھٹو نے اپنی روانگی کی تاریخ بڑی سختی سے مخفی رکھی ہوئی تھی۔اسی دوران شاعر عوام حبیب جالب نے بے نظیر بھٹو کی روانگی سے قبل وہ تاریخی نظم لکھی جس نے بعد میں بڑی شہرت پائی۔

ڈرتے ہیں بندوقوں والے ایک نہتی لڑکی سے
پھیلے ہیں ہمت کے اجالے ایک نہتی لڑکی سے
آزادی کی بات نہ کر،لوگوں سے نہ مل، یہ کہتے ہیں
بے حس ظالم دل کے کالے ایک نہتی لڑکی سے
ڈرے ہوئے ہیں، مرے ہوئے ہیں، لرزیدہ لرزیدہ ہیں
مُلّا، تاجر، جنرل، جیالے ایک نہتی لڑکی سے
اس صورت کو دیکھ کے جالب ساری دنیا ہنستی ہے
بلوانوں کے پڑے ہیں پالے ایک نہتی لڑکی سے

پاکستان واپسی بے نظیر بھٹو کی سیاسی زندگی کا ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔بے نظیر بھٹو کا لندن میں اپنے قیام کے دوران بڑی باقاعدگی سے پاکستان میں موجود فعال قیادت اور کارکنوں سے رابطہ رہتا تھا مگر پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اس اہم ترین موڑ پر اپنی واپسی کے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے انہوں نے پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے اہم ارکان کا لندن میں اجلاس طلب کیا پاکستان میں

جوارکان جیل سے باہر تھے اور جنہوں نے ضیاء الحق کے نو سالہ کڑے مارشل لاء کا مقابلہ کیا تھا جب لندن پہنچے تو آنے والی طویل اور کٹھن جدوجہد کی صعوبتوں کے باوجود ان کے چہرے بےنظیر بھٹو کی وطن واپسی کی خوشی سے دمک رہے تھے۔ پارٹی کی ساری قیادت نے بےنظیر بھٹو کی وطن واپسی کی تائید کی وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ بےنظیر بھٹو کو تاریخی شہر سے اپنی عوامی مہم کا آغاز کرنا چاہیے۔ روانگی سے قبل بےنظیر بھٹو نے امریکہ کا مختصر دورہ کیا اور وہاں کے پریس اور پاکستانی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے سینیٹروں سے ملاقاتیں کیں اپنے پروگرام کو ترتیب دیتے وقت انہوں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ وہ لاہور روانگی سے قبل عمرہ ادا کریں گی۔ واشنگٹن واپسی کے بعد بےنظیر بھٹو نے سعودی عرب کا دورہ کیا۔ بھٹو صاحب کی شہادت کے بعد وہ دوبارہ جنرل ضیاء الحق کی حکومت سے اپنے والد کے لیے عمرہ کی اجازت مانگ چکی تھیں مگر انہیں اس کی اجازت نہیں ملی تھی۔ عمرے سے واپسی کے بعد بےنظیر بھٹو نے ماسکو کا دورہ کیا۔

جیسے جیسے دن قریب آرہے تھے بین الاقوامی پریس کی دلچسپیاں بےنظیر بھٹو کے اس تاریخی دورے کے حوالے سے بڑھتی جارہی تھیں۔ تقریباً تمام ہی اہم بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں، اخبارات اور ریڈیو، ٹی وی کے نمائندے ہم سے رابطہ برقرار رکھے ہوئے تھے لندن میں کراچی کی پارٹی کے ایک رہنما پیار علی الانہ بھی فارن جرنلسٹوں سے خود کو رابطہ میں رکھتے تھے۔ پیار علی الانہ ایک دن بےنظیر بھٹو سے ملنے آئے۔ دوران ملاقات انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمیں یورپ وامریکہ میں پیپلز پارٹی کے دفاتر کو یہ ذمہ داری سونپنی چاہیے کہ وہ پندرہ صحافیوں کے پاکستان جانے کا بندوبست کریں میں نے اس تجویز سے اختلاف کیا۔ بےنظیر بھٹو نے میری رائے پوچھی تو میں نے کہا کہ پچیس صحافی تو جائیں گے ہی مگر اس سے بھی زیادہ ہوسکتے ہیں۔ یہ سن کر انہوں نے تعجب سے کہا۔ واقعی؟ میرا جواب تھا یقیناً پھر میں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں تو ایسا ہوتا ہوگا کہ ہم صحافیوں کے طعام و قیام کا انتظام کریں مگر مغربی میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا اگر انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ کی واپسی اہم ہے اور اس پر ساری دنیا کی نظریں ہیں تو پھر وہ آپ کے ساتھ جانے کا پروگرام بنائیں گے خاص طور پر ٹیلی ویژن ٹیموں کو کیونکہ بڑا اہتمام کرنا ہوتا ہے اور اس میں خاصا خرچ بھی ہوتا ہے تو وہ خبر کی اہمیت کے پیش نظر ہی جانے کا اتنا بڑا رسک لیتے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کے پریس اور ٹی وی کے نمائندے لنچ اور ڈنر پر مجھ سے ملاقات کرکے دورے کی تفصیلات

معلوم کر رہے تھے۔ان ملاقاتوں کی روشنی میں میرے محتاط اندازے کے مطابق پچیس سے بھی زیادہ جرنلسٹ جانے کو تیار تھے۔ان میں مختلف ٹی وی چینلوں کی چار ٹیمیں تو بے نظیر بھٹو کے ہمراہ اسی جہاز میں سفر کرنا چاہتی تھیں ان میں ''آئی ٹی وی'' کے مشہور و معروف جرنسلٹ جان سوشے (John Suchet) اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں کہ انہوں نے فلپائن میں مسٹر اکینو کی واپسی کو اپنے ٹیلی ویژن کے لیے کور کیا تھا۔

منیلا کے ایئر پورٹ پر فلپائن کے اپوزیشن لیڈر اکینو کا جس طرح قتل ہوا تھا اس پس منظر میں سکیورٹی کے حوالے سے بھی بے نظیر بھٹو کے اس دورے کے اہمیت دی جارہی تھی ہر میٹنگ میں یہ مسئلہ اٹھایا جاتا تھا۔میرا خیال تھا کہ ہماری سب سے بہترین سکیورٹی غیر ملکی ٹی وی ٹیمیں کریں گی جن کے کیمرے کی آنکھ میں ایک ایک لمحہ محفوظ ہوگا۔

بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی کی تاریخ کا اعلان ایک بھرپور ''میڈیا کو'' ثابت ہوا اور انٹرویوز کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔8اپریل کو دن کا آغاز صبح سات بجے بی بی سی ٹیلی ویژن کے بریک فاسٹ پروگرام سے ہوا۔علی الصبح کے اس مقبول پروگرام کے ناظرین کی تعداد چالیس لاکھ کے قریب تھی۔اس کی معروف اور اسمارٹ پیش کار مس سلینا اسکاٹ (Selina Scot) نے بے نظیر بھٹو سے یہ اہم سوال پوچھا کہ کیا آپ جنرل ضیاء سے اپنے والد کا انتقام لیں گی۔

''نہیں!'' بے نظیر کا جواب تھا۔میں انتقام پر یقین نہیں رکھتی، جنرل ضیاء اور مجھ میں یہی فرق ہے۔یہ غیر متوقع جواب سن کر پیشکار بھی حیران ہوئیں اور ویٹنگ روم میں میرے ساتھ بیٹھی ایک ممتاز اداکارہ نے بھی اس طرز فکر کی بے حد تعریف کی۔بی بی سی میں ہمارے ساتھ بے نظیر کی ایک پرانی سہیلی فاطمہ شاہ بھی تھیں وہاں سے ہم سلون اسٹریٹ میں واقع ایک ہوٹل میں ناشتہ کے لیے آئے ہوٹل میں مقیم مہمانوں نے بے نظیر کو دیکھتے ہی مسکراہٹوں سے ان کا خیر مقدم کیا اور نیک خواہشات سے نوازا۔

اس کے بعد سارا دن انٹرویوز کا سلسلہ جاری رہا رات کو کھانے پر کئی خبر رساں ایجنسیوں کے سربراہوں کو اجتماعی انٹرویو دیا گیا۔آخری انٹرویو بی بی سی ٹیلی ویژن کے حالات حاضرہ کے پروگرام ''نیوز نائٹ'' کو اسی بلڈنگ میں دیا جہاں صبح پہلا انٹرویو دیا تھا۔اس کے علاوہ چینل فور ٹیلی ویژن پر بے نظیر کا نصف گھنٹے کا انٹرویو دکھایا گیا۔

مشرق وسطیٰ کے معروف جریدے "العرب" کا سرورق جس میں بے نظیر بھٹو کو ایشیا کی خاتون آہن قرار دیا گیا

بالآخر روانگی کا دن آ پہنچا۔ روانگی سے قبل ایئرپورٹ پر بے نظیر بھٹو کی پریس کانفرنس کو لائیو کوریج دی گئی۔ ایک غیر ملکی صحافی نے پوچھا آپ کے والد کو جنرل ضیاء الحق نے قتل کیا تھا کیا آپ اقتدار میں آنے کے بعد ان سے بدلہ لیں گی۔ بے نظیر بھٹو نے نہایت دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ہم پاکستان کسی سے بدلہ لینے نہیں جا رہے ہم وہاں جا کر پرامن عوامی تحریک چلائیں گے تاکہ ملک میں انتخابات ہوں یہ سوال مختلف انداز میں ان سے بار بار کیا جاتا رہا مگر ان کا یہی جواب تھا کہ ہم جمہوری عمل پر یقین رکھتے ہیں اور ہم کسی سے انتقام نہیں لیں گے۔ بے نظیر بھٹو کی سوچ کا یہ نیا پہلو تھا اور جس سے ان کی سیاسی ونظریاتی پختگی ظاہر ہو رہی تھی۔ جہاز میں بیٹھنے سے کچھ دیر قبل بے نظیر بھٹو نے پھر مجھ سے کہا کہ ہمیں! فون آرہے ہیں کہ آپ نہیں جائیں وہاں آپ کو پکڑ لیا جائے گا۔ میں نے اس پر بے نظیر بھٹو سے کہا کہ آپ کے استقبال کے لیے سارا ملکی وغیر ملکی پریس وہاں ہوگا اگر مجھے گرفتار کیا بھی گیا تو اس کی بین الاقوامی پریس سے بڑی پبلسٹی ہوگی۔

لندن سے جہاز روانہ ہوا تو ہم سب پر ایک عجیب ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ مختلف ذرائع سے ہمیں مسلسل اطلاعات مل رہی تھیں کہ چاروں صوبوں کے کونے کونے سے کارکنوں کے قافلے لاہور روانہ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ جہاز کے اندر بھی ایک جشن کا سماں تھا۔ سارا جہاز پی پی کے پرچموں اور جھنڈیوں سے سجا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ جانے والے غیر ملکی صحافیوں نے دوران سفر بے نظیر بھٹو سے مستقبل میں ان کے پروگرام اور عزائم کے حوالے سے انٹرویو کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔

لاہور ایئرپورٹ پر اترنے سے قبل جب ہمارے جہاز نے شہر کا ایک چکر لگایا تو ہمیں بے شمار پارٹی پرچم لہراتے ہوئے نظر آئے ہر ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ استقبال کے لیے کتنے لوگ جمع ہوں گے۔ پانچ لاکھ...... دس لاکھ...... مگر کوئی حتمی اعداد وشمار نہیں دے پا رہا تھا مگر مجموعی طور پر ہم سب کا خیال تھا کہ لاہور پہنچنے پر بے نظیر بھٹو کا تاریخی استقبال ہوگا۔ جہاز کے لینڈ کرتے ہی امیگریشن کسٹم اور دیگر ایجنسیوں نے جہاز کے اندر ہی آ کر اپنی تمام رسمی کارروائیاں پوری کیں۔ باہر آنے والا میں پہلا آدمی تھا۔ ایئرپورٹ پر پارٹی کے چاروں صوبوں کے صدور، مرکزی قائدین اور جانے پہچانے صحافی چہروں نے ہاتھ ہلا کر خوش آمدید کہا طے یہ ہوا تھا کہ میں باہر جا کر حالات کا اندازہ لگاؤں گا اور واپس آ کر صورتحال سے آگاہ کروں گا مگر جب میں جہاز

میں واپس آنے لگا تو سکیورٹی کے عملے نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پولیس اور دیگر سکیورٹی ایجنسیز کے اتنے سخت انتظامات تھے کہ لگ رہا تھا جیسے کسی دشمن پر حملے کی تیاریاں ہیں۔ بے نظیر بھٹو غیر ملکی صحافیوں اور لندن سے آنے والے ہمسفروں کے ہجوم میں باہر نکلیں پہلے ہی سے پارٹی کے جھنڈوں سے سجے ٹرک پر جب بے نظیر بھٹو نے قدم رکھا تو جہاں جہاں نظر جاتی عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہر چھوٹے بڑے رہنما کی کوشش تھی کہ وہ بھی بے نظیر بھٹو کے ٹرک پر سوار ہو ان میں سے اکثر کا یہ خیال تھا کہ اگر آج وہ اس ٹرک پر سوار نہ ہو سکے تو انہیں مستقبل میں ''اقتدار'' کی سواری میں بھی جگہ نہ مل پائے گی جیسے ہی بے نظیر بھٹو کا ٹرک ایئر پورٹ سے باہر آیا تو مجھے یہاں وہ منظر نظر آیا جسے لاہور شہر نے اس سے قبل کبھی دیکھا نہ ہوگا ایسا لگتا تھا کہ سارا پاکستان پی پی کی قائد کے استقبال کے لیے آ گیا ہے۔ گزشتہ نو سال سے مارشل لاء کی جو گھٹن تھی اور بھٹو صاحب کی شہادت کے بعد عوام کے دلوں میں جو برسوں سے غم وغصہ مجتمع تھا، وہ سیلاب بن کر سڑکوں پر آ گیا تھا۔ کھڑکیوں، چھتوں، چوراہوں، گاڑیوں پر جہاں جہاں نظر اٹھتی عوام کے ہاتھ ہلاتے خوشیوں سے دمکتے چہرے نظر آتے۔

ایئر پورٹ سے بے نظیر بھٹو کا قافلہ صبح 9 بجے روانہ ہوا اور لاہور کی سڑکوں اور شاہراہوں سے ہوتا ہوا جب یہ مینار پاکستان پہنچا تو شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ مینار پاکستان کے ایک بلند اسٹیج سے جب بے نظیر بھٹو کا خطاب شروع ہوا تو ان کے ایک ایک جملے پر عوام کا جوش وخروش قابل دید تھا تمام حفاظتی انتظامات تتر بتر ہو چکے تھے مگر اب بے نظیر بھٹو اپنے عوام کے درمیان تھیں جو ان کے سب سے بڑے محافظ تھے اور جہاں پر فوجی ٹولے کا کوئی کارندہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے ان کے قریب جانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی پر جوش تقریر کے خاتمے پر جب یہ نعرہ لگایا کہ کیا آپ ضیاء کو اقتدار سے ہٹانا چاہتے ہیں تو لاکھوں آوازوں کی ''ہاں'' سے فضا دہل گئی اور پھر ''ضیاء جاوے جاوے'' کے نعروں کا وہ شور ہوا کہ یوں لگا کہ جیسے ملک میں ضیاء کے فوجی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ نو سالہ طویل، صبر آزما جدوجہد اور ہزاروں کارکنوں کی قربانیوں نے اس دن اپنا ثمر پا لیا۔ یہ تاریخی اجتماع اصل میں جنرل ضیاء الحق کے خلاف ریفرنڈم تھا جسے پاکستان میں ہی ساری دنیا نے بھی غیر ملکی ٹی وی سے دیکھا۔ حکومت کے حامی یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ بے نظیر بھٹو کے اس استقبال کے لیے سارے ملک سے لوگوں کو

اکٹھا کیا گیا ہے اور اس کے لیے بے پناہ وسائل استعمال ہوئے ہیں۔اس لیے جب وہ لاہور سے دیگر شہروں میں پہنچیں گی تو جلسے اور جلوسوں میں لوگ اتنی بڑی تعداد میں شامل نہیں ہوں گے،مگر لاہور کے بعد گوجرانوالہ، فیصل آباد اور سرگودھا تک ایسا لگتا تھا کہ لوگوں کا ہجوم ایک بڑی زنجیر میں ڈھل گیا ہے۔عموماً ایک شہر میں جلسے کا وقت شام کا رکھا جاتا تھا مگر بے نظیر بھٹو راستے میں منتظر کھڑے لاکھوں عوام سے خطاب کرتے ہوئے اگلے دن علی الصبح پہنچتیں جہاں گرمی، پیاس اور بھوک سے بے نیاز لاکھوں عوام ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے منتظر ہوتے۔پنجاب کے بعد کراچی، سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد جہاں جہاں بے نظیر بھٹو گئیں، عوام کے ٹھاٹے مارتے، سمندر نے ان کا استقبال کیا۔''وہ آیا۔اس نے دیکھا اور اس نے فتح کر لیا'' یہ بات برسوں سے سنتے آئے تھے مگر اس کی حقیقت ہمیں پہلی بار دیکھنے میں آئی۔

بے نظیر بھٹو جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریت کے خلاف پہلا راؤنڈ جیت چکی تھی۔محمد خان جونیجو کی نام نہاد سویلین حکومت کے غبارے سے ہوا نکل چکی تھی۔ضیاء حکومت پر چہار جانب سے ایک ہی دباؤ تھا کہ وہ عوامی قوت کے اس عظیم مظاہرے کے بعد اپنی شکست تسلیم کرے اور انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دے، مگر جنرل ضیاء اس خوف سے کہ اس بڑے عوامی سیلاب کے سڑکوں پر آنے کے بعد مستقبل میں بے نظیر بھٹو ہی ملک کی وزیراعظم ہوں گی،اس کے لیے تیار نہ تھا۔

جمہوریت کی فاختائیں:

10 اپریل کے بعد بے نظیر بھٹو کے جلسے جلوسوں میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے مگر یہ جلسے جلوس اتنے پرامن ہوتے کہ نہ تو ان سے کبھی کوئی زخمی ہوا اور نہ ہی اسٹریٹ لائٹس کو نقصان پہنچا جو پاکستان میں عموماً حکومت مخالف چلنے والی تحریکوں کا خاصہ رہا ہے۔پاکستان قومی اتحاد کی بھٹو صاحب کے خلاف مہم کی ابتداء ہی تشدد اور دہشت گردی سے ہوئی اور جس کے نتیجے میں فوج کو سڑکوں پر آنا پڑا۔اس پس منظر میں بے نظیر بھٹو کی اس پرامن تحریک سے فوجی ٹولہ اور ان کے حلیف بہت پریشان تھے اپریل کے بعد جو عوامی ریلا سڑکوں پر آیا تھا اسے روکنے کے لیے فوجی حکومت کے پاس اب ایک ہی حربہ تھا کہ کسی طرح اس پرامن تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈال کر کچل دیا

جائے۔30 مئی کو حیدر آباد میں سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر فقیر اقبال جسمانی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔اس کے قتل کا مقصد یہ تھا کہ سندھ میں ایم آر ڈی کی 1983ء کی تحریک کی طرح ایک بار پھر خونریزی ہو۔بے نظیر بھٹو کو مختلف انداز سے قتل کی دھمکیاں بھی مل رہی تھیں مگر انہوں نے سختی سے پارٹی کے رہنماؤں کو ہدایت کی کہ وہ فوجی حکومت کو کوئی ایسا موقع نہ دیں جس سے وہ خونریزی کا راستہ اختیار کر کے ملک میں دوبارہ مارشل لاء نافذ کر سکے۔

وطن واپسی پر بے نظیر بھٹو نے جمہوری فاختاؤں کا دلچسپ اور منفرد تصور پیش کیا کہ چھوٹے چھوٹے کیڈر بنائے جائیں جو ان کی گرفتاری کی صورت میں بھوک ہڑتالوں اور سڑکوں پر دھرنا مار کر ان کی رہائی کے لیے احتجاج کریں۔بے نظیر بھٹو کی شہرت اپنے عروج پر تھی اور ان کے ساتھ رہنے والوں کو یہ احساس تھا کہ وہ مستقبل کی وزیراعظم کے ساتھ سفر میں ہیں۔ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ وہ ان کے ایک اشارے پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار ہے اب جب بے نظیر بھٹو نے ''جمہوریت کی فاختاؤں'' کو چاروں صوبوں میں نیچے سے اوپر کی سطح پر پچاس اور سو سو کے گروپ کی صورت میں منظم ہونے کے لیے ہدایات جاری کیں تو جسے دیکھیں وہ بیٹھا لسٹیں تیار کر کے 70 کلفٹن بھیج رہا ہوتا۔بے نظیر بھٹو جس شہر میں بھی جاتیں انہیں مقامی رہنما اس درخواست کے ساتھ دعوت دیتے کہ ہم نے اتنی تعداد میں جمہوریت کی فاختاؤں کو جمع کیا ہوا ہے وہ آپ کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار ہیں۔لاڑکانہ میں بے نظیر بھٹو کو ایک جگہ فاتحہ خوانی کے لیے جانا تھا وہاں چند ہزار لوگ اکٹھے تھے تو یہ کہا گیا کہ یہ سب ''جمہوریت کی فاختائیں'' ہیں۔70 کلفٹن میں جب سارے ملک سے لسٹیں اکٹھی ہوئیں تو بغور مطالعے سے معلوم ہوا کہ یہ بڑی حد تک مبالغہ آمیز ہیں۔

اس دوران 14 اگست کا دن آ گیا۔10 اپریل کے بعد جس بڑے پیانے پر پیپلز پارٹی نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا۔اس سے ضیاء حکومت اور جونیجو کی مقبولیت کا پول کھل گیا تھا۔14 اگست کے حوالے سے سرکاری مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ مینار پاکستان پر اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں گے۔سرکاری لیگ کے اس اعلان کے جواب میں پیپلز پارٹی نے بھی یہ اعلان کیا کہ وہ بھی مینار پاکستان پر جلسہ عام کریں گے مگر جب حکومت کو اس بات کا احساس ہوا کہ وہ پی پی کا مقابلہ نہیں کر سکے گی تو انتہائی ڈرامائی انداز میں جونیجو نے اعلان کیا کہ وہ اپنا جلسہ منسوخ کرتے ہیں۔

بے نظیر بھٹو نے پارٹی کی پنجاب قیادت کو کراچی بلایا اوران سے پوچھا کہ کیا آپ ایک بڑا سیاسی اجتماع کر سکتے ہیں تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم بھرپور عوامی طاقت کا مظاہرہ کریں گے اب اس وقت حکمت عملی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ بھی جلسہ منسوخ کر دیتے اور 10 اپریل کے بعد پارٹی کو جو سیاسی برتری حاصل ہوئی تھی اسے برقرار رکھتے مگر پنجاب کی قیادت کا اصرار تھا کہ وہ یہ جلسہ ضرور کریں گے۔ بے نظیر بھٹو 13 اگست کو کراچی سے فیصل آباد جائیں گی۔ایک ذریعے سے ہمیں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ 14 اگست سے قبل بے نظیر بھٹو کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ کراچی میں 14 اگست کو پارٹی کی مقامی تنظیم نے لیاری میں اپنا جلسہ رکھا۔13 اگست کی شام کو بے نظیر بھٹو نے پارٹی کے مشیروں اور قریبی دوستوں کو 70 کلفٹن بلایا۔ عام تاثر یہی تھا کہ انہیں اس رات گرفتار کر لیا جائے گا لیکن اس رات نہیں ہوا 14 اگست کی صبح ہی سے 70 کلفٹن کے اردگرد کارکنوں کے قافلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ دوپہر کے بعد کئی ہزار لوگوں پر مشتمل جلوس جب کلفٹن سے روانہ ہوا تو غیر ملکی صحافیوں کے ساتھ ایک گاڑی میں، میں بھی تھا جلوس ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ پولیس نے آنسو گیس کی بارش کر دی۔اس دن جو آنسو گیس پولیس استعمال کر رہی تھی وہ اتنی خطرناک تھی کہ میری اور میرے ساتھ بیٹھے ہوئے غیر ملکی صحافیوں کی حالت غیر ہو گئی۔ چاکیواڑہ تک پولیس اور جلوس میں جھڑپیں جاری رہیں۔ بے نظیر بھٹو کے بارے میں بھی ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ گرفتار ہو گئی ہیں یا کسی اور راستے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ چاکیواڑہ سے ہماری واپسی اس طرح ہوئی جیسے کسی دشمن سے لڑائی کے بعد فوجیں واپس آتی ہیں۔اس دوران بے نظیر بھٹو پولیس کو جھانسہ دے کر ایک دوسری گاڑی میں بیٹھ کر 70 کلفٹن آ گئیں ہم واپس پہنچے تو پولیس نے 70 کلفٹن کو گھیر رکھا تھا۔ صحافیوں کی بھی ایک بڑی تعداد وہاں پہنچ چکی تھی۔ بے نظیر بھٹو نے پریس کانفرنس سے خطاب کے بعد خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔

ادھر لاہور میں اس وقت کے وزیراعلیٰ میاں نواز شریف نے اپنے مربی صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء کو خوش کرنے کے لیے مینار پاکستان میں جلسے میں شریک ہونے والے عوام کو انتہائی سفا کی سے کچلنے کا حکم دیا۔ پرامن کارکنوں پر شدید فائرنگ کی گئی جس سے چھ کارکن شہید اور درجنوں زخمی ہوئے مارشل لاء کے دور میں یوں تو فائرنگ کے بے شمار واقعات ہوئے تھے مگر نام نہاد جمہوری دور میں اتنے دہشت ناک تشدد کا پہلی بار مظاہرہ ہوا تھا۔

پیپلز پارٹی کے خلاف فوجی حکومت کی آمرانہ کارروائیوں پر ملک بھر میں شدید ردعمل ہوا اور سارے ملک میں احتجاجی مظاہرہ ہوئے۔ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کے بعد عوام نے جس بھرپور عوامی طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ یہ احتجاجی جلسے اور جلوس انتہائی منظم اور پرامن تھے۔ فوجی حکومت کی آمرانہ کارروائیوں کا مقصد یہ تھا کہ اس عظیم الشان عوامی تحریک کو تشدد کی راہ پر ڈال کر ایک بار پھر ملک میں مارشل لاء نافذ کیا جائے۔ فوجی حکومت کی اس چال سے پیپلز پارٹی کی قیادت آگاہ تھی۔ جیل سے بے نظیر بھٹو نے ہدایات بھیجیں کہ کارکن براہ راست متصادم ہونے کے بجائے پارٹی کی تنظیم سازی پر زیادہ زور دیں۔ بے نظیر بھٹو کی گرفتاری کے خلاف ریگل چوک کراچی پر مظاہرہ کا اعلان کیا گیا جس میں جمہوریت کی فاختاؤں نے دھرنا دینا تھا۔ ادھر انتظامیہ نے پیپلز پارٹی کے سینکڑوں لیڈر اور کارکن گرفتار کر لیے تھے۔ جمہوریت کی فاختائیں بھی انتظامیہ کی گرفت میں آ گئیں اور ریگل چوک پر جمہوریت کی فاختاؤں کا مظاہرہ وہ منظر پیش نہ کر سکا جو پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ بے نظیر بھٹو کی گرفتاری پر گو ملک میں اتنا بڑا ردعمل نہیں ہوا مگر بین الاقوامی میڈیا امریکہ و برطانیہ سمیت مغربی ملکوں کی حکومتوں کی جانب سے شدید ردعمل ہوا۔ 10 ستمبر کو جب بے نظیر بھٹو کو سندھ ہائیکورٹ میں پیش ہونا تھا تو اس سے ایک رات قبل ہی ان کی رہائی کا حکم آ جاتا ہے۔

بے نظیر بھٹو جو 10 اپریل کے عوامی ابھار اور 14 اگست کی احتجاجی مہم سے بہت کچھ سیکھ چکی تھیں۔ پارٹی رہنماؤں کو قائل کیا کہ پہلے ہمیں اپنی تنظیم سازی اور عوام میں پارٹی کو جڑوں تک پہنچانے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے مگر فوجی ڈکٹیٹرشپ کو ہٹانے کے لیے پارٹی کی مضبوط تنظیم بھی ضروری ہے۔ بے نظیر بھٹو کے اس موقف کو بالاخر پارٹی رہنماؤں کو تسلیم کرنا پڑا۔ ادھر غیرملکی میڈیا نے 15 اگست کے بعد سے پاکستانی سیاست میں اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور بیشتر غیرملکی نمائندے پاکستان سے واپس جانا شروع ہو گئے تھے مگر اس دوران پین امریکن کے جہاز کی ہائی جیکنگ کا ڈرامائی واقعہ کراچی میں ہو گیا جس سے سارا انٹرنیشنل میڈیا ایک بار پھر یہاں دوڑ پڑا۔ اب پاکستان میں جو اتنی بڑی تعداد میں غیرملکی صحافی آئے تو ہائی جیکنگ کے بعد ان کی دلچسپی کے لیے دوسری بڑی خبر تو بے نظیر بھٹو ہی تھیں۔

بین الاقوامی میڈیا کی نظر میں بے نظیر بھٹو کی جو اہمیت تھی اس کا یقیناً یہ سبب تھا کہ سینئر اور

تجربہ کار غیر ملکی صحافی مستقبل کے سیاسی منظر نامے میں بے نظیر بھٹو کا ایک انتہائی اہم اور بنیادی کردار دیکھ رہے تھے اور اسی حوالے سے انہیں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں کوریج مل رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ملک بھر کے اخبارات و جرائد بھی پیپلز پارٹی کے بارے میں ایسے تبصرے اور تجزیئے دینے لگے تھے جس سے یہ تاثر مل رہا تھا کہ مستقبل قریب میں پیپلز پارٹی کو اقتدار میں آنے سے نہیں روکا جاسکے گا۔

جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت نے پیپلز پارٹی مخالف جماعتوں پر مشتمل جو نام نہاد جمہوری سیٹ اپ قائم کیا تھا اس میں پیپلز پارٹی کے میدان میں آنے سے دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں تھیں۔ جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف 10 اپریل کے بعد جو لاکھوں کی تعداد میں عوام سڑکوں پر آئے تھے وہ ایک طرح کا ضیاء مخالف ریفرنڈم تھا، دنیا نے دیکھ لیا تھا کہ نوسالہ طویل فوجی آمریت اور اس کے تشدد اور دہشت کے باوجود عوام کے دلوں سے بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی کی محبت ختم نہیں ہوسکی تھی۔ ادھر بین الاقوامی طور پر بھی جب یہ نظر آنے لگا کہ سوویت یونین افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلا رہا ہے تو امریکہ کی بھی دلچسپی بتدریج فوجی آمر جنرل ضیاء الحق سے کم ہونے لگی۔ امریکہ میں حکومت اور میڈیا کے بڑے حلقوں کی جانب سے یہ دباؤ بڑھنے لگا کہ امریکہ پاکستان میں فوجی حکومت کی حمایت سے دستبردار ہو جائے جو اب تک پاکستان میں ضیاء کی فوجی حکومت کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا سبب رہا تھا۔

ایک خوشگوار موڑ

کیا مجھے شادی کر لینی چاہیے؟

70 کلفٹن میں ایک شام اپنی بے تکلف سہیلیوں کے جھرمٹ میں گھری بے نظیر بھٹو نے اچانک مجھ سے سوال کیا۔ ''ہاں آپ کو شادی کر لینی چاہیے۔'' میرا بے ساختہ جواب تھا، اس وقت تک مجھے یہ علم نہیں تھا کہ وہ کس سے شادی کر رہی ہیں۔ میرے خیال میں ایک خاتون سیاسی رہنما کے لیے سیاسی اور ذاتی زندگی میں تحفظ اور سماجی مرتبے کے لیے پاکستانی معاشرے میں شادی ناگزیر ہے۔

جولائی 1977ء کے بعد سے بے نظیر بھٹو اور ان کے خاندان کو پے در پے جن المناک حالات، واقعات اور سیاسی بحران سے گزرنا پڑا اس میں بے نظیر بھٹو کی شادی اتنی آسان اور معمول کی بات نہیں تھی جو عموماً پاکستانی معاشرے میں دیگر لڑکیوں کے لیے ہوتی ہے۔ بھٹو صاحب کی پھانسی، شاہنواز بھٹو کی ناگہانی موت، بیگم نصرت بھٹو کی بیماری اور میر مرتضیٰ بھٹو کی پر خطر جلاوطنی اور خود بے نظیر بھٹو کی مسلسل نظر بندی اور جلاوطنی میں انہیں اتنا سکون اور وقت ہی نہیں ملا کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے حوالے سے مستقبل کا کوئی پروگرام بنا سکتیں۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے عظیم والد کی کرشمہ ساز شخصیت اور خود حزب اختلاف کے قائد کی حیثیت سے جو عالمگیر شہرت حاصل کی تھی اس میں ان کی شخصیت اور ذہنی ہم آہنگی کے حوالے سے بھی شریک سفر کا چناؤ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔

محترمہ بےنظیر بھٹو کی منگنی کے موقع پر جاری کیے گئے پریس ریلیز کا عکس

STATEMENT OF MS. BENAZIR BHUTTO CO - CHAIRPERSON, PAKISTAN PEOPLES PARTY
JULY 29, 1987

Concious of my religious obligations and duty to my family I am pleased to proceed with the marriage proposal accepted by my Mother, Begum Nusrat Bhutto.

The impending marriage will not in any way affect my political committment to my Country, my people or the trail blazed by Shaheed Zulfikar Ali Bhutto for a free, federal, Democratic and Egalitarian Pakistan.

I stand as one with our Countrymen in repudiating tyranny and its terrible heritage.

THe people of Pakistan deserve a better, more secure future and I shall be with them in seeking it

For the brave workers of the Pakistan Peoples Party there is a special message: I am your sister and will always be your sister. Your courage, dedication, loyalty, protection and prayers have proveded the strength which has enabled me to continue to fight for you and for the rights of our people. Your strength is my strength and the strength of the suppressed people of Pakistan. And so it shall be in the future.

In view of the carnage caused by the car bombs and the sectarian killings the ceremonies are being postponed. We cannont celebrate when our people suffer. Your suffering is our suffering. Our bond is beyond the vindictive grips of the tyrants.

I shall be returning to Karachi shortly.

Released by:

Mr Bashir Riaz
Press Spokesman
Co-Chairperson's Office

یہ خبر ملتی وہ بڑے تجسس کا اظہار کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو اور ان کے منگیتر سے انٹرویو کے لیے وقت مانگتا۔ ان کے لیے یہ بڑی اہم اور حیرت کی بات تھی کہ بے نظیر بھٹو اپنے بڑوں کے مشورے کے مطابق ارینجڈ میرج کر رہی ہیں اگلے دن ساری دنیا کے پریس میں منگنی کی ایک ہی تصویر بڑے نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ اب بظاہر تو یہ محض منگنی کی خبر تھی مگر 29 جولائی 1987ء کو جب یہ بین الاقوامی میڈیا میں شائع اور نشر ہوئی تو اسے اس طرح اہمیت ملی جیسے کوئی انٹرنیشنل ایونٹ ہو۔ امریکی، برطانوی اور مغربی پریس تو یوں بھی سماجی خبروں کو سیاسی خبروں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان کے لیے بے نظیر بھٹو کی منگنی ایک بڑی خبر تھی۔ بے نظیر بھٹو کو اپنی ذات کے حوالے سے بین الاقوامی میڈیا میں جو پذیرائی ملی اس کا یقیناً ایک سبب یہ تھا کہ وہ بے نظیر بھٹو کو پاکستان میں مستقبل کا لیڈر سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے یہ اہم بات تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے لیے کس کا انتخاب کیا ہے۔ اس کا کیا پس منظر ہے اور اس سے ان کی شخصیت اور سیاست پر مستقبل میں کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ بے نظیر بھٹو سے منگنی ہوتے ہی آصف زرداری کا راتوں رات دنیا کے مقبول ترین افراد میں شمار کیا جانے لگا۔ پاکستان میں یہ خبر ایک دھماکے سے کم نہیں تھی جہاں ایک جانب انہیں بے شمار مبارکباد کے فون اور ٹیلی گرام آئے، وہیں حکومت کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ بے نظیر بھٹو شادی کے بعد سیاست سے دستبردار ہو جائیں گی اور پیپلز پارٹی قیادت سے محروم ہونے کے بعد انتشار کا شکار ہو جائیں گی۔ فوجی حکومت کا یہ پروپیگنڈا اتنا منظم اور شدید تھا کہ سندھ کے بعض حصوں میں جذباتی کارکن بھی اس سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے اس پر منفی ردعمل کا اظہار کیا۔ اس صورتحال میں بے نظیر بھٹو نے فوری طور پر پاکستان جانے کا فیصلہ کیا۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ میں بھی بی بی کے ساتھ جاؤں۔ پاکستان پہنچتے ہی بے نظیر بھٹو نے فوری طور پر لاڑکانہ جانے کا پروگرام بنایا۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا تھا کہ کراچی پہنچتے ہی ہم واجد شمس الحسن سے بھی رابطہ کریں۔ واجد صاحب سے میری اگست 1985ء میں شاہنواز بھٹو کی تدفین کے موقع پر پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔ واجد شمس الحسن ایک کمیٹڈ صحافی ہی نہیں بلکہ ایک نفیس دوست بھی ہیں۔ واجد صاحب بھٹو خاندان کے ان چند دوستوں میں سے ہیں جن کی دوستی پر خود بھٹو خاندان بھی فخر کرتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کی چند سہیلیاں بھی ان کے ہمراہ لاڑکانہ پہنچیں۔ بے نظیر بھٹو نے مقامی قائدین سے کہا کہ وہ ان کی سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنماؤں اور سرکردہ کارکنوں

یہ خبر ملتی وہ بڑے تجسس کا اظہار کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو اوران کے منگیتر سے انٹرویو کے لیے وقت مانگتا۔ان کے لیے یہ بڑی اہم اور حیرت کی بات تھی کہ بے نظیر بھٹو اپنے بڑوں کے مشورے کے مطابق ارینجڈ میرج کر رہی ہیں اگلے دن ساری دنیا کے پریس میں منگنی کی ایک ہی تصویر بڑے نمایاں طور پر شائع ہوئی۔اب بظاہر تو یہ محض منگنی کی خبر تھی مگر 29 جولائی 1987ء کو جب یہ بین الاقوامی میڈیا میں شائع اور نشر ہوئی تو اسے اس طرح اہمیت ملی جیسے کوئی انٹرنیشنل ایونٹ ہو۔ امریکی، برطانوی اور مغربی پریس تو یوں بھی سماجی خبروں کو سیاسی خبروں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان کے لیے بے نظیر بھٹو کی منگنی ایک بڑی خبر تھی۔ بے نظیر بھٹو کو اپنی ذات کے حوالے سے بین الاقوامی میڈیا میں جو پذیرائی ملی اس کا یقیناً ایک سبب یہ تھا کہ وہ بے نظیر بھٹو کو پاکستان میں مستقبل کا لیڈر سمجھتے تھے۔اس لیے ان کے لیے یہ اہم بات تھی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے لیے کس کا انتخاب کیا ہے۔اس کا کیا پس منظر ہے اور اس سے ان کی شخصیت اور سیاست پر مستقبل میں کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ بے نظیر بھٹو سے منگنی ہوتے ہی آصف زرداری کا راتوں رات دنیا کے مقبول ترین افراد میں شمار کیا جانے لگا۔ پاکستان میں یہ خبر ایک دھماکے سے کم نہیں تھی جہاں ایک جانب انہیں بے شمار مبارکباد کے فون اور ٹیلی گرام آئے، وہیں حکومت کی جانب سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ بے نظیر بھٹو شادی کے بعد سیاست سے دستبردار ہو جائیں گی اور پیپلز پارٹی قیادت سے محروم ہونے کے بعد انتشار کا شکار ہو جائیں گی۔فوجی حکومت کا یہ پروپیگنڈا اتنا منظم اور شدید تھا کہ سندھ کے بعض حصوں میں جذباتی کارکن بھی اس سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے اس پر منفی ردعمل کا اظہار کیا۔اس صورتحال میں بے نظیر بھٹو نے فوری طور پر پاکستان جانے کا فیصلہ کیا۔بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ میں بھی بی بی کے ساتھ جاؤں۔ پاکستان پہنچتے ہی بے نظیر بھٹو نے فوری طور پر لاڑکانہ جانے کا پروگرام بنایا۔بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا تھا کہ کراچی پہنچتے ہی ہم واجد شمس الحسن سے بھی رابطہ کریں۔واجد صاحب سے میری اگست 1985ء میں شاہنواز بھٹو کی تدفین کے موقع پر پہلی بار ملاقات ہوئی تھی۔واجد شمس الحسن ایک کمیٹڈ صحافی ہی نہیں بلکہ ایک نفیس دوست بھی ہیں۔واجد صاحب بھٹو خاندان کے ان چند دوستوں میں سے ہیں جن کی دوستی پر خود بھٹو خاندان بھی فخر کرتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کی چند سہیلیاں بھی ان کے ہمراہ لاڑکانہ پہنچیں۔ بے نظیر بھٹو نے مقامی قائدین سے کہا کہ وہ ان کی سندھ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنماؤں اور سرکردہ کارکنوں

سے میٹنگ کا اہتمام کریں۔المرتضٰی میں شام کو جب سندھ پی ایس ایف کے نوجوانوں اور پارٹی کے مقامی رہنماؤں کا اجتماع ہوا تو بے نظیر بھٹو نے جو خاص طور پر کسی بحران کے موقع پر زیادہ بااعتماد ہو جاتی ہیں انتہائی تحمل سے انہیں قائل کرتے ہوئے کہا کہ میں ایک ایسے موقع پر جب ملک میں فوجی آمریت ہے کس طرح سیاست سے دستبردار ہو سکتی ہوں اور پارٹی کے لاکھوں کارکنوں اور عوام نے جو قربانی دی ہے اسے کس طرح فراموش کر سکتی ہوں۔ لاڑکانہ کے بعد بی بی نے سندھ کے دیگر شہروں کا بھی دورہ کیا جس کے بعد جن شہروں میں احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے بینرز اور تصاویریں اتر رہی تھیں چند ہی دن میں ایک بار پھر جئے بھٹو اور بھٹو کی تصویر بے نظیر کے نعروں سے گونجنے لگے۔

لندن میں بے نظیر بھٹو کی آصف زرداری کی منگنی کے سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر خاصا دلچسپ ہے۔علی کیانی میرے دوست ہیں بی بی کی رہائی کی مہم کے دوران اور مساوات ویکلی کی تقسیم میں بہت مددگار رہتے تھے۔اتوار کے روز اتفاق سے ہم ایک ساتھ تھے۔بی بی کا فون آیا کہ انہیں شہد کی مکھی نے کاٹ لیا ہے اور کیمسٹ سے اس کا زہر زائل کرنے والا مرہم لے کر صنم کے ہاں فوری پہنچ جاؤں۔بی بی اپنی ہمشیرہ کے ہاں قیام پذیر تھیں۔اتوار کو چھٹی ہونے کی وجہ سے صرف پکاڈلی میں کیمسٹ کی دوکان کھلتی تھی۔ویمبلے سے سینٹرل لندن پہنچنے کے لیے نصف گھنٹے سے زائد وقت لگتا ہے علی کیانی کی گاڑی میں ہم پکاڈلی گئے اور وہاں سے مطلوبہ مرہم خرید کر بی بی تک پہنچایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ سے پہلے کسی اور نے یہ مرہم پہنچا دیا ہے۔بعد میں پتہ چلا کہ مرہم لانے والے یہ "کوئی اور" آصف تھے۔

شادی کا جشن:

بے نظیر بھٹو کی شادی کی تاریخ 18 دسمبر 1987ء طے ہوئی تھی۔غیر ملکی پریس اپنے پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ان کے لیے شادی کی تقریب بھی ایک بڑی خبر تھی۔مشرق اور اس کے رسم و رواج میں جو پراسراریت اور رومانویت ہے اس میں یوں بھی ہمیشہ مغرب کے مؤرخوں اور صحافیوں کو بڑی دلچسپی رہی ہے۔آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ ایک خاتون کا ارینجڈ میرج کرنا ان کے لیے بڑا منفرد تجربہ تھا۔بے نظیر بھٹو کی شادی میں مہندی، نکاح

اور رخصتی جس عوامی انداز میں ہو رہی تھی اور جس میں سارا ملک دلچسپی لے رہا تھا اس میں ''خبریت'' تو تھی ہی مگر ایک بڑی تعداد میں غیر ملکی صحافی جو طویل جدوجہد کے دوران بے نظیر بھٹو کے ذاتی دوست بھی بن چکے تھے اپنی ذاتی اور پیشہ وارانہ دلچسپی کے باعث بھی شادی کی اس تقریب میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ان صحافیوں کو خواہش تھی کہ بے نظیر بھٹو انہیں شادی سے پہلے مختصر انٹرویو دیں۔بی بی نے شادی کے دن صبح کا وقت ان کے لیے نکال لیا بلکہ انہوں نے ایک بروشر بھی تیار کر لیا تھا جس میں ان کی تصویروں کے ساتھ ایک مختصر سا تعارف بھی تھا جس میں مہندی اور دیگر رسم ورواج کے بارے میں معلومات دی گئی تھیں تا کہ غیر ملکی صحافیوں کو جو ان رسم ورواج سے اتنے آشنا نہ تھے، بتایا جا سکے کہ شادی کی یہ ہنگامہ آرائی کیوں ہماری تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا حصہ ہے اور ایک عام آدمی ہو یا سیاستدان اس کے لیے یہ سب کچھ کرنا کیوں ضروری ہوتا ہے بیگم بھٹو خود برسوں سے سیاست میں انتہائی سرگرم عمل رہیں مگر اس وقت انہوں نے ایک روایتی ماں کی طرح تمام انتظامات سنبھالے ہوئے تھے۔بیگم صاحبہ کو جب پریس کانفرنس کی اطلاع ملی تو انہوں نے تعجب کا اظہار کیا جب میں نے انہیں بتایا کہ یہ غیر ملکی صحافی اتنی دور سے آپ کی خوشیوں میں شریک ہونے آئے ہیں اور اگر بی بی نے انہیں وقت نہیں دیا تو ان کی دل آزاری ہوگی۔

اس خصوصی تقریب میں صرف ان غیر ملکی صحافیوں کو مدعو کیا گیا تھا جو بی بی کے ذاتی دوست بھی تھے جن دوسرے ملکی وغیر ملکی اخبارات سے منسلک صحافیوں کو شادی میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا تھا، ان کا انتظام 70 کلفٹن سے ملحق ایک وسیع لان میں تھا۔شادی میں شرکت کے لیے ہندوستان کے ممتاز صحافیوں کے علاوہ فلم اسٹار سنیل دت بھی آئے تھے۔سنیل دت کی بیگم (مشہور فلم اسٹار) نرگس سے بھٹو صاحب کے گھرانے کے دیرینہ تعلقات تھے۔بھٹو صاحب کی پھانسی کے وقت جب میں سرینگر گیا تھا تو سنیل دت اور نرگس نے مجھے خاص طور پر بیگم بھٹو کے لیے تعزیتی پیغام دیا تھا۔سنیل دت کو ایئر پورٹ سے لانے کی میری ہی ذمہ داری تھی۔70 کلفٹن کی سکیورٹی کے سخت انتظامات تھے۔چاروں جانب لوگوں کا بڑا ہجوم تھا وہاں سے نکلنا اور واپس آنا ایک معرکے سے کم نہیں تھا کاروں کی بھی کئی جگہ چیکنگ ہو رہی تھی اور یہ سب اس لیے بھی ضروری تھا کہ ضیاء حکومت اور اس کی ایجنسی کا کوئی کارندہ اپنی شرارت میں کامیاب نہ ہو جس سے بھٹو

خاندان میں ایک طویل عرصے کے بعد آنے والی خوشی کی یہ تقریب بدمزگی کا شکار ہو جائے۔ جب صنم بھٹو کی شادی ہوئی تھی تو بیگم بھٹو اور بےنظیر بھٹو دونوں جیل میں نظر بند تھیں اور انہیں شادی میں پیرول پر رہائی ملی تھی۔ مرتضیٰ اور شاہنواز کی شادیاں کابل میں ہوئی تھیں اور جوان کے لیے کسی خوشی کے بجائے بعد میں ایک بڑے صدمے کا باعث بنیں۔ بےنظیر بھٹو کی شادی نسبتاً بہتر ماحول میں ہو رہی تھی جس سے بھٹو خاندان اور ان کے قریبی دوست بہت خوش تھے۔ شادی کی تقریب کا سب سے بڑا اور عوامی اجتماع پیپلز پارٹی کے قدیم سیاسی گڑھ لیاری کے ککری گراؤنڈ میں ہوا۔ شادی کی رات سارا لیاری روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ بےنظیر بھٹو کی شخصیت کا یہ بھی ایک دلکش پہلو تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کی اس بڑی خوشی کے موقع پر لیاری کے عوام سے اس منفرد انداز میں اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا کہ ساری دنیا سے آئے ہوئے مہمانوں اور میڈیا نے لیاری کے عوام کی مہمان نوازی کا لطف اٹھایا۔ بےنظیر بھٹو کی شادی کی یہ ہنگامہ آرائی کئی دن تک جاری رہی۔ بھٹو خاندان کی پاکستانی عوام میں مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا یہ بھی ایک شاندار پہلو ہے کہ شادی جیسا غیر سیاسی اور انتہائی ذاتی واقعہ بھی ساری دنیا کے لیے ایک بڑی خبر بن گیا۔

ضمیر کی ''بے نظیر'' زنجیر

ڈکٹیٹر کا عبرتناک انجام:

بعض دن ایسے ہوتے ہیں کہ برسوں گزر جانے کے بعد بھی ذہن سے محو نہیں ہوتے۔ 17 اگست کا دن بھی پاکستان کی تاریخ میں ایک ایسا ہی دن ہے جس کے ساتھ پوری ایک دہائی کے ظالمانہ دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

70 کلفٹن میں ابھی شام کے سائے گہرے ہونے شروع ہوئے تھے کہ لاہور سے خواجہ طارق رحیم فون پر بے نظیر بھٹو کو اطلاع دیتے ہیں کہ ان کے ایک انتہائی قریبی ذرائع نے اطلاع دی ہے کہ جنرل ضیاء الحق کا طیارہ ریڈار سے غائب ہو گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے جب ان سے استفسار کیا کہ اس کا کیا مطلب لیا جائے تو خواجہ طارق رحیم کا جواب تھا کہ جنرل ضیاء الحق کا قصہ ختم۔ اس کے بعد تو ٹیلی فونوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ عام طور پر جب بے نظیر بھٹو کراچی میں ہوتی تھیں تو دن بھر کی معمول کی ملاقاتوں کے بعد اپنے چند قریبی دوستوں اور پارٹی کے سینئر ارکان کو روک لیتی تھیں۔ طیارے کے غائب ہونے اور ممکنہ طور پر اس میں جنرل ضیاء الحق کے ہلاک ہونے کی خبر سے ہم چند منٹ کے لیے بھونچکا رہ جاتے ہیں ہر ایک بے نظیر بھٹو سے تصدیق کرنا چاہتا ہے۔ آدھے گھنٹے بعد بھٹو خاندان کے دیرینہ دوست اور ممتاز صحافی محمود شام تصدیق کرتے ہیں کہ جو فوجی طیارہ گم ہوا تھا وہ بہاولپور کے قریب حادثے کا شکار ہو گیا ہے اور اس میں سوار جنرل ضیاء الحق سمیت سارے فوجی ہلاک ہو گئے ہیں۔

''کیا جنرل ضیاء مر چکا ہے؟'' بے نظیر بھٹو کا اس سوال میں جواب بھی تھا مگر کمرے میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ بڑے محتاط تھے کہ کہیں وہ اپنے اندر اس خبر کے ساتھ چھپی ہوئی اس خوشی پر قابو نہ پا سکیں جس کے وہ برسوں سے کسی اور طرح سے منتظر تھے۔

''ہاں ضیاء کا تاریک دور ختم ہو گیا، ایک پر سکون آواز نے سکوت توڑا جس نسے ہم سب جو ایک گھنٹے سے شدید کھچاؤ کا شکار تھے، ریلیکس ہو گئے۔ جنرل ضیاء الحق اور اس کے حامیوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت پر مٹھائیاں تقسیم کی تھیں ایک مسلم لیگی رہنما چوہدری ظہور الٰہی نے وہ قلم بطور خاص جنرل ضیاء سے مانگ لیا تھا جس سے اس نے بھٹو صاحب کی پھانسی پر دستخط کیے تھے۔

70 کلفٹن کے باہر ضیاء دور میں کوڑے کھانے، جیلوں میں تشدّد برداشت کرنے اور برسوں سے روزگار کے لیے دربدر پھرنے والوں کارکن جذبات سے مغلوب تھے۔ ان میں سے چند کے ہاتھوں میں مٹھائیوں کے ڈبّے بھی تھے۔ بے نظیر بھٹو یہ سن کر کہ 70 کلفٹن کے باہر مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہیں اور سڑکوں پر جشن کا سماں ہے ڈرائنگ روم سے نکل کر 70 کلفٹن کے مین گیٹ پر آ جاتی ہیں ''ہمارا مذہب اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی کی موت پر خوشیاں منائیں۔'' بے نظیر بھٹو انتہائی سختی سے کارکنوں کو ہدایت کرتی ہیں مگر بی بی انہوں نے بھٹو صاحب...... ''ہم انتقام کی سیاست میں یقین نہیں رکھتے۔'' بے نظیر بھٹو ایک بار پھر بڑی سختی سے کہتی ہیں۔

ڈرائنگ روم میں ہم واپس آئے تو پاکستان ٹیلی ویژن پر تلاوت کلام پاک نشر ہو رہی تھی کچھ ہی دیر بعد مختلف ذرائع سے ساری خبریں آ جاتی ہیں۔ ضیاء الحق کے طیّارے کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر گر کر پاش پاش ہو گیا اور ابھی تک اس جگہ سے شعلے اٹھ رہے ہیں جہاں یہ جہاز گر کر تباہ ہوا تھا جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھی جنرلوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ سالم نہیں ہے۔ بھٹو صاحب کو جب 3 اور 4 اپریل کی درمیانی رات شہید کیا گیا تھا تو ان کے اہل خانہ کو جسد خاکی کے آخری دیدار کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ قدرت کا کتنا بڑا انصاف ہے کہ جنرل ضیاء الحق کی تو لاش بھی نہیں مل سکی۔

رات گئے تک ساری صورتحال واضح ہو جاتی ہے۔ سینٹ کے چیئر مین غلام اسحاق خان

ٹیلی ویژن پر اعلان کرتے ہیں کہ آئین کے مطابق انہوں نے صدر پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا ہے اور پروگرام کے مطابق نومبر 1988ء میں عام انتخابات ہوں گے ڈرائنگ روم میں گھنٹوں سے بیٹھے لوگوں کے چہرے کھل اٹھتے ہیں۔اس سے پہلے کچھ کا خیال تھا کہ کہیں ملک میں دوبارہ مارشل لاء نہ آ جائے۔اسلام آباد سے ہمیں یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ چاروں صوبوں کے غیر جماعتی بنیادوں پر منتخب ہونے والے وزرائے اعلیٰ مسلح افواج پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ الیکشن کا خطرہ مول نہ لیں کیونکہ اس سے پیپلز پارٹی اقتدار میں آ سکتی ہے مگر کور کمانڈروں کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ فوج کو اب مزید مہم جوئی میں پڑنے کے بجائے الیکشن کرا کے واپس چلے جانا چاہیے۔

70 کلفٹن سے جب میں رات گئے رخصت ہو رہا تھا تو آنے والے دنوں کے خیال ہی سے میرے دل ودماغ کی عجیب کیفیت تھی۔جنرل ضیاء کا دور ختم ہو گیا مگر 5 جولائی 1977ء کی سیاہ رات سے 4 اپریل 1979ء کی خوں آشام صبح تک اور پھر ایک طویل المناک جدوجہد جس میں نہ جانے کتنے سہاگ اجڑے، کتنی ماؤں کے لال جدا ہوئے، کتنی بہنوں اور باپوں کے سہارے چھنے، جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریت ایک عہد ایک نسل کھا گئی، اس سے جو فصل تیار ہوئی۔اس نے آنے والے برسوں میں پاکستانی معاشرے کو جڑوں سے ہلا دیا۔

جمہوریت جیت گئی:

گیارہ سال کے طویل انتظار کے بعد جب عام انتخابات کی تاریخ کا اعلان ہوا تو اس وقت ملکی وبین الاقوامی میڈیا تو پیپلز پارٹی کی کامیابی کی پیشین گوئی کر رہی رہا تھا مگر بھٹو خاندان کے روایتی مخالفین بھی یہ تسلیم کر رہے تھے کہ اگر منصفانہ انتخابات ہوئے تو ملک کی آئندہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو ہی ہوں گی۔70 کلفٹن اب ایک اور ہی منظر پیش کر رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔1970ء میں جب بھٹو صاحب نے ملک میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہونے والے پہلے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا تو اس وقت بھی سارے ملک کا مرکز ومحور 70 کلفٹن ہی تھا۔

''ڈاٹر آف ایسٹ'' کے پہلے ایڈیشن پر محترمہ بےنظیر بھٹو کا آٹوگراف

DAUGHTER OF THE EAST

BY

BENAZIR BHUTTO

To Bashir Riaz,
Who has been part of
the struggle and endured
much hardship

Benazir
Bhutto

17/11/88

HAMISH HAMILTON · LONDON

پیپلز پارٹی کے انتخابی بورڈ کو قومی اسمبلی کی 207 اور چاروں صوبوں کی 483 نشستوں کے لیے ملنے والی درخواستوں کی تعداد ہزاروں میں تھی کراچی کے فور اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کے تمام کمرے بک ہو چکے تھے۔ کراچی میں ایک میلے کا سماں تھا جنرل ضیاء الحق کے دور میں قربانیاں دینے والے بیشتر رہنما اور کارکن تو خود کو ٹکٹ کا مستحق سمجھتے ہی تھے مگر ملک کے وہ سیاسی عناصر بھی جو ہر حکومت کے ساتھ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں اپنے تمام وسائل کے ساتھ اس تگ و دو میں لگے تھے کہ کسی طرح پارٹی انہیں قبول کر لے۔ بے نظیر بھٹو کے ساتھ رہنے والے دوستوں اور مشیروں پر سفارش کرنے کے لیے بڑا دباؤ تھا اب مسئلہ یہ تھا کہ کوڑے کھانے والے اور جیلوں میں تشدد برداشت کرنے والے کارکن بے لوث اور مخلص تو تھے مگر ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ الیکشن میں ہونے والے اخراجات کا بار اٹھا پائیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں جس بڑے پیمانے پر غیر جماعتی اسمبلیوں اور بلدیاتی اداروں کے ارکان کو کرپٹ کیا گیا تھا اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی نشست ملتے ہی پلاٹ پرمٹ سمیت عیش وعشرت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے لیے یہ ایک مشکل صورتحال تھی۔ اپوزیشن کی قائد کی حیثیت سے انہوں نے گیارہ سال تک پارٹی کی قیادت کی ذمہ داریاں مشکل اور کڑے حالات میں انتہائی بردباری سے نبھائی تھیں مگر اب صورتحال یکسر مختلف تھی ایک طرف تو قربانیاں دینے والے پارٹی رہنماؤں کو مطمئن کرنا تھا اور دوسری جانب ایسے امیدواروں کو بھی ٹکٹ دینا تھا جو مسلم لیگ کے بااثر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو شکست دے سکیں۔

انتخابی مہم کا آغاز بڑے ہنگامہ خیز ماحول میں ہوا۔ جنرل ضیاء کی فوجی حکومت ختم ہو چکی تھی مگر ضیاء کی باقیات کو اسلام آباد میں برسر اقتدار اسٹیبلشمنٹ کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی خاص طور پر افغانستان کی جنگ کے دوران آئی ایس آئی ایک بڑی سیاسی قوت کی حیثیت سے سامنے آئی تھی جس کے سربراہ جنرل حمید گل تھے۔ حمید گل مذہبی اور دائیں بازو کی تنظیموں کا پی پی پی مخالف اتحاد بنانے کے لیے بڑے سرگرم تھے جنرل حمید گل فخریہ کہتے تھے کہ پیپلز پارٹی کا راستہ روکنے کے لیے انہوں نے ہی اسلامی جمہوری اتحاد بنایا ہے۔ چیف آف آرمی اسٹاف ریٹائرڈ جنرل اسلم بیگ کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ انہوں نے انتخابی مہم میں آئی ایس آئی کے ذریعے 14 کروڑ روپے پیپلز پارٹی کی مخالف سیاسی جماعتوں میں تقسیم کیے تھے۔ اسلامی جمہوری اتحاد کا قیام اکتوبر 1988ء

کو عمل آیا۔اس میں جنرل ضیاء کی باقیات تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں تو ایک ساتھ تھیں مگر غلام مصطفیٰ جتوئی، ممتاز بھٹو، اصغر خان، مولانا فضل الرحمٰن اور ولی خان جیسے جمہوریت پسند بھی بھٹو دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے اس اسلامی اتحاد کا ساتھ دیا جس کی محرک ایک انٹیلی جینس ایجنسی تھی۔اسٹیبلشمنٹ اور ضیاء کی باقیات کی تمام تر سازشوں اور وسائل کے باوجود پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوگئی۔

اس دوران ایک تاریخی واقعہ یہ ہوا کہ بےنظیر بھٹو کی سیاسی سوانح Daughter of East بھی لندن سے شائع ہوگئی۔لندن سے جو بھی دوست مجھے فون کرکے کہتا کہ وہ پاکستان آرہا ہے تو میں اس سے یہ کتاب لانے کی فرمائش کرتا۔قومی اسمبلی کے انتخابات کے دن ہم لاڑکانہ میں تھے۔ المرتضیٰ میں شام کو سارے ملک سے انتخابی نتائج آنا شروع ہو گئے تھے۔ بے شمار ملکی وغیرملکی صحافیوں کی موجودگی میں لندن سے آنے والی ایک خاتون صحافی واقف کار نے مجھے یہ کتاب بطور تحفہ دی۔ میں واحد شخص تھا جس کے پاس ڈاٹر آف دی ایسٹ کی کاپی تھی۔انتخابات میں کامیابی کے اس تاریخی موقع پر بےنظیر بھٹو نے اپنی کتاب پر مجھے پہلا آٹوگراف دیا۔

الیکشن جیتنے کے بعد 17 نومبر کی شام جب بےنظیر بھٹو لاڑکانہ سے کراچی پہنچیں تو ایک بڑا ہجوم ان کے استقبال کے لیے منتظر تھا۔ملکی وبین الاقوامی میڈیا کے کیمروں کی چکاچوند میں ایئرپورٹ پر موجود ہر فرد کی یہ کوشش تھی کہ وہ کسی طرح بھی بےنظیر بھٹو کے ساتھ نظر آئے مجھے پہلی بار یہیں پپی مینوالا نظر آئے وہ کچھ اس طرح سے خود کو مصروف دکھائی دے رہے تھے جس سے پارٹی رہنماؤں اور میڈیا کو یہ تاثر ملے جیسے وہ مستقبل کی وزیراعظم کے مشیر خاص ہیں۔بےنظیر بھٹو ابھی وزیراعظم نہیں بنی تھیں مگر بلاول ہاؤس وزیراعظم کا منظر پیش کررہا تھا اگلے روز بلال ہاؤس میں بھی پپی مینوالا خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کررہے تھے۔بھٹو صاحب کے وکیل سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے پپی مینوالا کو کیا اس سے پہلے کبھی دیکھا ہے اس پر میں نے بختیار صاحب سے کہا کہ آپ تو برسوں سے پیپلز پارٹی میں ہیں اگر آپ نے انہیں نہیں دیکھا تو میں نے کیسے دیکھا ہوگا۔

اسلام آباد میں بےنظیر بھٹو اور بیگم بھٹو کا قیام عموماً بھٹو صاحب کے معالج ڈاکٹر ظفر نیازی کے گھر پر ہوتا تھا۔ان کی صاحبزادی یاسمین نیازی بےنظیر بھٹو کی قریبی سہیلی تھیں۔الیکشن جیتنے کے

بعد جب بے نظیر اسلام آباد پہنچیں تو انہوں نے اپنی اس روایت کو برقرار رکھا۔ڈاکٹر ظفر نیازی کا بنگلہ خاصا بڑا ہے مگر کیونکہ بے نظیر بھٹو کو مستقبل کا وزیر اعظم سمجھا جا رہا تھا۔اس لیے ڈاکٹر نیازی کا یہ بنگلہ بھی چھوٹا پڑ گیا۔امریکہ کے دو سب سے بڑے انگریزی جریدوں ٹائم میگزین اور نیوز ویک کے سرورق پر بے نظیر بھٹو کی تصویر شائع ہوئی۔نیوز ویک اور ٹائم ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے ہیں اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک ہی ہفتہ میں ایک ہی شخصیت کی سرورق پر تصویر شائع ہو۔ انتخابی مہم کے دوران ٹائم میگزین کے نمائندے مسٹر Desmand اور Ross Munro نے بے نظیر کا المرتضٰی میں طویل انٹرویو کیا تھا۔چند دن بعد نیوز ویک کے بنکاک میں متعین نامہ نگار ہنگامی طور پر کراچی آئے اور بلاول ہاؤس میں بے نظیر بھٹو کا خصوصی انٹرویو لیا۔دونوں جریدوں کے نمائندوں نے سرورق پر بے نظیر بھٹو کی تصویر شائع کرنے کا عندیہ دیا تھا اور میں نے بی بی کو بتا دیا تھا۔میں نے ٹائم میگزین اور نیوز ویک جس وقت بی بی کو پیش کیے اس وقت جنرل ضیاء کے گوئبل سابق سیکرٹری انفارمیشن جنرل مجیب الرحمٰن ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ آفتاب شیر پاؤ کے ساتھ آئے تھے۔انہوں نے دوران گفتگو بھٹو صاحب کو شہید کہا۔

دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی اسلامی ملک میں کوئی مسلمان خاتون الیکشن جیت کر وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز ہو رہی تھیں۔اس کے پیش نظر ایک طرف تو بے نظیر بھٹو کی عالمی پیمانے پر پذیرائی ہو رہی تھی دوسری جانب اقتدار کوان کے قریب آتا دیکھ کر بھٹو خاندان اور پارٹی کے کٹر اور روایتی دشمن بھی نقب لگانے میں مصروف تھے۔جنرل مجیب الرحمٰن کی طرح اور بہت سے ضیاء دور کے موقع پرست ڈاکٹر نیازی کی کوٹھی کے اندر اور باہر ہمیں نظر آئے۔

بے نظیر بھٹو کی کامیابی سے ان کے دوستوں اور حامیوں کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہو رہا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ وزارت عظمٰی سنبھالنے کے بعد اپنے شہید والد کا مشن پورا کریں گی۔ بے نظیر بھٹو انتخابات میں اکثریت حاصل کر چکی تھیں مگر اسٹیبلشمنٹ پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

17 نومبر 1988ء کے انتخابی نتائج کے بعد آئین کی رو سے صدر غلام اسحاق خان فوری طور پر بے نظیر بھٹو کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کے پابند تھے مگر انہوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کو اس بات کا موقع فراہم کیا کہ وہ آزاد امیدواروں اور اقلیتی جماعتوں کو ملا کر اکثریت حاصل کر

لیں۔غلام اسحاق خان کی پوری کوشش تھی کہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم کے عہدے پر فائز نہ ہوں مگر اس دوران اسلامی جمہوری اتحاد کے اندر بھی پھوٹ پڑ گئی۔میاں نواز شریف اپنے علاوہ کسی اور کو وزیر اعظم بنانے پر راضی نہیں تھے جب دو ہفتے گزر گئے اور اندرون و بیرون ملک صدر غلام اسحاق خان کی جگ ہنسائی ہونے لگی تو مجبوراً 3 دسمبر 1988ء کو انہوں نے بے نظیر بھٹو کو حکومت بنانے کی دعوت دی۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک یادگار دن تھا جس ایوانِ صدر سے بھٹو صاحب کی پھانسی کے احکام جاری ہوئے تھے اسی ایوانِ صدر میں ان کی بیٹی وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھا رہی تھیں۔ بے نظیر بھٹو، بیگم بھٹو اپنے خاندان اور قریبی دوستوں کے ساتھ باوقار انداز میں چلتی ہوئی ایوان صدر میں داخل ہوئیں تو اسٹیبلشمنٹ میں موجود بھٹو خاندان کے مخالفین کے چہرے دیکھنے کے قابل تھے۔ان کے چہروں پر ایک انتہائی ریاکارانہ مسکراہٹ تھی۔ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھاتے ہی اچانک ہال کے ایک کونے سے پارٹی کے ایک کارکن کا نعرہ ایوان صدر کی چھتوں سے ٹکرایا ''زندہ ہے بھٹو زندہ ہے'' یقیناً اس یادگار دن شہید بھٹو اپنی بہادر بیٹی کی صورت میں ایوانِ صدر میں موجود تھے اور لاکھوں کارکنوں کا یہ نعرہ ''بھٹو کی تصویر بے نظیر'' حقیقت کے روپ میں ڈھل گیا۔

☆☆☆

بھٹو صاحب نے جب دسمبر 1972ء کو اقتدار سنبھالا تو انہیں ایوان اقتدار کی غلام گردشوں کا تجربہ تھا پھر ان کے ساتھ ایک ایسی ٹیم بھی تھی جو عوامی جدوجہد سے کندن بن کر نکلی تھی اور انہیں اپنے اپنے شعبوں میں بھی مہارت حاصل تھی۔ بے نظیر بھٹو نے گو بچپن سے اقتدار میں ہونے والے سرد و گرم کو بڑے قریب سے دیکھا تھا مگر سیاست میں دلچسپی رکھنے کے باوجود وہ عملی سیاست میں حصہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھیں۔بھٹو صاحب کی شہادت کے بعد جس عمر اور جن حالات میں بے نظیر بھٹو کو پارٹی کی قیادت سنبھالنی پڑی اس میں ایک ایسی ملک گیر پارٹی کی، جس میں مختلف مکتبہ فکر کے لوگ شامل ہوں، ایک خاتون ہوتے ہوئے قیادت کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ بے نظیر بھٹو کے ساتھ جو ٹیم تھی اس نے فوجی ڈکٹیٹر کے خلاف جدوجہد میں تو شدید مصائب جھیلے تھے مگر انہیں حکومتی امور سے اتنی آشنائی نہ تھی پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ پیپلز پارٹی کو اسٹیبلشمنٹ نے مشروط اقتدار دیا تھا۔یہ تاثر عام تھا کہ پیپلز پارٹی کو اقتدار منتقل نہیں کیا گیا بلکہ اسے شراکت دار بنایا

گیا ہے۔ گیارہ سال تک ضیاء الحق کی بدترین فوجی آمریت کے بعد پارٹی کے لاکھوں کارکن اور حامی تھک چکے تھے۔ کوڑے کھانے، قید اور جلاوطنی کے عذاب سہنے والے ہزاروں کارکنوں کے گھر تباہ ہو چکے تھے۔ ضیاء حکومت نے سرکاری اور نیم سرکاری کارپوریشنوں سے جن لاکھوں ملازمین کو بے روزگار کیا تھا ان کے خاندان برسوں سے فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک زیرک اور بردبار قائد کی حیثیت سے اپنے قریبی دوستوں اور مشیروں سے باہمی مشورے کے بعد بے نظیر بھٹو نے ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں حکومت قبول کرنے کا فیصلہ کیا یوں بھی اکثریتی پارٹی کی حیثیت سے حکومت بنانا ان کا آئینی اور قانونی حق بھی تھا۔ بے نظیر بھٹو کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ ضیاء کی باقیات اور گیارہ سال تک ان کے خلاف محاذ آراء سویلین اور فوجی بیوروکریسی نے انہیں دل سے قبول نہیں کیا ہے۔ اس دوران میرے لیے ایک خوشگوار لمحہ وہ آیا جب وزیراعظم نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اپنی عارضی رہائش گاہ اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں 10 دسمبر کو میری سالگرہ منانے کے لیے ڈنر کا اہتمام کیا۔ بیگم صاحبہ کے علاوہ صرف قریبی احباب شریک ہوئے۔ انہی دونوں وزیراعظم نے سرور سکھیرا کو پریس سیکرٹری اور ارشاد راؤ کو پبلک ریلیشنز سیکرٹری اور مجھے اپنا او ایس ڈی بنانے کا فیصلہ کیا۔ میرا بھٹو خاندان سے جو تین دہائی سے تعلق رہا ہے۔ اس میں کوئی غرض وغائت اور مفاد کبھی نہیں رہا پھر مجھے اپنے یہ الفاظ بھی یاد آئے جو میں نے لندن میں ان سے کہے تھے۔ ''اگر ایک جانب ایک ملین پونڈ ہوں اور دوسری طرف آپ کا اعتماد تو میں ایک ملین پونڈ کی بجائے آپ کے اعتماد کو ترجیح دوں گا۔'' میں نے کچھ پس وپیش کے بعد وزیراعظم کی یہ پیشکش قبول کر لی اور پرائم منسٹر آفس کے ساتھ ہی دفتر میں بیٹھنا شروع کر دیا اور ماضی کی طرح غیر ملکی میڈیا کو ڈیل کرنے لگا۔ ضیاء الحق کے سارے دور میں اپوزیشن کے قائد کی حیثیت سے غیر ملکی میڈیا بے نظیر بھٹو کو بڑی اہمیت دیتا تھا، ٹیلی ویژن اور اخباروں کے نمائندے ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ان کی سیاسی سرگرمیوں کو کوریج دیتے تھے۔ وزیراعظم بننے کے بعد فارن میڈیا کے لیے اب اس بات میں بڑی اہمیت تھی کہ کسی اسلامی ملک میں پہلی بار ایک مسلمان خاتون وزیراعظم کاروبار حکومت چلا رہی ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے وزیراعظم بنتے ہی غیر ملکی میڈیا نے اسلام آباد پر یلغار کر دی۔ اب ایک طرف تو وزیراعظم کی حیثیت سے ان کی معمول کی مصروفیات تھیں۔ ملک کے مختلف شہروں کے دورے تھے۔ ساری دنیا سے آنے والے معزز مہمانوں کا

تا نتا بندھا رہتا تھا۔ کابینہ اور ارکان اسمبلی کو بھی وقت دینا ہوتا تھا۔ اس مصروفیت میں ان کے لیے یہ بڑا مشکل تھا کہ وہ روزانہ پریس کے لیے وقت نکال سکیں۔ اس لیے غیر ملکی صحافیوں کے لیے انہوں نے ہفتے میں دو دن پندرہ پندرہ منٹ کا وقت مقرر کر دیا تھا جسے بعد میں بڑھا کر آدھا گھنٹہ کر دیا گیا۔ وزیراعظم نے اپریل میں اپنے دفتر میں میڈیا کے سربراہوں کی ایک میٹنگ بلائی تو ایک خوشگوار بات یہ ہوئی کہ وزیراعظم کی کتاب ''ڈاٹر آف ایسٹ'' کا امریکی ایڈیشن Daughter of Destination وزیراعظم کو پیش کیا گیا۔ وزیراعظم نے جس طرح ڈاٹر آف ایسٹ کے پہلے ایڈیشن کی پہلی کتاب پر آٹوگراف دے کر مجھے دی تھی اسی طرح مجھے اس کتاب پر بھی اپنا پہلا آٹوگراف دیا۔ دوران گفتگو انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں ان کی eyes and ears ہوں۔ یہ سن کر سب نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ وزیراعظم کے یہ ریمارکس بظاہر تو میرے لیے فکر کا باعث تھے مگر ان کے انہی ریمارکس نے جو مختلف ذرائع سے مختلف حلقوں میں پہنچ چکے تھے میرے خلاف بغض وحسد کا ایک پنڈورا بکس کھول دیا۔

پپی مینوالہ نے جب یہ دیکھا کہ وزیراعظم فارن میڈیا میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں تو انہوں نے اس راستے سے بھی وزیراعظم کے قریب ہونے کی کوشش کی اور امریکہ میں اپنے تعلقات کو استعمال کرتے ہوئے واشنگٹن پوسٹ کے مالک کی بیٹی کو جو خود بھی ممتاز صحافی ہیں، پاکستان مدعو کیا یہ خاتون جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاکستان کا دو بار دورہ کر چکی تھیں۔ پپی مینوالا نے اپنے طور پر ملاقات کا وقت طے کر لیا اور اس سے یہ بھی کہا کہ وزیراعظم آپ کو دو گھنٹے کا وقت دیں گی اور آپ کے ساتھ ڈنر بھی کریں گی۔ مجھے ان کی آمد کا بالکل آخری وقت میں پتہ چلا میں نے ایکسٹرنل پبلسٹی کے ڈائریکٹر جنرل سے کہا کہ واشنگٹن پوسٹ کی خاص مہمان کے لیے ایک ذہین خاتون افسر کی ہمہ وقت ڈیوٹی لگا دیں اور ان کا خاص خیال کریں وہ ایئرپورٹ پہنچیں تو وہ خاتون صحافی انہیں وہیں ملیں۔ سہ پہر کو ان کا فون آیا کہ وہ اسلام آباد پہنچ چکی ہیں اور امریکن ایمبیسی نے انہیں لینے کے لیے گاڑی بھیج دی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ آج ہم آپ کو ڈنر دے رہے ہیں اور کل آپ کا وزیراعظم سے وقت طے ہے۔ ڈنر بڑے خوشگوار ماحول میں ہوا میں نے انہیں بتایا کہ کل آپ کا وزیراعظم سے آدھے گھنٹے کا وقت طے ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ مجھے دو گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وزیراعظم مجھے ڈنر بھی دیں گی۔ اس پر میں نے ان سے کہا کہ یہ ڈنر بھی

''ڈاٹر آف ایسٹ'' کے امریکن ایڈیشن پر محترمہ بے نظیر بھٹو کا آٹوگراف

In loving memory of my father, my brother,
and all those who lost their lives
in opposing General Zia's Martial Law in Pakistan.

To Bash,
who has shared
with us moments
of grief, anguish, sorrow
happiness, success and
victory may our
friendship be forever and
may the principles for
which we struggled always
triumph. Benazir Bhutto
11/4.

میں انہی کی طرف سے دے رہا ہوں اب جب وزیراعظم سے میٹنگ ہوئی تو انہوں نے کہا کہ مجھے دو گھنٹے کے وقت کا کہا گیا تھا اس پر وزیراعظم یہ سمجھیں کہ میں نے انہیں یہ وقت دیا تھا اگلے دن ان خاتون صحافی نے مجھ سے کہا کہ میں ان کا صدر مملکت، آرمی چیف اور ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی سے رابطہ کراؤں میں نے ان سے کہا کہ یہ میرے فرائض میں نہیں ہے اور نہ ہی میرا ان سے کوئی رابطہ ہے۔ میں ملٹری سیکرٹری سے کہہ دیتا ہوں اگر وہ چاہیں تو آپ کی ملاقات کروا دیں گے۔ اگلے دن وزیراعظم کو کراچی جانا تھا۔ وزیراعظم نے کہا کہ یہ خاتون صحافی ہمارے ساتھ ہی چلیں جہاز میں وہ چوہدری اعتزاز احسن اور دیگر وزیروں سے گفتگو میں مصروف رہیں اب جب وہ جہاز سے اتریں تو مجھ سے کہنے لگیں کہ وزیراعظم کے پاس تو میرے لیے وقت ہی نہیں ہے مجھے کیوں ساتھ لایا گیا ہے۔ مجھے ان کا یہ انداز اچھا نہیں لگا کیونکہ میرا طویل عرصے سے غیر ملکی صحافیوں سے رابطہ رہا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ ان سے برابری کی سطح پر تعلقات رکھنے چاہئیں اور انہیں اتنی ہی اہمیت دی جائے جس کا اخلاقی طور پر تقاضا ہے ورنہ ان کا رویہ بڑا جارحانہ ہو جاتا ہے۔ خاتون صحافی کو اسی دن اسلام آباد بھی جانا تھا مگر کیونکہ شام کو ان کی امریکن قونصل سے ملاقات طے ہو گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے اسلام آباد جانا ملتوی کر دیا اور مجھ سے کہا کہ میں ان کا ٹکٹ کینسل کرا دوں اور جو پچاس فیصد کی کٹوتی ہوتی ہے وہ بھی نہ کی جائے۔ اس پر مجھے بڑی حیرت بھی ہوئی کہ اتنے بڑے اخبار کی صحافی اتنا چھوٹا مطالبہ کر رہی ہیں۔ پروٹوکول افسر سے کہہ کر ان کا یہ کام کرا دیا۔ دو دن بعد روزنامہ ''جنگ'' میں یہ خبر شائع کرائی گئی کہ واشنگٹن پوسٹ کی مالک کی بیٹی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا اور وزیراعظم نے انٹرویو کے لیے کئی دن انتظار کرایا ساتھ ہی یہ خبر بھی دی کہ مجھے میری ذمہ داری سے سبکدوش کیا جا رہا ہے۔ جنگ کے جس صحافی نے یہ خبر دی تھی میں ان کے بارے میں تفصیل سے نہیں لکھوں گا مگر اس طرح کے لوگ جن کا بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی سے کبھی کوئی دور کا بھی تعلق نہیں رہا تھا ہماری حکومت میں پلانٹ کروا دیئے گئے تھے۔ ان کی اصل وفاداری تو اپنی اپنی ایجنسیوں سے تھی اور ان کا واحد مشن یہ تھا کہ کسی بھی طرح بھٹو خاندان کے مخلص اور کمیٹڈ لوگوں کو وزیراعظم سے دور کیا جائے۔ میں وزیراعظم کے دفتر کی عمارت میں ہی بیٹھتا تھا۔ اس دوران مجھے یہ بھی اطلاع ملی کہ بعض ایجنسیوں کی جانب سے میرے خلاف رپورٹیں بھجوائی جا رہی ہیں۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین واجد شمس الحسن نے بھی بتایا کہ

وزارت داخلہ کی طرف سے ایک رپورٹ وزیراعظم کو بھیجی گئی ہے کہ گارڈین کی نامہ نگار سے مجھے جھگڑتے دیکھا گیا ہے حالانکہ اس خاتون صحافی سے میرے دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے خلاف ایک اچھا خاصا محاذ بن چکا ہے اور ایسی صورت حال پیدا ہونے والی ہے جس میں میرے اور وزیراعظم کے تعلقات خوشگوار نہیں رہ پائیں گے۔ میں اپوزیشن کے زمانے میں اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ میرا مشن یہ ہے کہ بےنظیر بھٹو کو پرائم منسٹر ہاؤس کے دروازے تک پہنچا کر واپس لندن چلا جاؤں گا۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ میرا بھٹو خاندان سے جو طویل تعلق رہا ہے اس میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ مختلف ذرائع سے وزیراعظم کو ایک باقاعدہ منصوبہ بندی سے بدظن کیا گیا تو ایک وقت میں انہیں بھی یہ خیال ہوا کہ شاید یہ خبریں درست ہوں اس دوران فارن میڈیا کے لیے یہ حکمت عملی بنادی گئی کہ تمام غیرملکی صحافیوں سے انٹرویوز اور ملاقات کا اہتمام پریس سیکرٹری کرے گا مجھ سے کہا گیا کہ میں اہم اخبارات اور صحافیوں سے رابطہ رکھوں اب آپ اگر پرائم منسٹر سے صحافیوں کی ملاقاتیں نہیں کروا سکتے تو انہیں بھی آپ سے ملنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ ایک طرح سے میں ان دنوں فراغت میں تھا تاہم جن غیرملکی صحافیوں سے برسوں سے میرا رابطہ تھا ان سے میں وزیراعظم کے بارے میں مثبت کوریج کے لیے کوشاں رہتا تھا ایک حد تک اس وقت ذاتی حوالے سے میرے لیے صورتحال غیراطمینان بخش تھی۔ وزیراعظم کی حیثیت سے مجھے ان کی مجبوریوں کا اندازہ تھا۔

یہ درست ہے کہ گیارہ سال تک پارٹی کے عہدیداروں اور کارکنوں نے جو مارشل لاء کے کڑے دور میں مصائب جھیلے تھے اور جو ان کی محرومیاں تھیں ان کا ازالہ بھی ہونا چاہیے تھا مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ راتوں رات اس کا مداوا بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پارٹی کے ہر چھوٹے بڑے عہدیدار اور کارکن کی یہ کوشش تھی کہ وہ وزیراعظم سے براہ راست مل کر اپنی خواہش کے مطابق اپنے مطالبات پورے کروائے۔ کم وبیش ہر ایک کا یہ مطالبہ تھا کہ منفعت بخش ادارے میں روزگار ملنے کے ساتھ ساتھ پلاٹ بھی دیئے جائیں، دنوں، ہفتوں میں وہ اپنے اس تمام نقصان کا ازالہ چاہتے تھے جو انہیں جنرل ضیاءالحق کے گیارہ طویل سالوں میں پہنچا تھا محنت کش غریب اور لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے کارکنوں کا بڑی حد تک یہ استحقاق بھی بنتا تھا کہ انہیں کم از کم فوری طور پر ایک باعزت ملازمت دی جائے اب اس کا یہ نقصان ہوا کہ پارٹی کا وہ کیڈر جو گیارہ سالہ طویل

جدوجہد اور قربانیوں کے بعد پارٹی کا اثاثہ بنتا اسی سسٹم کا شکار ہو گیا جس کے خلاف وہ لڑتا رہا تھا سب سے قابل اعتراض روّیہ ہمارے قومی اسمبلی کے ارکان کا تھا۔انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں تھا کہ انہیں قومی اسمبلی کی یہ نشست صرف اور صرف پارٹی اور بھٹو خاندان کے نام پر ملی ہے۔ قومی اسمبلی کے ایک رکن کی حیثیت سے تمام مراعات اور سہولتیں لینے کے باوجود ہر ایک وزیراعظم سے بات اس طرح شروع کرتا کہ آپ بس ہر ایم این اے کو خوش کریں اب خوش کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ انہیں اتنے پلاٹ اور پرمٹ دیں کہ یہ دوسری پارٹی میں جانے کا نہ سوچیں۔نومبر 1989ء میں جب تحریک عدم اعتماد لانے کے لیے مسلم لیگ نے ہارس ٹریڈنگ کا آغاز کیا تو ہماری حکومت کو مخالفین سے زیادہ اپنے چند ارکان اسمبلی کی جانب سے دباؤ کا سامنا تھا۔شیخوپورہ سے تعلق رکھنے والے ایم این اے جو پہلے ہی کئی مراعات لے چکے تھے ایک دن وزیراعظم کے سامنے یوں گویا ہوئے کہ پرائم منسٹر صاحبہ میری بیوی بیمار ہے اور وہ اپنی زندگی میں بیٹے کی شادی دیکھنا چاہتی ہے اب بیٹے کی شادی کے لیے اس کی ملازمت تو ضروری تھی ہی پھر انہوں نے بیوی کے بیرون ملک علاج کے لیے فارن کرنسی بھی منظور کرالی۔یہ کام کرانے کے چند دن بعد وہ آئے کہ سیکٹر ایف 7 اسلام آباد میں ایک پلاٹ مل جائے تو ان کے دیگر مسائل بھی حل ہو جائیں گے وزیراعظم نے اس سے کہا کہ ہمارے پاس وہاں ایک بھی پلاٹ نہیں ہے۔اس پر یہ ایم این اے کہتا ہے کہ پلاٹ تو میں دیکھ آیا ہوں بس آپ آرڈر کر دیں۔تحریک عدم اعتماد ہی کے دوران میں نے اپنی ایک ایم این اے کو دیکھا، جنہوں نے مارشل لاء دور میں بڑی سختیاں جھیلیں تھیں کئی بار جیل گئی تھیں ہم ان کی بڑی عزت کرتے تھے اب انہوں نے بھی اس طرح بات شروع کی کہ آج کل بڑا دباؤ ہے میں نے کہا کیسا دباؤ؟ کہنے لگیں ایک کروڑ کی آفر ہوئی ہے۔میں نے پوچھا کہ کسے آفر ہوئی ہے تو کہنے لگیں کہ سمجھیں مجھے ہی ہوئی ہے۔میں نے کہا کہ اگر آپ جیسی سینئر اور کمیٹڈ کارکن اس طرح کی بات کریں گی تو پھر اس دباؤ کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ان کے ساتھ چند اور خواتین بھی بیٹھی تھیں ان میں ایک خاتون جب بھی ملتیں ان کے ہاتھ میں ملازمتوں، پلاٹوں اور بینکوں کے قرضوں کے لیے درخواستوں کا ایک پلندہ ہوتا تھا اب اس زمانے میں یہ پریشر کی ایک نئی قسم پیدا ہوئی کہ خود اپنی پارٹی کے بعض منتخب ارکان اور سینئر کارکن وزیراعظم کے لیے پریشر گروپ بنے ہوئے تھے ایک طرف پرائم منسٹر اور ان کی حکومت کو اپنوں کے ہاتھوں یہ

کچو کے لگ رہے تھے تو دوسری جانب اسٹیبلشمنٹ نے پی پی کے خلاف اپنی سازشوں کا سلسلہ بند نہیں کیا تھا۔

اس دوران کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جو وزیراعظم کے ساتھ اعتماد کے رشتہ کو مجروح کر سکتے تھے یہ صورتحال میرے لیے خاصی تکلیف دی تھی کہ کہیں اتنے سالوں کی رفاقت کا افسوسناک انجام نہ ہو مگر میں پرعزم تھا کہ بی بی سے اپنے اعتماد کے رشتہ پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں نے مشترکہ دوستوں سمیعہ وحید، آمنہ اور واجد صاحب کو بتایا کہ میں مستقل طور پر واپس لندن جا رہا ہوں اور ان سے مشورہ کے بعد بی بی کے نام ایک پرخلوص خط لکھا اور لندن واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ جب کبھی کسی مشکل وقت میں میری ضرورت سمجھیں میں ہمیشہ کی طرح آپ کے ساتھ ہوں گا اس کے فوراً بعد میں میر مرتضیٰ بھٹو سے ملنے کے لیے ایتھنز چلا گیا۔ ان سے ملاقات کا پروگرام پہلے سے طے تھا میرا ایتھنز میں دو دن قیام رہا۔ مرتضیٰ نے اپنی بہن کی 21 جون کو سالگرہ کے لیے میرے ہاتھ تحفہ اور خط بھیجا تھا۔

16 جون کو وزیراعظم ہاؤس (سندھ ہاؤس) میں آزد کشمیر کے انتخابات میں پی پی کی کامیابی کی خوشی میں ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وزیراعظم اس دن بے حد خوش تھیں۔ ڈنر کے اختتام پر وزیراعظم سے ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں مرتضیٰ کا خط اور تحفہ دیا۔ مرتضیٰ کے تحفے اور خط نے ان کا موڈ مزید خوشگوار بنا دیا۔ وزیراعظم نے خاص انداز میں میرے اس خط کا ذکر کیا جس میں، میں نے انہیں مستقل لندن جانے کی اطلاع دی تھی۔ وزیراعظم نے کہا کہ "کیا اے ڈی سی نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میرے اچانک غائب ہونے سے وہ کتنی پریشان تھیں" میں نے ان سے کہا کہ آمنہ پراچہ اور واجد شمس الحسن نے مجھے بتایا تھا کہ آپ مجھے تلاش کر رہی تھیں۔ ان دونوں کو علم تھا کہ میں میر مرتضیٰ سے ملنے ایتھنز گیا ہوں۔ میں نے وزیراعظم کو اگلے دن لندن جانے کی اطلاع دیتے ہوئے خوشدلی سے ان سے اجازت طلب کی انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ ڈنر میرے لیے الوداعی تقریب بھی ہے۔ یہ مماثلت بڑی دلچسپ ہے کہ جناب بھٹو بھی 16 جون کو وزارت خارجہ سے مستعفی ہوئے تھے۔

علی کیانی اس وقت پی آئی ڈی میں ڈائریکٹر اشتہارات تھے۔ نئے وزیر اطلاعات انہیں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ ایتھنز جانے سے قبل میں نے یہ سفارش کی کہ علی کیانی کو اوورسیز نشست

پر آزاد کشمیر کا امیدوار نامزد کیا جائے جسے وزیراعظم نے قبول کر لیا۔علی کیانی بعد میں اوور سیز نشست پر آزاد کشمیر اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔لندن آمد کے ڈیڑھ ماہ بعد مجھے اطلاع ملی کہ صدر غلام اسحاق خان نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو برطرف کر دیا یوں لاکھوں کارکنوں کی گیارہ سالہ طویل جدوجہد اور ہزاروں کارکنوں کی قربانیوں کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی عوامی حکومت اسٹیبلشمنٹ کی سازشوں سے صرف اٹھارہ ماہ بعد اقتدار سے محروم ہوگئی۔

دوسرا دورِ حکومت ـــــ حقائق اور تصوّرات

1993ء میں نگراں وزیر اعظم معین قریشی کی عبوری حکومت کی نگرانی میں ہونے والے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی نے دوبارہ کامیابی حاصل کی اور یوں محترمہ بےنظیر بھٹو نے دوسری مرتبہ وزیر اعظم پاکستان کا عہدہ سنبھالا۔ 1977ء کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ پیپلز پارٹی پنجاب میں جونیجو مسلم لیگ کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہوئی۔ سندھ اور سرحد میں پیپلز پارٹی کو حکومت بنانے کا دوبارہ موقع ملا۔ اس دفعہ یہ تجربہ بھی کیا گیا کہ پی پی پی کے بعض مخالفین کو بھی حکومتی عہدے دیئے گئے، ان لوگوں کی بھی پارٹی میں واپسی ہوئی، جو ضیاء آمریت میں پارٹی چھوڑ گئے تھے اور جنھوں نے پی پی پی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو شہید اور ان کے خاندان کے خلاف مارشل لاء کا ساتھ دیا تھا۔

بےنظیر بھٹو نے ماضی کو نظر انداز کر کے وسیع تر قومی مفاد میں سیاسی مصالحت کا مثبت رویہ اختیار کیا لیکن پارٹی کے جن کارکنوں نے مارشل لاء کے طویل دور میں مصائب و مشکلات کا مسلسل مقابلہ کیا تھا ان کے لیے ایسے عناصر کی یہ پذیرائی دل شکنی کا باعث بنی۔ اس صورتحال نے پارٹی میں نظریاتی و سیاسی خلفشار کو جنم دیا۔

پیپلز پارٹی کے کارکنوں میں یہ اضطراب پیدا ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کی عظیم قربانی کو اقتدار کی صلیب پر لٹکا دیا گیا ہے اور ابن الوقتوں کو قبول کر لیا گیا ہے وہ اسے سیاسی سمجھوتے سے تعبیر کر کے وسیع النظری کا اظہار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ جس دن محترمہ بےنظیر بھٹو کو وزیر اعظم بنانے کا اعلان کیا گیا۔ اسی شام میں اور واجد شمس الحسن ان سے ملنے بختاور ہاؤس گئے ہم دفتر میں انتظار کرنے کے بجائے لان میں چہل قدمی کرنے لگے اسی اثنا میں وزیر اعظم نے ہمیں بلا لیا اور

ہم ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ غیر ملکی دوروں میں ہم باری باری ان کے ہمراہ جایا کریں گے۔اگلے روز انہیں قبرص میں دولت مشترکہ کانفرنس میں شرکت کے لیے روانہ ہونا تھا۔وزیراعظم کے اس پہلے غیر ملکی دورہ میں واجد شمس الحسن کا نام تجویز ہوا۔بختاور ہاؤس میں ملاقات نظام نو کی پہلی جھلک تھی پہلے دور حکومت میں، میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ دوبارہ کبھی سرکاری عہدہ نہیں لوں گا، ایک صبح جب ہم ہیلی کاپٹر میں مری جا رہے تھے تو وزیراعظم نے دوران سفر مجھے کہا کہ وہ میرے لیے کچھ سوچ رہی ہیں۔میں نے برجستہ کہا۔بی بی! آپ وزیراعظم ہیں تو میں خود کو وزیراعظم سمجھتا ہوں اور میرے لیے یہی احساس کافی ہے، انہوں نے مجھے اسلام آباد میں رہنے کے علاوہ اندرون ملک ان کے ساتھ شریک سفر رہنے کے لیے کہا۔ دسمبر 93ء کے آخری ہفتے میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو چین اور شمالی کوریا کے سرکاری دورہ پر گئیں۔ میرا ان کے ساتھ دوسرے دور حکومت میں یہ پہلا غیر ملکی سفر تھا۔ایک دن قبل انہوں نے میری سالگرہ منانے کے لیے وزیراعظم ہاؤس میں ایک یادگار لنچ کا اہتمام کیا تھا اور سالگرہ کی مناسبت سے خوب آرائش وسجاوٹ کی گئی تھی۔اس لنچ کی ایک دلکشی یہ تھی کہ اس میں وہ دوست اور احباب مدعو کیے گئے بی بی اور میرے قریب ترین تھے۔ان مہمانوں میں عارف نظامی اور ان کی بیگم، وزیراعظم کے کزن طارق اسلام اور ان کی بیگم یاسمین، آمنہ پراچہ اور ان کے شوہر سلیم ذوالفقار، واجد شمس الحسن اور شاہد نواز شامل تھے۔میرے لیے یہ بات خوشی اور فخر کا باعث تھی کہ بی بی دوبارہ وزیراعظم بن کر بھی میری سالگرہ منانے کے اپنے معمول کو نہیں بھولی تھیں وہ اس دن بے حد خوش اور انتہائی خوشگوار موڈ میں تھیں۔

عارف نظامی نے سالگرہ کی خبر نوائے وقت اور نیشن میں شائع کر دی اس کا تمام حلقوں میں خوشگوار اور قابل رشک اثر ہوا۔وزیراعظم کی یہ شفقت ہر حلقہ خاص وعام میں یہ پیغام بھی ثابت ہوئی کہ کوئی سرکاری حیثیت نہ ہونے کے باوجود بھی میری اپنی ایک پوزیشن ہے۔

حقائق اور تصورات:

وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت کا آغاز بہت اچھا تھا۔اس میں کئی ترقیاتی منصوبے اور عوامی فلاح و بہبود کے کام شروع کیے گئے۔ایک طرف غیر ملکی سرمایہ کاری کے لیے

سازگار فضا پیدا کی گئی دوسری طرف عالمی سطح پر پاکستان کے جمہوری نقش کو اجاگر کرنے کے لیے مثبت اقدامات کیے گئے اور مسئلہ کشمیر کے لیے بین الاقوامی حمایت حاصل کی گئی جس کے نتیجے میں کاسابلانکا مراکش میں اسلامی ارگنائزیشن کی سربراہ کانفرنس میں متفقہ قرارداد منظور کی گئی کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے۔ شمالی علاقہ جات کے عوام کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ مسئلہ کشمیر اور بھارت کے ساتھ کشیدگی کے پیش نظر ملکی دفاع کے نظام کو مضبوط تر بنانے کے لیے میزائل ٹیکنالوجی کو فروغ دیا گیا، افواج کے لیے ٹینک اور بحریہ کے لیے Agosta آبدوز حاصل کی گئیں۔ اقتصادی شعبے میں بہتری پیدا ہوئی پہلی مرتبہ ایک بلین ڈالر کا قرضہ اتارا گیا، تین بلین ڈالر کی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوئی، ٹیکس ریونیو کی شرح 93-1992ء کے مقابلے میں 7.2 فیصد سے بڑھ کر 14.1 فیصد تک ہوئی۔ اقتصادی شعبے میں پیش رفت کے لیے اسٹیٹ بینک کو خودمختار ادارہ بنایا گیا۔ پرائیویٹ سیکٹر میں پہلے پراجیکٹ حب کو کی تکمیل ہوئی، آئل اور گیس کی تلاش کا کام تیز کیا گیا جس کے نتیجے میں چار نئے تیل اور گیس کے کنوئیں دریافت ہوئے۔

عام آدمی کو گیس اور بجلی کی سہولت فراہم کرنے کے اہم منصوبے مکمل کیے گئے گیارہ ہزار کلومیٹر کی گیس لائنیں بچھائی گئیں جس سے 240 نئے قصبات اور دیہات کو گیس پہنچائی گئی، اٹھارہ ہزار دیہات کو بجلی کی سہولت مہیا کی گئی۔ عوامی بہبود کے ان شعبوں کے علاوہ سات لاکھ ٹیلی فون کنکشن دیئے گئے اور دیہات کے لوگ ٹیلی فون کی جدید سہولت سے مستفید ہوئے۔ سٹیلائٹ ڈش بھی روشناس کرائی گئی۔

حکومت نے تعلیم اور صحت کے شعبہ پر خاص توجہ دی۔ اکیس ہزار پرائمری اسکول کھولے گئے، 33ہزار لیڈی ہیلتھ وزیٹرز بھرتی کی گئیں اور خواتین کے لیے خصوصی مراکز قائم کیے گئے اگرچہ قومی اسمبلی میں خواتین کی مخصوص نشستوں پر نمائندگی نہیں تھی لیکن عورتوں کے لیے متعدد منصوبے تیار کیے گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ وومن پولیس اسٹیشن، وومن بینک اور اعلیٰ عدلیہ میں وومن ججوں کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ دیگر ترقیاتی منصوبوں میں کیٹی بندرگاہ پر کام شروع ہوا۔ گوادر اور سہون شریف میں ایئرپورٹ کا منصوبہ پورا کیا گیا۔ کراچی میں دہشت گردی ختم کر کے امن کی بحالی بے نظیر حکومت کا اہم کارنامہ ہے، جسے تمام حلقوں میں سراہا گیا۔ ملک سے بے روزگاری کے خاتمہ کے لیے منظم کوشش کی گئی۔ سرکاری محکموں، پبلک کارپوریشن اور خودمختار

اداروں میں ہزار ہا نوجوانوں کو ملازمت دی گئی، پیپلز پارٹی کی حکومت کا یہ قابل فخر اقدام تھا کہ ایسے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اہلیت کی بنیاد پر ملازمت ملی جو عام حالات میں ناممکن امر تھا۔

ایک مستحسن فیصلہ یہ کیا گیا کہ ارکان کابینہ بینک لون لینے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ دوسرا قابل تعریف کام یہ کیا کہ ملتان اور سکھر سے حج فلائٹس کا آغاز کیا گیا جس کی وجہ سے ان علاقوں کے عوام کو دور دراز کے سفر سے نجات ملی۔ پاکستان کے امیج کو بہتر بنانے کے لیے اینٹی نارکوٹک کے محکمہ کو فعال بنایا گیا۔ اس جرم میں ملوث افراد کے لیے سزائے موت اور جائیداد کی ضبطی کا قانون بنایا گیا۔ منشیات کی تجارت میں ملوث نصف درجن مافیا چیف کو بین الاقوامی معاہدہ کے تحت طالب ممالک کے حوالے کیا گیا۔ حکومت نے قومی اور عوامی مفادات کے متعدد منصوبوں کے لیے مثبت اقدامات کیے۔ وزیراعظم نے انسانی ہمدردی کے بھی بے شمار قابل تعریف کام کیے اور ایسے مستحق افراد کی سرپرستی اور مدد کی جو حالات اور معاشی مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

بے نظیر بھٹو کی شخصیت کا یہ خوبصورت ترین پہلو یہ ہے کہ وہ ایک شفیق اور نرم دل خاتون ہیں اور ان کے پہلو میں انسانی ہمدردی سے لبریز گداز دل ہے۔ وہ ہر ایک کی تکلیف پر پریشان ہو جاتی ہیں اور مصیبت میں مدد کرنا اپنا انسانی فرض تصور کرتی ہیں، اکثر لوگ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کا یہ شخصی پہلو، ان کی دیگر کمزوریوں پر حاوی ہے۔ انہوں نے بطور وزیراعظم عام افراد کی مالی امداد کر کے ان کی زندگی کے مصائب کم کیے۔ بہت سے خاندانوں کو فاقہ کشی سے بچایا۔ انہوں نے ان پارٹی کارکنوں کا بھی خیال رکھا جن کے کاروبار ضیاء کے مارشل لاء کے خلاف جدوجہد کی وجہ سے تباہ ہو گئے تھے اور جو انتہائی تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے۔

یہاں گگو منڈی ضلع وہاڑی کے ایک پرانے پارٹی کارکن کا واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ وہ ایک مرغی خانہ اور فیکٹری کا مالک تھا لیکن اپنے قائد بھٹو شہید کے حق میں عوامی جدوجہد کا جذبہ اس کے کاروبار پر اثر انداز ہوا اور اس کا کاروبار ختم ہو گیا لیکن اس نے اپنے مکان پر پارٹی کا پرچم ہمیشہ سربلند رکھا۔ وہ اپنے کاروبار کو پھر شروع کرنے کے لیے بینک لون چاہتا تھا اس نے مجھ سے رابطہ کر کے مدد چاہی میں نے اس کی درخواست متعلقہ محکمہ کے علاوہ بااثر افراد کو پہنچا دی لیکن عمل سست تھا۔ ادھر اس کے حالات دگرگوں ہوئے، اس نے گرتی ہوئی صحت کے باعث کاروبار کا

ارادہ ترک کر دیا اور اپنے دو بیٹوں کے لیے ملازمت کی نئی درخواست دی جسے میں نے وزیراعظم کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس پر ضروری احکام دے دیئے نوکر شاہی کا اپنا طریق کار ہے، اسی دوران مجھے لندن جانا پڑ گیا۔ واپسی پر مجھے پتہ چلا کہ بے کسی کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا ہے اور بیٹوں کی ملازمت کا بھی کچھ نہیں ہوا۔ میرے لیے یہ واقعہ بڑا تکلیف دہ تھا کہ وزیراعظم کے احکامات پر عمل درآمد نہیں کیا گیا اور نوکر شاہی کی غفلت کی وجہ سے وہ عظیم انسان جس نے مارشل لاء کی صعوبتیں برداشت کیں اور پارٹی کا پرچم بلند رکھا لیکن اپنی جمہوری حکومت میں اس کی زندگی کا پرچم سرنگوں ہو گیا۔

وزیراعظم بھٹو کے علم میں یہ واقعہ لایا گیا تو انہوں نے اس کارکن کے دونوں بیٹوں کے لیے فوری ملازمت اور بیوہ کے لیے معقول رقم کی منظوری دی۔ بی بی کے اس انسانی وصف کے بہت سے واقعات ہیں۔ معروف ادیب وصحافی یونس ادیب پی پی کے جانثار تھے۔ مارشل لاء کے بعد نواز شریف دور میں انہیں ریڈیو کی ملازمت سے نکال دیا گیا تھا۔ ان کے حالات اچھے نہیں تھے میں پاک ٹی ہاؤس گاہے بگاہے جایا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اپنے حالات وزیراعظم تک پہنچانے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ وزیراعظم نے ریڈیو پر ان کی ملازمت کی بحالی کے علاوہ پچاس ہزار روپے کی منظوری دے دی میں بذات خود وزیراعظم کی طرف سے یہ چیک دینے کے لیے پاک ٹی ہاؤس گیا اور ممتاز کالم نویس منو بھائی کے ہاتھوں سے یہ چیک یونس ادیب کو پیش کیا اس وقت پاک ٹی ہاؤس کا ایک پرانا ویٹر شریف بنجارہ حسب معمول چائے لایا وہ ایک خاص انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کے تاثرات میں دکھ اور درد پنہاں تھا وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا، اس کی آنکھوں میں چھپا پیغام میں نے پڑھ لیا تھا پاک ٹی ہاؤس کے مستقل ''شام نشینوں'' میں میرے پرانے دوست اسرار زیدی اور باغ و بہار شخصیت اور درویش صفت شاعر ظہیر کاشمیری تھے۔ اسی شام پتہ چلا کہ معروف براڈ کاسٹر صحافی اور شاعر ارشاد حسین کاظمی کی شام بھی پاک ٹی ہاؤس میں گزرتی ہے انہیں سانپ نے کاٹ لیا تھا اور علاج کے معاملات درست نہیں تھے۔ ظہیر کاشمیری بھی علیل رہتے تھے۔ اسرار زیدی کے حالات بھی قابل رشک نہیں تھے۔ یونس ادیب کے لیے وزیراعظم نے جو کیا تھا۔ اس خوشگوار فریضہ کی انجام دہی میرے لیے ذہنی اطمینان کا باعث تھی، لیکن پاک ٹی ہاؤس کی اس شام نے مجھے غمگین اور اداس کر دیا۔

اسلام آباد واپسی کے بعد واجد شمس الحسن اور میں نے وزیراعظم سے درخواست کی کہ ان چاروں اصحاب کو ایک لاکھ روپے فی کس گرانٹ دی جائے۔ وزیراعظم نے کمال شفقت سے اس کی منظوری دے دی۔ چند دن بعد سیکرٹری اطلاعات نے پاک ٹی ہاؤس میں شریف بنجارہ کو ایک لاکھ روپے کا چیک دیا تو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوزیراعظم پاکستان نے کسی درخواست کے بغیر ایک لاکھ روپے بھیجے ہیں وہیں اسرار زیدی کو بھی ایک لاکھ روپے کا چیک دیا گیا۔ ظہیر کاشمیری کے گھر جا کر ان کی خدمت میں وزیراعظم بے نظیر کی طرف سے یہ چیک پیش کیا گیا۔ ظہیر کاشمیری کی گفتگو میں وہی سرشاری اور خودداری تھی جو ان کی شخصیت کا طرہ امتیاز تھا۔ ارشاد حسین کاظمی اسلام آباد کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے اور انہیں وہاں جا کر چیک دیا گیا بعد ازاں ان کی بیوہ کی بھی مالی امداد کی گئی۔ پاک ٹی ہاؤس کے مالک زاہد کی فرمائش پر وہاں کام کرنے والے دو ویٹروں کو پچاس ہزار اور پچیس ہزار کی مالی مدد دی گئی۔

وزیراعظم نے ادب وصحافت اور فنون لطیفہ سے وابستہ کئی افراد کی اپنے خصوصی فنڈ سے سرپرستی کا سلسلہ جاری رکھا، حفیظ راقب جو ''مساوات'' میں صحافیوں کے حقوق کے لیے کئی بار جیل گئے تھے۔ ان کے آخری ایام بے حد تکلیف دہ تھے۔ پاکستان کے منفرد اور ممتاز صحافی جناب نثار عثمانی پرائم منسٹر سیکرٹریٹ آئے تو انہوں نے حفیظ راقب کی مدد کرنے کی سفارش کی ان کا کیس وزیراعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے فوری طور پر دو لاکھ روپے کی گرانٹ کی منظوری دی۔ اپنے وقت کی مقبول اداکارہ صبیحہ خانم کو آنکھوں کے علاج کے لیے پانچ ہزار ڈالر کی مدد چاہیے تھی۔ صبیحہ خانم نے ٹیلی ویژن اور دوسرے اداروں کے سربراہوں سے رابطہ کر کے یہ فرمائش کی کہ انہیں پانچ ہزار ڈالر امریکہ میں آنکھوں کے آپریشن کے لیے درکار ہیں۔ اس سلسلے میں مجھ سے بھی رابطہ کیا گیا میں نے وزیراعظم کی خدمت میں نوٹ بھیج دیا اور انہوں نے مطلوبہ رقم کی منظوری دے دی ایک بار پھر منو بھائی کو زحمت دی کہ وہ صبیحہ خانم کے لیے وزیراعظم کی گرانٹ کا چیک ان کے متعلقین کو پہنچا دیں۔

پاکستان کے ممتاز دانشور ترقی پسند ادیب اور کہنہ مشق صحافی حمید اختر کو بھی حلقوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ گلے کے سرطان میں مبتلا ہیں کینسر کا علاج بجائے خود ایک لاعلاج مالی بیماری ہے۔ حمید اختر کے بارے میں یہ دردناک خبر فوری

عمل کی متقاضی تھی، حکومت نے ان دنوں بیرون ملک علاج پر پابندی عائد کر رکھی تھی، محترمہ بے نظیر بھٹو نے ملک میں حمید اختر کے مفت علاج کے احکامات دے دیئے۔ جن پر فوری عمل درآمد ہوا۔ لاہور کے معروف کینسر اسپتال میں علاج کے بل بھی اسی فنڈ سے ادا کیے گئے۔ وہ فوری علاج اور توجہ سے صحت یاب ہو گئے۔ ممتاز دانشور اور روشن خیال صحافی وارث میر مرحوم کی علمی و صحافتی خدمات کے اعتراف میں محترمہ بے نظیر بھٹو نے وارث میر فاؤنڈیشن کو دس لاکھ روپے دیئے۔

میں نے صرف چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ وزیر اعظم نے میرے توسط سے درجنوں افراد کی مدد کی۔ ان میں اہل صحافت کے علاوہ اہل قلم، اہل دانش، اہل فکر سبھی شامل ہیں۔ درجنوں لوگوں کو روزگار دے کر ان کا مستقبل سنوارا گیا اور کئی خاندان پی پی کی رحمدلی اور شفقت کی خوبی سے فیضیاب ہوئے۔ کراچی کے فلمی صحافی و اداکار اسد جعفری کی بیوہ کو دو لاکھ روپے پیپلز فاؤنڈیشن کی طرف سے دیئے گئے۔

ایک یادگار علامت:

پیپلز میڈیا فاؤنڈیشن پی پی پی کے پہلے دور حکومت میں قائم کی گئی تھی اور اس کے لیے ایک کروڑ روپے کی سرکاری گرانٹ دی گئی تھی تاکہ مستقل بنیادوں پر مستحق صحافیوں کی فلاح و بہبود کا سلسلہ شروع ہو سکے۔ یہ فاؤنڈیشن محترمہ بے نظیر بھٹو کی اس خواہش کا مظہر تھی کہ صحافیوں اور ادیبوں کی بھلائی کے لیے ایک غیر سرکاری تنظیم قائم ہونی چاہیے۔ اگست 1990ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمہ کے بعد نواز حکومت نے پیپلز میڈیا فاؤنڈیشن کے فنڈز منجمد کر دیئے جو 1993ء میں دوبارہ پی پی حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد بحال ہوئے۔ پیپلز میڈیا فاؤنڈیشن کی چیئرپرسن خود محترمہ بے نظیر بھٹو ہیں اور بورڈ آف ڈائریکٹرز جناب قمر عباس، احمد سعید اعوان، بیگم اشرف عباسی، جناب راشد لطیف، جناب واجد شمس الحسن، محترمہ آمنہ پراچہ اور مجھ پر مشتمل ہے۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے دوسرے دور حکومت میں بورڈ کا اہم اجلاس بلا کر یہ فیصلہ کیا کہ اسلام آباد میں نیشنل پریس کلب تعمیر کیا جائے اور اسی جگہ صحافیوں کے لیے رہائشی فلیٹ بھی ہوں، لیکن یہ اپارٹمنٹ اسلام آباد اور پنڈی کے ان صحافیوں کو دیئے جائیں جنہوں نے پہلے کسی بھی حکومت سے کسی جگہ کوئی سرکاری پلاٹ نہ لیا ہو۔ رہائشی منصوبے اور پریس کلب کے لیے اسلام

آباد کے سیکٹر جی ایٹ مرکز میں سی ڈی اے سے سرکاری شرح پر ایک پلاٹ لیا گیا اور ہمیں یہ فرض سونپا گیا کہ جلد سے جلد اس منصوبہ کو مکمل کیا جائے چنانچہ قواعد وضوابط پورے کر کے تعمیر کا آغاز کر دیا گیا اور اپارٹمنٹ ان صحافیوں کو الاٹ کیے گئے جو میرٹ پر پورا اترتے تھے ان میں زیادہ تر حکومت کے سخت نکتہ چیں تھے یہ فلیٹ انتہائی سستی قیمت پر دیئے گئے اور یہ سہولت بھی فراہم کی گئی کہ دوسال کے عرصہ میں آسان قسطوں میں ادائیگی کر کے فلیٹ کی ملکیت اور چابی لے لیں۔ نیشنل پریس کلب کی تعمیر اور رہائشی منصوبہ بے نظیر بھٹو حکومت کا ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ پیپلز فاؤنڈیشن کا یہ منصوبہ حکومت کے آزادی صحافت کے اقدام سے بھی آہنگ تھا جہاں ایک طرف حکومت صحافیوں اور ادیبوں کے لیے رفاہی منصوبوں پر عمل پیرا تھی وہیں دوسری طرف سرکاری خبر رساں ادارے اے پی پی کا سربراہ اردو کے ایک کالم نویس اظہر سہیل کو بنادیا گیا جس دن صدر پاکستان نے نیشنل پریس کلب کا سنگ بنیاد رکھنا تھا اور جس میں اکابرین حکومت، غیر ملکی سفیر اور اہم شخصیات مدعو تھیں۔ اظہر سہیل نے اسی دن درجن بھر صحافیوں کو اے پی پی کی ملازمت سے برطرف کر دیا کئی اعلیٰ افسران کو تقریب میں شرکت سے روکنے کے لیے فون کیے گئے یہاں تک کہ وزیراعظم کے پرنسپل سیکرٹری بھی اس تقریب میں شریک نہیں ہوئے جبکہ انہیں وزیراعظم کی ہدایات تھیں کہ وہ اس منصوبے میں عملی تعاون کریں۔ ٹیلی ویژن کے شعبہ نیوز سے کہا گیا کہ اس تقریب کی کارروائی کی کوریج سرسری طور پر کی جائے۔ پریس کلب کے سنگ بنیاد کے موقع پر دراصل سرکاری خبر رساں ادارے سے درجن بھر صحافیوں کی برخاستگی کا اصل مقصد اس تقریب کی اہمیت کو کم کرنا تھا۔ حکومت کو اس کا یہ نقصان بھی ہوا کہ اس تقریب میں چھٹے ویج بورڈ کے نفاذ کا جو مستحسن اقدام کیا گیا تھا اس کا اثر بھی زائل ہو گیا اور حکومت کے آزادی صحافت کے دعوے کو بھی شدید نقصان پہنچا۔ اس اشتعال انگیز کارروائی سے نئی صورتحال پیدا کر کے صحافیوں کی تنظیم اور حکومت کے درمیان تصادم کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اس کے علاوہ دوسرے قومی اخبارات میں اپنے ذاتی مخالف صحافیوں پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔ انہیں ملازمت سے نکالنے کی دھمکیاں دی گئیں اور مالکان اخبار پر بھی ناجائز دباؤ ڈالا گیا ''جنگ'' لاہور سے وابستہ حامد میر جو بھٹو شہید کے پرستار ہیں کو مضحکہ خیز انداز میں ملازمت سے اچانک نکال دیا گیا۔ ان کے ایک مضمون کو حکومت کی مخالفت کا غلط رنگ دے کر یہ سزا دی گئی جبکہ وزیراعظم برطرفی کی اس

کارروائی سے لاعلم تھیں۔ کسی بھی باضمیر اور انصاف پسند شخص کے لیے اس نوعیت کی ظالمانہ کارروائی قابل برداشت نہیں ہوسکتی۔ میں نے اختلاف رائے کا حق برقرار رکھتے ہوئے اپنے ضمیر سے سمجھوتہ نہیں کیا اور ظلم کا نشانہ بننے والے صحافیوں کو انصاف دلانے میں اپنا فرض پورا کیا۔

اگرچہ حکومت کے تالاب میں اور بھی مچھلیاں تھیں لیکن ایک مچھلی تالاب کو کس طرح گندہ کرتی ہے اس کی یہ زندہ مثال تھی۔ اس ناپسندیدہ شخص کے ماضی کے کردار کو فراموش کر کے اعلیٰ گریڈ میں تقرری وزارت اطلاعات ونشریات کی ایک بڑی غلطی تھی۔ جن "لوگوں" نے اسے حکومت میں بھیجا تھا انہیں تو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن پی پی کی حکومت کو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ حکومت نے پریس کو جو آزادی تھی، اسے حکومت کے خلاف استعمال کیا جانے لگا اور کراچی سے پشاور تک تصورات کی گرد اڑنے لگی حکومت نے عوامی فلاح و بہبود اور قومی ترقیاتی منصوبوں کے قابل قدر کام کیے تھے۔ ان کی بجائے تصورات کا پرچار عوامی حلقوں کا دلچسپ موضوع بن گیا۔ تصورات کے اس منظر کی تصویر کشی کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

جو نقش کہیں تم کو نظر آئے مٹادو
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
ایک عجیب افراتفری کا حشر برپا ہے
اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ والوں کے وارے نیارے ہیں
حکومتی نوازشات کی نہریں بعض افراد کے کھیتوں کو سیراب کر رہی ہیں
جہاں سونے کی فصل لہلہا رہی ہے
معجزے ظہور پذیر ہو رہے ہیں

علم و آگہی سے تہی دامن اور محروموں کی بنجر زمین میں
اچانک عقل و دانش کے چشمے ابل پڑے ہیں
اور
ان کے مشورے معتبر ٹھہرے

یہ تصورات حکومت کا تختہ الٹنے کا پیش خیمہ تھے۔ حکومتی ذرائع ابلاغ اس صورتحال کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہو گئے۔ تمام متعلقہ حلقے اس کے خلاف صف آراء ہو چکے تھے۔ تصورات کی دنیا میں حقائق ایک گمشدہ حقیقت بن گئے۔ پی پی مخالف قوتوں نے اس کے خلاف اور سرگرم ہو کر بے نظیر حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے عمل کو تیز تر کر دیا۔ ایوان صدر بھی سازشوں کی آماجگاہ بن گیا اور ایک بہت بڑی غداری کے کسی بھی وقت وقوع پذیر ہونے کا خطرہ منڈلانے لگا۔ انہی دنوں صدر فاروق لغاری کے ایک انتہائی قریبی ذریعہ نے اپنے ایک دوست کو یہ بتا کر حیران کر دیا کہ صدر نے ایک حالیہ ملاقات میں یہ بتایا ہے کہ وہ بہت جلد بے نظیر بھٹو کی حکومت کے خلاف سخت قدم اٹھانے والے ہیں۔ ہمارے لیے یہ اطلاع ناقابل یقین بھی تھی اور تشویشناک بھی۔ ہمارے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ فاروق لغاری ایسا کر سکتے ہیں ایک روز وزیراعظم نے مجھے احمد سعید اعوان اور شاہد نواز کو پی ایم ہاؤس بلایا وہ اپنے بھائی کے قتل کے صدمہ سے سنبھل نہیں پائی تھیں۔ اس ملاقات کے دوران میں نے انہیں صدر لغاری کے عزائم کے بارے میں بتایا تو ان کا فوری ردعمل یہ تھا ''میں نے ابھی اپنا ایک بھائی کھویا ہے اور دوسرے بھائی کو کھونا نہیں چاہتی ہوں۔'' وزیراعظم سے یہ سن کر مجھے 1993ء کی ملتان میں وہ رات یاد آ گئی جب پی پی انتخابی مہم کے دوران بیگم نادرہ خاکوانی کے ہاں مقیم تھیں۔ وہاں میں نے یہ کوشش کی تھی کہ میر مرتضٰی بھٹو سے ان کی فون پر بات ہو سکے۔ اس کے لیے میں نے اپنے دوست خالد رندھاوا کے موبائل فون سے دمشق مرتضٰی سے بات کی اور وہ نادرہ خاکوانی کے فون پر اپنی بہن سے بات کرنے پر آمادہ بھی ہو گئے۔

رات کا پہلا پہر تھا اس وقت فاروق لغاری کے علاوہ جہانگیر بدر بھی موجود تھے۔ محترمہ بے نظیر نے ان کے سامنے یہ راز افشا کر دیا کہ پچھلے دنوں مرتضٰی سے ملنے میں دمشق گیا تھا اور مصالحت کے لیے بہت اچھا کام کر رہا ہوں۔

مرتضٰی کے فون کا ہمیں بڑی بے چینی سے انتظار تھا کہ پتہ چلا کہ نادرہ خاکوانی کا فون اچانک ڈیڈ ہو گیا ہے اور یوں میری یہ کوشش بارآور نہ ہو سکی تھی۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے اس ملاقات کے دو ہفتوں بعد ان کے دوسرے بھائی نے جسے وہ کھونا نہیں چاہتی تھی 6 نومبر 1996ء کی رات کی تاریکی میں اپنی بہن کی حکومت معزول کر دی۔

✧

بے نظیر بھٹو، مرتضیٰ بھٹو۔ کتنے پاس اور کتنی دور

فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کا خیال تھا کہ وہ بھٹو صاحب کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر ''بھٹو'' اور پیپلز پارٹی سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لے گا۔ فوجی ٹولے نے اس بات کی کوشش بھی کی کہ وہ پارٹی کے اندر ایک متبادل قیادت سامنے لائے۔ اس کے لیے بھٹو صاحب کی زندگی میں بھی کوشش کی گئی کہ بیگم نصرت بھٹو کی جگہ پارٹی کا چیئرمین کسی دوسرے کو بنایا جائے مگر پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں نے بھٹو خاندان کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا قائد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

بھٹو صاحب کی گرفتاری کے بعد جب پہلی بار بے نظیر بھٹو عوام میں آئیں تو پارٹی کے کارکنوں کا نعرہ ''بھٹو کی تصویر بے نظیر'' راتوں رات زبان زد عام ہو گیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کے وقت میر مرتضیٰ بھٹو پاکستان ہی میں تھے۔ ان کی تعلیم ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور وہ لندن میں زیر تعلیم تھے۔ بھٹو صاحب نے بیگم بھٹو کو پیغام بھیجا کہ مرتضیٰ اور شاہنواز کو فوری طور پر ملک چھوڑ دینا چاہیے تا کہ وہ تعلیم مکمل کر کے آنے والے مشکل حالات کا مقابلہ کر سکیں۔ مرتضیٰ اور شاہنواز کے ملک سے باہر جانے کے بعد پارٹی اور خاندان کی ساری ذمہ داریاں بیگم بھٹو اور بے نظیر بھٹو کے کاندھے پر آ پڑیں۔

جنوری 1984ء میں اپنی پہلی جلاوطنی تک بے نظیر بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کی دہشت کا جرأتمندی سے مقابلہ کیا اور اپنے شہید والد کی سیاسی وارث کی حیثیت سے نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالمی سطح پر بھی اپنی شخصیت کا لوہا منوالیا۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے بھٹو صاحب کو پھانسی سے بچانے کے لیے جو مہم چلائی اس سے وہ ساری دنیا میں پہچانے جانے لگے۔ بیشتر ممالک کے سربراہان مملکت سے ان کے ذاتی سطح پر تعلقات

قائم ہوئے۔شیخ زید بن سلطان النہیان، معمر قذافی، حافظ اسد اور یاسر عرفات مرتضٰی کو اپنے بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔4 اپریل 1979ء کو بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد مرتضٰی نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر مسلح جدوجہد کا جو راستہ اختیار کیا۔اس نے ان کے سیاسی کردار کو پاکستان میں تو محدود کیا ہی مگر اس سے بڑھ کر شہید بھٹو کے دونوں بیٹوں کے ساتھ ایک بڑا المیہ یہ ہوا کہ انہوں نے کابل میں قیام کے دوران اپنی نوعمری اور ناتجربہ کاری کے سبب ایسے شریک زندگی منتخب کیے کہ جس نے ایک کی جان لے لی اور دوسرے کے سیاسی مستقبل پر گہرے اثرات پڑے۔

بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد دونوں بھائی اپنی تعلیم چھوڑ کر لندن آ گئے تو میرا ان سے دن رات کا ساتھ ہو گیا ہفت روزہ مساوات نے جس کے پبلشر مرتضٰی اور میں ایڈیٹر تھا، ہمیں ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا تھا، لندن کے ابتدائی دنوں میں مرتضٰی اور شاہنواز غلام مصطفٰی کھر کے فلیٹ میں رہتے تھے۔غیر ممالک کے سفر کے دوران بھی مرتضٰی کے ساتھ کھر ہوتے تھے۔ مرتضٰی کو کھر پر بڑا اعتماد تھا مگر بعد میں بدگمانی نے اعتماد کا رشتہ ختم کر دیا اور انہیں کھر کا نام سننا تک گوارا نہ تھا۔

ادھر جولائی 77ء کے بعد سے میں مسلسل بے نظیر بھٹو کے رابطے میں تھا۔جنرل ضیاءالحق کے کارندے جو بھٹو خاندان کے خون کے پیاسے تھے مرتضٰی اور شاہنواز کو ختم کرنے کی سازشوں میں مسلسل لگے رہتے تھے جس کی وجہ سے میں ان کے بارے میں بڑا فکرمند رہتا تھا۔جنوری 1984ء میں بے نظیر بھٹو کی لندن آمد کے بعد میں ان کا میڈیا کے لیے ترجمان تھا اور اس زمانے میں ذاتی سطح پر بھی مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔بے نظیر بھٹو کو مرتضٰی اور شاہنواز سے والہانہ محبت تھی۔بھٹو صاحب کی شہادت کے بعد تو بڑی بہن کی حیثیت سے بھی وہ اپنا یہ فرض سمجھتی تھیں کہ دونوں بھائیوں کا خاص خیال رکھیں۔جولائی 1985ء میں بے نظیر بھٹو کو فرانس میں ایک طویل عرصے بعد اپنے چھوٹے بھائیوں سے ملاقات کا موقع ملا۔بیگم بھٹو، بے نظیر بھٹو، مرتضٰی اور شاہنواز نے فرانس کے خوبصورت ساحلی شہر نیس (Nice) میں چند دن بڑے خوشگوار ماحول میں گزارے مگر ان چند دنوں کی خوشیوں کا اختتام ایک اندوہناک سانحہ پر ہوا۔شاہنواز بھٹو کی پراسرار موت نے بھٹو خاندان کو ہلا کر رکھ دیا جس کے بعد مرتضٰی نے اپنی بیوی فوزیہ سے جو شاہنواز کی بیوی ریحانہ کی بڑی بہن تھیں علیحدگی اختیار کر لی اور اپنی بیٹی فاطمہ کے ساتھ مستقل دمشق آ گئے۔

جولائی 1987ء میں بی بی کی منگنی کے اعلان کے بعد قیام لندن کے دوران ہی ہمیں یہ اطلاع ملی کہ مرتضیٰ دمشق میں ایک لبنانی لڑکی سے شادی کر رہے ہیں، بے نظیر بھٹو یہ سن کر بے چین ہو گئیں اور انہوں نے فوری طور پر دمشق جانے کا پروگرام بنایا۔ بی بی کا قیام مرتضیٰ کے گھر پر تھا اور مجھے انہوں نے اپنے ایک فلسطینی دوست کے گھر ٹھہرایا تھا، رات کو مرتضیٰ نے شیرٹن میں ہمیں ڈنر دیا، کئی سال بعد میری یہ مرتضیٰ سے پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے بتایا کہ فاطمہ اپنی لبنانی ٹیچر سے بہت قریب ہو گئی ہے اور اسی وجہ سے میں اس سے شادی کا سوچ رہا ہوں۔ بے نظیر بھٹو نے مرتضیٰ کو سمجھایا کہ کسی غیر ملکی لڑکی سے شادی کرنے کا دوسرا تجربہ ٹھیک نہیں ہے۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ میں ایک بھائی کھو چکی ہوں اب تمہیں کھونا برداشت نہیں کر سکوں گی۔ بے نظیر بھٹو نے مرتضیٰ سے کہا کہ وہ کسی پاکستانی لڑکی سے شادی کر لیں اور کئی لڑکیوں کے نام بھی بتائے۔ اس پر مرتضیٰ نے ہنسی مذاق میں اس موضوع کو ٹال دیا۔

☆☆☆

بے نظیر بھٹو کے وزیراعظم بننے کے بعد مرتضیٰ سے ہماری پہلی ملاقات 1989ء میں پیرس میں ہوئی۔ انقلاب فرانس کی دوسو سالہ تقریبات میں شرکت کے لیے وزیراعظم بھٹو کے سرکاری وفد میں، میں بھی شامل تھا۔ میرا قیام ایک دوسرے ہوٹل میں تھا، مجھے وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری نے فون پر کہا میں فوری طور پر وزیراعظم کے ہوٹل پہنچوں۔ اس وقت رات بہت ہو چکی تھی اور دوسو سالہ تقریبات کے باعث پیرس کی شاہراہوں پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم اور ٹریفک بہت بڑا مسئلہ تھا چنانچہ میں نے ملٹری سیکرٹری سے کہا کہ صبح حاضر ہو جاؤں گا اگلے دن میں ہوٹل پہنچا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مرتضیٰ اپنی بیٹی فاطمہ کے ساتھ موجود ہیں۔ وزیراعظم کے وفد میں یاسمین نیازی اور ان کے شوہر طارق اسلام بھی تھے۔ طارق لندن میں مرتضیٰ کے بڑے قریب رہے تھے۔ مرتضیٰ بھٹو کی شخصیت میں یوں بھی بڑی جاذبیت اور کشش تھی پھر وزیراعظم کے بھائی ہونے کی وجہ سے وفد کا ہر فرد ان سے قریب ہونے کا خواہشمند تھا۔ ایک عرصے کے بعد بے نظیر بھٹو اور مرتضیٰ کی بڑے خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوئی۔

پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہونے کے بعد ملکی اخبارات میں کچھ حلقوں کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جا رہا تھا کہ مرتضیٰ بھٹو کی واپسی میں کونسی رکاوٹیں حائل ہیں۔ بظاہر یہ

سوال بڑا سادہ تھا مگر حقیقت میں اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت کے لیے یہ اتنا آسان نہ تھا کہ وہ میر مرتضیٰ پر قائم سنگین نوعیت کے مقدمات کو فوری طور پر ختم کر کے ان کو وطن واپس آنے کی اجازت دے۔ خاص طور پر شاہ بندر کیس جیسے حساس نوعیت کے مقدمات میں مرتضیٰ بھٹو کو فوجی عدالتوں سے سزا بھی سنائی جا چکی تھی پھر پنجاب میں پی پی کی کٹر مخالف مسلم لیگی حکومت برسراقتدار تھی۔ سویلین اور ملٹری بیوروکریسی کا ایک الگ دباؤ تھا یوں ان حالات میں بی بی کی مرتضیٰ سے دوسری ملاقات مئی 1990ء میں ہوئی۔ وزیراعظم بھٹو نے کشمیر کاز کے لیے آٹھ اسلامی ملکوں کے دورے کا پروگرام بنایا تھا۔ اردن سے ہم دمشق پہنچے۔ یہیں آصف زرداری کی مرتضیٰ سے دوسری بار ملاقات ہوئی۔ مرتضیٰ اور آصف کی یہ ملاقات بڑے اچھے ماحول میں ہوئی۔ آصف نے کہا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کچھ لوگ غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ہمیں ان سے محتاط رہنا چاہیے۔

اگست 1990ء میں پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے کے بعد ایک بار پھر بھٹو خاندان کے لیے یہ بڑا نازک دور تھا۔ اسٹیبلشمنٹ اور میڈیا کے ذریعہ پیپلز پارٹی کی حکومت اور خاص طور پر وزیراعظم کے شوہر آصف زرداری کے خلاف یہ ایک منظم مہم چلائی جا رہی تھی۔ اسی دوران مرتضیٰ پیرس آئے تو میں لندن سے پیرس گیا اور اسی دوران ان سے ایک تفصیلی انٹرویو لیا جو انگریزی اخبار نیشن میں شائع ہوا۔ اس انٹرویو میں مرتضیٰ نے نہایت واضح الفاظ میں کہا کہ ہمارے درمیان سوچ کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہم میں کسی بھی طرح کی کوئی دشمنی نہیں ہے یہ مخالفین کی خوفناک چال ہے جو ہمارے سیاسی اختلاف کو انتقامی سیاست کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔ مرتضیٰ بھٹو کے اس انٹرویو سے پاکستان میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں پر بڑا اچھا اثر پڑا مگر اس دوران مرتضیٰ کے قریب وہ عناصر آ چکے تھے جن کا ماضی مشکوک تھا اور جن کا واحد مشن یہ تھا کہ اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر بھٹو خاندان کو ایک دوسرے کے خلاف اس طرح برسرپیکار کر دیا جائے کہ مستقبل میں ان کے قریب آنے کے تمام دروازے بند ہو جائیں۔ بھٹو خاندان سے تعلق رکھنے والے سبھی قریبی دوستوں کے لیے یہ بڑا تکلیف دہ وقت تھا۔ تمام تر کوششوں کے باوجود یہ خلیج وسیع ہوتی جا رہی تھی۔ ماضی میں بھٹو خاندان نے سیاسی بحرانوں کا تو بڑے حوصلے سے ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا مگر یہ ایک ایسا جذباتی بحران تھا جس نے بتدریج ماں، بہن اور بھائی کو ایک ایسے نازک موڑ پر کھڑا کر دیا جس نے

بعد میں ایک بڑے ''سانحہ'' کی صورت اختیار کر لی۔ اکتوبر 1993ء میں الیکشن کا مرحلہ آیا تو مرتضیٰ کو ان کے نادان دوستوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ سندھ سے قومی وصوبائی اسمبلی کی 18 نشستوں سے بیک وقت الیکشن لڑیں۔ پیپلز پارٹی کو اس کے گڑھ سندھ میں شکست دینے کے لیے یہ ایک خوفناک سازش تھی، مرتضیٰ جو ملک سے گزشتہ 17 سال سے باہر تھے انہیں پاکستانی سیاست خاص طور پر انتخابی سیاست سے اتنی آ گاہی نہیں تھی اگر وہ خود بھی آ کر الیکشن لڑتے تو شاید کچھ نشستوں پر کامیاب ہو جاتے۔ بیگم بھٹو کا بھی خیال تھا کہ مرتضیٰ کو ایک یا دو نشستوں سے الیکشن لڑنا چاہیے کیونکہ اس طرح اگر وہ منتخب ہو جاتے ہیں تو اس سے ان کے پاکستان واپس آنے میں مدد ملے گی۔ انہوں نے بھی مرتضیٰ کو سمجھایا کہ اس سے سندھ میں پارٹی کو نقصان پہنچے گا کیونکہ تمام نشستیں جیتنے کے بعد بھی وزیر اعلیٰ کے انتخاب کے وقت تو وہ ایک ہی ووٹ ڈال سکیں گے۔

بھٹو خاندان اور پارٹی کے روایتی دشمن دونوں جانب سے نقب لگانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ ایک جامع منصوبہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ بہن اور بھائی کے درمیان مستقل دشمنی کی بنیاد پڑ جائے۔ بی بی سے مشورہ کے بعد میں نے انتہائی خاموشی سے دمشق کا سفر کیا۔ مرتضیٰ سے ملاقات کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میں جس مشن پر آیا ہوں وہ اتنا آسان نہیں۔ مرتضیٰ کے ذہن میں یہ بات پختہ کرادی گئی تھی کہ ان کا 18 نشستوں سے انتخاب لڑنے کا فیصلہ درست ہے۔ میرا قیام مرتضیٰ کے گھر پر ہی تھا۔ میں نے مرتضیٰ سے کہا کہ پاکستان جا کر تو آپ شاید چند نشستوں پر جیت بھی جائیں مگر باہر بیٹھ کر جو آپ کو ڈیڑھ درجن نشستوں پر لڑنے کا مشورہ دے رہے ہیں وہ آپ کے دوست اور ہمدرد نہیں۔ میری موجودگی میں ہی بیگم بھٹو کا فون بھی آیا اور انہوں نے بھی زور دے کر مرتضیٰ سے کہا کہ وہ دو نشستوں سے زیادہ پر الیکشن نہ لڑیں۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے بھی فون پر بات کی کہ مرتضیٰ کو سمجھاؤں کہ اتنی نشستوں سے الیکشن نہ لڑے اس سے نقصان ہوگا۔ بیگم صاحبہ کی آواز جذبات سے مغلوب تھی۔ میں نے انہیں تسلی دی کہ میں کوشش کر رہا ہوں لیکن والدہ کے احترام کے باوجود مرتضیٰ اپنی ضد پر قائم رہے۔ مجھ سے بھی انہوں نے تلخ لہجے میں کہا کہ کیا آپ مجھے صرف یہ مشورہ دینے کے لیے یہاں آئے ہیں، جب میں نے یہ دیکھا کہ مرتضیٰ الیکشن سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تو میں نے روزنامہ ''جنگ'' کے حامد میر کے لیے ان سے ایک انٹرویو لیا جس میں ان سے یہ سوال بھی کیا کہ کیا آپ بے نظیر بھٹو کو پارٹی کی لیڈر تسلیم کرتے ہیں۔ ا

س پر مرتضیٰ نے کہا کہ اگر میں واپس آ گیا تو انہیں اپنا لیڈر تسلیم کر لوں گا۔ مرتضیٰ کا یہ انٹرویو روزنامہ ''جنگ'' میں نمایاں طور پر شائع ہوا اور اس کا خاص طور پر سندھ میں اچھا اثر ہوا۔

بیگم بھٹو کے لیے یہ سخت آزمائش کا دور تھا۔ ممتا کے ترازو کے ایک پلڑے میں بیٹی اور دوسرے میں بیٹا۔ لاڑکانہ کی صوبائی اسمبلی کی نشست پر مرتضیٰ بھٹو کو کامیاب کرانے کے لیے بیگم بھٹو کو ذاتی طور پر خود انتخابی مہم چلانی پڑی۔ بیگم بھٹو کی انتھک محنت کے بعد مرتضیٰ بھٹو بہت کم ووٹوں سے لاڑکانہ کی صوبائی اسمبلی کی نشست پر کامیاب ہو سکے باقی تمام نشستوں پر انہیں شکست ہوئی۔ ان کے گروپ کے دیگر امیدواروں میں سے بھی کوئی امیدوار کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ الٹا اس کا نقصان یہ ہوا کہ کئی ایسے حلقوں سے جہاں پی پی کامیاب ہوتی تھی چند ووٹوں سے انہیں مرتضیٰ کے کھڑے ہونے سے ان نشستوں سے محروم ہونا پڑا۔

مرتضیٰ بھٹو کی واپسی:

مرتضیٰ کی جب پاکستان روانگی کی مجھے اطلاع ملی تو میں نے ان کے ساتھ آنے کا پروگرام بنایا۔ بی بی سی کی ٹیم بھی اس سفر میں ان کے ساتھ آنا چاہتی تھی مگر مرتضیٰ کے مشیروں نے جو ان کی واپسی کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے، آخر وقت تک مرتضیٰ کی واپسی کی تاریخ کو مخفی رکھا۔ پاکستان روانگی سے صرف چار دن پہلے انہوں نے واپسی کی تاریخ کا اعلان کیا اتنے مختصر نوٹس پر بی بی سی کی ٹیم پروگرام نہ بنا سکی۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ مرتضیٰ کے ساتھ جو مشیر ہیں وہ ان امور میں کتنے نااہل اور ناتجربہ کار ہیں پھر جب مجھے مرتضیٰ کے ساتھ پاکستان آنے والوں کے ناموں کا پتہ چلا تو میں نے ان کے ساتھ جانے کا ارادہ تبدیل کر دیا۔

میں نے وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو مطلع کر دیا تھا کہ میں مرتضیٰ کا استقبال کرنے ایئرپورٹ جاؤں گا۔ کراچی پہنچ کر ہم 70 کلفٹن میں جمع ہوئے تاکہ ایئرپورٹ ایک ساتھ جائیں۔ بیگم بھٹو، واجد شمس الحسن، آمنہ پراچہ، سلیم ذوالفقار، سمیعہ وحید، سلمٰی وحید، یاسمین نیازی، طارق اسلام اور مرتضیٰ کے دوست نجیب ظفر اور مخدوم خلیق الزماں جب ایئرپورٹ پہنچے تو معلوم ہوا کہ جہاز مقررہ وقت پر نہیں پہنچ رہا۔ شام تک ہم وی آئی پی لاؤنج میں انتظار کرتے رہے۔ ایئرپورٹ کے باہر اور اندر بڑی تعداد میں پولیس موجود تھی۔ ہمارے محتاط اندازے کے مطابق دس بارہ ہزار کا مجمع

تھا جس میں اکثریت کا تعلق اندرون سندھ سے تھا۔ رات گئے مرتضیٰ کے جہاز نے کراچی ایئر پورٹ پر لینڈ کیا۔ انتظامیہ نے بڑی پس وپیش کے بعد بیگم بھٹو کو مرتضیٰ سے ملنے کی اجازت دی اور انہیں جہاز کے اندر ہی سے گرفتار کر کے جیل پہنچا دیا گیا۔

وزیر اعظم کو میں پہلے ہی مطلع کر چکا تھا کہ میں مرتضیٰ سے ملاقات کروں گا اگلے دن میں چیف سیکرٹری سندھ کی اجازت لے کر لانڈھی جیل پہنچ گیا جہاں مرتضیٰ بھٹو نظر بند تھے مجھے دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی، میں نے انہیں بتایا کہ میرا جو آپ سے طویل تعلق رہا ہے۔اس حوالے سے میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ میں آپ سے ہر صورت میں ملوں گا، مرتضیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ حکومت میں، میری کیا پوزیشن ہے اس پر میں نے جواب دیا کہ میں جس طرح پہلے کام کرتا تھا ویسے ہی کام کر رہا ہوں۔ میں نے مرتضیٰ سے کہا کہ وزیر اعظم کے دل میں آپ کے لیے بڑی عزت اور پیار ہے مگر جن اتحادیوں کے ساتھ وہ اقتدار میں ہیں وہ آپ کی رہائی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس وقت مرتضیٰ بھٹو ایک انتہائی حساس قیدی تھے۔ اس لیے دوبارہ ہمیں ملاقات کے لیے وزیر اعظم کو با قاعدہ آگاہ کرنا پڑا۔ اس ملاقات میں واجد شمس الحسن بھی میرے ساتھ تھے۔

چند ماہ بعد ہی مرتضیٰ کی ضمانت ہو گئی۔ 70 کلفٹن ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ اب اس ساری صورتحال میں ہماری پوزیشن بڑی عجیب سی تھی۔ مرتضیٰ کے اردگرد کے لوگوں کا کہنا تھا یہ حکومت کے لوگ ہیں اور آپ کے پاس کیوں آتے جاتے ہیں۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے قریبی حلقے بھی ہم پر شک کرتے تھے مگر ہمیں ان دونوں طرف کے لوگوں کی فکر نہیں تھی کیونکہ مرتضیٰ اور وزیر اعظم کو ہم پر اعتماد تھا۔ میری یہ کوشش تھی کہ جلد سے جلد بھائی بہن کی ملاقات ہو جائے۔ وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ مرتضیٰ میرا چھوٹا بھائی ہے اور وزیر اعظم ہاؤس سمیت میرے تمام گھروں کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں جبکہ مرتضیٰ کا کہنا تھا کہ اگر میں نے وزیر اعظم سے ملاقات کی تو یہ سمجھا جائے گا کہ میں نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ وزیر اعظم جب بھی کراچی اور لاڑکانہ جاتیں اور میں ان کے ساتھ ہوتا تو انہیں یہ بتا کر جاتا کہ میں مرتضیٰ سے ملنے جا رہا ہوں۔ ملاقات کے دوران میں پوری کوشش کرتا کہ انہیں قائل کروں کہ وہ اپنی بہن سے ملاقات کریں۔ تمام تر سیاسی دباؤ کے باوجود جب مرتضیٰ کے سامنے بی بی کا ذکر ہوتا تو وہ کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے بڑی بہن کی عزت میں کمی آتی ہو۔ ان کے اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کی یہ پوری کوشش ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح

ایسی بات چھیڑیں جس سے مرتضیٰ مشتعل ہو کر وزیراعظم بے نظیر کے خلاف تلخ زبان استعمال کریں مگر کم از کم میرے سامنے ایسی نوبت نہیں آئی۔مرتضیٰ کیونکہ سندھ اسمبلی کے رکن بھی تھے۔ اس لیے عموماً اسلام آباد میں سندھ ہاؤس میں ٹھہرتے تھے میرا جو ڈرائیور تھا وہ بھٹو صاحب کے دور حکومت میں بچوں کو مری وغیرہ لے جایا کرتا تھا۔ایک دن ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ مجھے میر صاحب سے ملوادیں انہیں دیکھ کر مجھے بھٹو صاحب بہت یاد آتے ہیں۔مرتضیٰ کی شخصیت میں بڑی منکسر المزاجی تھی وہ ہر ایک سے جھک کر ملتے تھے خاص طور پر عام لوگوں سے ان کا رویہ بڑا مشفقانہ ہوتا تھا جب میں نے مرتضیٰ کو بتایا کہ یہ ڈرائیور آپ سے ملنا چاہتا ہے تو مرتضیٰ نے اسے گلے لگایا اور باقاعدہ اس طرح جھکے جس طرح سندھ میں بڑوں کے پیروں کو ہاتھ لگایا جاتا ہے۔ ڈرائیور کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے اگلے دن وزیراعظم سے جب میری ملاقات ہوئی تو میں نے ڈرائیور سے مرتضیٰ سے ملاقات کا ذکر کیا۔ادھر مرتضیٰ کے قریبی دوست نجیب ظفر بھی اپنے طور پر مرتضیٰ کی وزیراعظم سے ملاقات کے سلسلے میں کوشاں تھے۔

اسی دوران جب بے نظیر بھٹو کی صاحبزادی بختاور کی سالگرہ آئی تو میں نے مرتضیٰ سے کہا کہ آپ سالگرہ کے لیے کوئی تحفہ بھیجیں۔مرتضیٰ نے کہا کہ میں تحفہ میں ایک چھوٹا سا ریبٹ دینا چاہتا ہوں اور اس کا انتظام بھی میں کروں، ریبٹ (خرگوش کا بچہ) کی تلاش میں میں نے سارا اسلام آباد چھان لیا مگر ریبٹ نہیں ملا تو میں نے آسٹریلین چڑیوں کا ایک پنجرہ لیا اور مرتضیٰ کے کارڈ کے ساتھ وزیراعظم کے ذاتی ملازم سے کہہ کر ان کے کمرے میں رکھوادیا۔وزیراعظم نے مجھ سے اس کا بڑے خوشگوار لہجے میں ذکر کیا اور کہا کہ اس سے بچے بڑے خوش ہوئے کہ ان کے انکل نے انہیں تحفہ بھیجا ہے۔اس دوران جب وزیراعظم لاڑکانہ آتیں اور مرتضیٰ المرتضیٰ میں ہوتے تو وہ اپنے بچوں کو مرتضیٰ کے پاس بھیج دیتیں۔

جولائی 1996ء میں ایک صبح میں نے یہ خبر پڑھی کہ وزیراعظم ہاؤس میں مرتضیٰ بھٹو نے وزیراعظم سے ملاقات کی ہے۔میں یہ خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا کہ جس مشن کے لیے میں ایک طویل عرصے سے کام کر رہا تھا وہ اس حد تک پورا ہوا کہ دونوں کی وزیراعظم ہاؤس میں ملاقات ہوئی۔مرتضیٰ اور وزیراعظم کے تمام ہی قریبی دوستوں کو یہ علم تھا کہ میں دونوں کی ملاقات کے لیے

کوشاں ہوں۔اس لیے عام تاثر یہ تھا کہ جیسے اس ملاقات کا میں نے اہتمام کروایا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ملاقات سے پہلے مجھے اس کا علم بھی نہیں تھا۔مرتضٰی کا مجھے فون آیا کہ آپ رات کہاں تھے۔میرا خیال تھا کہ آپ اس ملاقات کے دوران وزیراعظم ہاؤس میں ہوں گے کیونکہ سب سے زیادہ تو آپ ہی اس کے لیے سرگرم تھے۔مرتضٰی نے کہا کہ میں ان سے ملنے فوراً نجیب ظفر کے گھر آ جاؤں کیونکہ ایک گھنٹے بعد وہ پشاور کے لیے روانہ ہو جائیں گے جب میں وہاں پہنچا تو پشاور سے مرتضٰی کی پارٹی کے دو مقامی عہدیدار انہیں لینے آئے ہوئے تھے اور وہ اس ملاقات پر بڑے پریشان تھے۔مرتضٰی ان کے سامنے وضاحت پیش کر رہے تھے مگر ان کی شکایت میں کمی نہیں آ رہی تھی مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو ایک بھائی کی بہن سے ملاقات پر ناراض ہو رہے ہیں۔ان لوگوں کو چھوڑ کر ہم نے کچھ دیر علیحدگی میں بات کی۔مرتضٰی کا خیال تھا کہ وزیراعظم سے اس ملاقات کے نتیجے میں انہیں سیاسی طور پر نقصان پہنچے گا۔میں نے ان سے کہا کہ آپ کی اس سے عزت بڑھے گی کیونکہ بہرحال آپ وزیراعظم کے چھوٹے بھائی ہیں اور آپ ان کی رہائش گاہ پر ایک بھائی کی حیثیت سے ملنے گئے تھے۔

جولائی 1996ء کی ملاقات کے بعد بتدریج مرتضٰی بھٹو اپنی بہن سے نزدیک ہو رہے تھے اور یہ فطری بات بھی تھی کہ اپنا خون پھر اپنا ہوتا ہے۔بھٹو خاندان اور پارٹی کے دشمن اس صورتحال سے بڑے پریشان تھے انہیں اپنا سارا منصوبہ خاک میں ملتا دکھائی دے رہا تھا۔پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان کے مخالفین کے لیے مرتضٰی ایک بڑا اچھا کارڈ تھے جنہیں بھٹو خاندان کے چالباز مخالفین نے بڑی سفاکی سے استعمال کیا۔پیپلز پارٹی کی حکومت میں وزیراعظم کے بھائی کو قتل کرنے کی سازش کے لیے بساط بچھائی جا چکی تھی جس کے لیے حکومت کے اندر اور باہر مہرے ایک بڑی بازی کے لیے متحرک ہونا شروع ہو گئے تھے۔سیاست میں بعض مرحلے ایسے آتے ہیں کہ جب آپ اپنے سامنے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اسے نہیں روک پاتے۔مرتضٰی کی وطن واپسی کے بعد سیاسی منظرنامہ جس تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا اس میں ایک وقت ایسا آیا کہ ہم سب بے بسی کی تصویر بنے اپنے سامنے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔صدر فاروق لغاری کے بارے میں بے نظیر بھٹو

اکثر کہا کرتی تھیں کہ اگر میرا چھوٹا بھائی مرتضیٰ ہے تو فاروق لغاری بڑے بھائیوں کی طرح ہیں۔ صدر مملکت کے سب سے بڑے عہدے کے لیے فاروق لغاری کا انہوں نے جو انتخاب کیا تھا اس کا ایک سبب یہ بھی تھا ایوان صدر میں ہونے والی مشکوک سرگرمیوں کے بارے میں جب وزیراعظم کو اطلاعات ملیں تو انہوں نے اسے یکسر مسترد کر دیا مگر جب ان کے قریبی مشیروں نے بھی فاروق لغاری کے بدلتے رویئے کا ذکر کیا تو انہوں نے جنرل نصیراللہ بابر اور آفتاب شیر پاؤ کو فاروق لغاری کے پاس بھیجا، فاروق لغاری نے ان سے کہا کہ بے نظیر میری بہن ہیں اور میں بھٹو خاندان سے بے وفائی کا سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ یہ عہدہ مجھے انہی کی وجہ سے ملا ہے، مگر اسلام آباد کی فضاؤں میں سازشوں کی بو صاف محسوس ہو رہی تھی۔ مرتضیٰ ستمبر کے اوائل میں اسلام آباد آئے ہوئے تھے۔ مرتضیٰ بھٹو کی سالگرہ 18 ستمبر کو آتی ہے مگر مرتضیٰ کو کیونکہ اس سے پہلے کراچی جانا تھا اس لیے میں نے مرتضیٰ سے کہا کہ میں آپ کی سالگرہ کا اپنے گھر پر ڈنر دینا چاہتا ہوں۔ ڈنر میں صرف قریبی دوست مدعو تھے، نجیب ظفر اور ان کی بیگم، آمنہ پراچہ اور ان کے شوہر سلیم میں نے اس ڈنر کے لیے وزیراعظم سے بھی کہہ دیا تھا کہ اگر وہ مصروف نہ ہوں تو آ جائیں مگر اس دن قومی اسمبلی کا اجلاس تھا جس میں وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف نے بڑی لمبی تقریریں کیں جس میں رات کے 12 بج گئے۔ مرتضیٰ جب بھی مجھ سے ملتے تو اپنی بہن کے لیے Your Leader کہا کرتے۔ مرتضیٰ نے ڈنر ٹیبل پر بیٹھتے ہی کہا تم نے کوئی چکر تو نہیں چلایا ہے۔ میری یقیناً یہ بڑی خواہش تھی کہ مرتضیٰ کی سالگرہ کی اس خوشی میں بے نظیر بھٹو بھی شریک ہوں مگر ان کا فون آیا کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے، میر کو میرا اسلام دیں اور ڈنر انجوائے کریں۔''

18 ستمبر کو کراچی میں مرتضیٰ کی سالگرہ پر جب میں نے انہیں فون پر مبارکباد دی تو میر نے بڑے خوشگوار موڈ میں کہا کہ ''آپ کی لیڈر نے کیک بھیجا ہے۔'' بی بی مجھے پہلے ہی بتا چکی تھیں کہ انہوں نے مرتضیٰ کی سالگرہ پر کیک بھیجا ہے۔ مرتضیٰ سے فون پر یہ میری آخری گفتگو تھی۔

20 ستمبر کی شام اسلام آباد کے ایک ریسٹورنٹ میں وزیراعظم کے ملٹری سیکرٹری جنرل عبدالقیوم، پرسنل فزیشن بریگیڈیئر عظمت رشید، آمنہ پراچہ، ان کی بیٹی صنم اور میں ڈنر کر رہے تھے

ایک دوست کے فون نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ مرتضٰی اور پولیس میں مسلح جھڑپ ہوئی ہے۔ جنرل قیوم نے فوراً وزیرداخلہ جنرل نصیراللہ بابر کو فون کیا۔انہوں نے یہ خبر دی کہ مرتضٰی شدید زخمی ہو گئے ہیں یہ سنتے ہی ہم نے ڈنر ختم کیا۔ جنرل قیوم اور ڈاکٹر عظمت رشید وزیراعظم ہاؤس چلے گئے اور میں گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں گھر لوٹ آیا۔اس کے بعد تو ٹیلی فونوں کا تانتا بندھ گیا ہر ایک یہی پوچھ رہا تھا کہ کیا مرتضٰی کی حالت خطرے سے باہر ہے مگر ہر فون پچھلے فون سے زیادہ دل ہلا دینے والی خبر دے رہا تھا پھر کراچی سے آنے والے آخری فون سے ایسے لگا جیسا میرے کانوں میں کوئی سیسہ اتار رہا ہے۔

ادھر پرائم منسٹر ہاؤس میں کہرام برپا تھا۔وزیراعظم کو اپنے بھائی کے بارے میں خبر ملی تو ان کی حالت ناقابل بیان تھی۔وزیراعظم ہاؤس کا عملہ ان کی کراچی روانگی کے انتظامات میں مصروف تھا نصف شب کے قریب وہ نڈھال حالت میں کراچی چلی گئیں۔بےنظیر بھٹو نے بڑے بڑے بحرانوں میں بڑے تحمل اور جرأت مندی سے حالات کا مقابلہ کیا ہے وہ نہ صرف خود حوصلہ مند رہتیں بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی حوصلہ دیتی تھیں۔اپنے بھائی کے قتل کے بعد انہیں دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکی ہیں۔خالی ویران آنکھوں سے وہ اپنے اردگرد اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے ہر چیز ہر فرد بےوقعت، بےحقیقت ہو۔بیگم نصرت بھٹو اس وقت لندن میں تھیں۔انہوں نے اپنے بیٹے کی سالگرہ کے لیے تحفے خریدے تھے اسی شام وہ پاکستان واپسی کے لیے عرب امارات کی ایئرلائن میں سوار ہو چکی تھیں اور اپنے بیٹے کے قتل سے بےخبر تھیں۔بیگم صاحبہ کو پاکستان کے ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے خدا حافظ کہا تھا۔جہاز روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد واجد صاحب کو مرتضٰی کے قتل کی خبر ملی۔انہوں نے ایئرپورٹ سے مجھے فون کیا میں نے اسی پریشانی کے عالم میں انہیں اگلی پرواز سے پاکستان آنے کے لیے کہا واجد صاحب صنم بھٹو کے ہمراہ پی آئی اے کی پرواز سے پاکستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔میں نے یہ رات جاگ کر گزاری میں فوراً کراچی جانا چاہتا تھا اگلی صبح پہلی فلائٹ سے آمنہ پراچہ، بیگم ظفر نیازی اور میں کراچی گئے اور وہیں سے وزیراعظم کے جہاز میں لاڑکانہ روانہ ہوئے۔موہنجوداڑو ایئرپورٹ سے ہم سیدھے المرتضٰی گئے۔المرتضٰی کے درودیوار نوحہ خواں تھے۔

بیگم نصرت بھٹو بے ہوشی کی حالت میں تھیں۔

ممتا کا ترازو ٹوٹ گیا تھا۔

مرتضیٰ کی سالگرہ کے لیے لندن سے جو تحائف لے کر آئی تھیں وہ بیٹے کو دینے کے لیے اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔

یہ دلخراش منظر ہمارے لیے نا قابل برداشت تھا۔

فاطمہ اپنے باپ کے صدمے کو برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ اس کے لیے سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔

فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو جونیئر یتیم ہو گئے۔

حالات کی ستم ظریفی نے ان کو اپنی پھوپھی بے نظیر سے دور کر دیا۔

اور ان میں پیار و محبت اور شفقت کا رشتہ وقت کی بے رحمی کا شکار ہو گیا۔

میر مرتضیٰ بھٹو کے بھیانک قتل کا یہی سب سے خوفناک اور دردناک المیہ ہے۔

20 ستمبر کو وزیر اعظم بے نظیر کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو ان سے رخصت ہوئے اور ڈیڑھ ماہ بعد ان کے منہ بولے بھائی نے انہیں وزیر اعظم ہاؤس سے رخصت کر دیا۔

در حقیقت میر مرتضیٰ کا قتل بے نظیر بھٹو کا سیاسی قتل تھا۔

پھر انتقام کا بدترین دور شروع ہوا۔

بے نظیر بھٹو کی نیک نامی، شرافت اور خاندانی وقار کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔

انصاف کے نام پر قتل گاہ تیار کی گئی۔

انتقام کے جلادوں نے پھانسی کا پھندا تیار کیا اور ان کی شہرت کو ذبح کرنے کا تماشا شروع ہوا۔

بے نظیر نے استقلال اور بہادری سے قاتلوں کے وار سہے اور دشمن کے ہر حربے کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

اپنے شہید والد ذوالفقار علی بھٹو کی عظمت کا پرچم سر بلند رکھا۔

قائد عوام کے نصب العین پر کار بند رہ کر عوام کے جمہوری حقوق کی منزل کے حصول کا یہ سفر ہنوز جاری ہے۔

✧

دستاویزات

وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کا مصنف کے نام پہلا خط

RAWALPINDI
Camp

No: 34-(KR)-Fm/66

January 15, 1966

My dear Mr. Riaz,

Thank you for your kind letter dated December 17, 1965, and for the kind sentiment that you have expressed for me. I greatly appreciate your sense of patriotism and the initiative that you took in giving a suitable reply to the Milap which has indulged in such base slander in utter defiance of journalistic ethics and of moral decency. This article also been brought to my notice by another Pakistani patriot like yourself and I have referred the matter to our High Commission in London. It gives me a very good feeling to know that the interests of Pakistan abroad are being guarded so zealously by patriotic citizens of Pakistan like yourself.

Please accept my renewed thanks and best wishes,

Yours sincerely,

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Bashir Ahmad Riaz,
Press Correspondent,
14-Simonside Terrace,
Newcastle - on-Tyne 6,
United Kingdom.

وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط
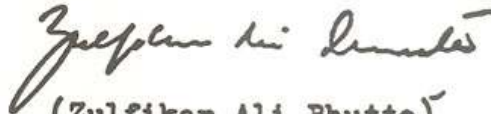
RAWALPINDI

No: 491-(TR)-Fro/66 February 12, 1966.

Dear Mr. Riaz,

Thank you very much for your letter of 29th January, 1966. I shall be happy to see you when you come to Pakistan.

Yours sincerely,

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Bashir Ahmad Riaz,
Press Correspondent,
14, Simonside Terrace,
Newcastle-on-Tyne 6,
U.K.

وزیر خارجہ کی حیثیت سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط 16 جون 1966ء

RAWALPINDI

No: 1111- FM/66

June 16, 1966.

Dear Mr. Riaz,

Thank you very much for your letter dated the 1st June, 1966 and for the kind sentiments. It gives me great pleasure to send my autograph photograph.

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Bashir Ahmad Riaz,
Press Correspondent,
14, Simonside Terrace,
Newcastle-on-Tyne 6.

ایوب خان کی حکومت سے مستعفی ہونے کے بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط (31 اکتوبر 1966)

Zulfiqar Ali Bhutto
(BAR-AT-LAW)
Sir Shah Nawaz Bhutto

"AL-MURTAZA"
BHUTTO COLONY
LARKANA
31. 10. 66.

۷۸۶

جناب ریاض صاحب

سلام مسنون

۱۰ ستمبر کا روانہ کردہ مرسلہ ملا تھا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں اسکی
وجہ میری وطن سے طویل غیر حاضری تھی مجھے افسوس ہے کہ قیام لندن میں
آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ارسال کردہ تمام تراشے احمد دہلوی کی معرفت موصول
ہوئے تھے جن کا میں نے مطالعہ کیا۔ بہت شکرگزار ہوں - یورپ کا سفر بہت ہی اچھا رہا
امید ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے خلوص و محبت سے نوازتے رہینگے [illegible]
آپکے خلوص و نوازش کی قوی امید رکھتا ہوں

[illegible] بخیریت ہونگے

فقط آپکا خیر اندیش

Zulfikar Ali Bhutto

(ذوالفقار علی بھٹو ایچ۔ پی۔ کے)

لاڑکانہ

جناب بشیر احمد ریاض
نمائندہ اخبارات
انگلینڈ۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط

ZULFIKAR ALI BHUTTO
H.Pk.
(Barrister-at-Law)

70 Clifton,
Karachi.

11th February 1967

My dear Mr. Riaz,

I am most grateful to you for your kind and thoughtful greetings on the occasion of Eid-ul-Fitr and would like to warmly reciprocate the same.

With best wishes,

Yours sincerely,
Zulfikar Ali Bhutto

Mr.B.A.Riaz,
Press Correspondent,
41, Meldon Terrace,
Heaton,
New Castle upon Tyne 6,
United Kingdom.

Bhutto Colo.
Larkana
20th March

برادرم السلام علیکم!

آپکا خط ملا۔ آپکی علالت کی خبر سے تشویش ہوئی خدا کرے آپ اب صحت مند ہوں
آپکی ارسال کردہ کٹنگ مل گئی جسکا میں ممنون ہوں۔ آپ نے خصوصی انٹرویو کے
لئے جو تجویز تحریر کی ہے تو انشاء اللہ سوالات موصول ہونے پر جوابات
ضرور تحریر کروں گا۔ پاکستانی عوام کو جو مجھ سے محبت ہے وہی میرا
سرمایۂ حیات ہے میں اس کو رب العزت کا کرم سمجھتا ہوں
مجھے آپ جیسے تعلیم یافتہ اور باشعور احباب کے تعاون و خلوص پر فخر ہے
احمد صاحب کی اطلاع کے مطابق آپ لائف میگزین ایشیا ایڈیشن کا
۲۸ نومبر کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔ اسکا اشاعتی عدد [illegible]
Crisis in Kashmir جب شائع ہو تو مجھے ضرور
تا کہ بھیج دیں
روانہ کریں۔ اپنا پیغام برائے ایشیا عنقریب روانہ کروں گا۔
امید ہے کہ مزاج مع الخیر ہوں گے۔
انتہائی پرخلوص تمناؤں کے ساتھ

مخلص
Zulfikar Ali Bhutto
(ذوالفقار علی بھٹو)
[illegible]

[illegible]

S. Ahmed Dehlavi

LARKANA 20 · 3 · 67 196

برادرم ریاض صاحب

سلام مسنون

امید ہے کہ مزاج بخیریت ہونگے ذوالفقار صاحب کے نام جو
میسج روانہ کیا وہ میرے سامنے ہے جسکا جواب آپکو دے دیا ہے
میں نے خواجہ منیر کو بھی لکھا تھا کہ مجلہ کی کاپی روانہ کریں
انہوں نے جواب ہی نہیں دیا مگر انکا شکریہ یہ میرے حیثیت کی
ضرورت درکار ہے کیونکہ رسالہ پاکستان میں داخلہ منع کر دیا ہے
اسلئے انکو مزید معلومات کی تکلیف دے رہا ہوں یہ ایشیا ایڈیشن ہے
جیسا کہ ذوالفقار صاحب کے خط میں تحریر ہے یعنی
Life Asia Edition 28th Nov 1966. اسکا وہ حصہ جس کا تعلق ہم سے ہے اسکا
تراشہ روانہ فرما کر مشکور ہوں کا موقع دیں انشاء اللہ کے لئے انکا
انٹرویو اسکے مراسلات انہیں روانہ کیا جا رہا تھا ۔ خواجہ منیر کو بھی
دعا فرما دیں ۔

میری ان کو سلام کہیں

والسلام
احمد دہلوی

70, Clifton
Karachi-6.
۲۹ مئی ۶۶ء

مکرمی بشیر احمد ریاض صاحب۔

السلام علیکم

جناب کا مورخہ ۹ مئی ۱۹۶۶ء کا تحریر کردہ خط مع ایک تراشے کے موصول ہوا۔ 'ایشیا' میرے نام پر ارسال کرنے کا شکریہ۔ واقعی کتاب قابل تعریف اور جاذب نظر پرچہ ہے۔ اس کی خوبصورتی میں آپ لوگوں کی تعریف نہ کی جائے تو ناانصافی ہوگی۔

یہ خبر پڑھ کر کہ اب آپ ماشاءاللہ روبصحت ہیں خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ آپ کو شفائے کاملہ عطا فرمائے۔ آپ نے اپنی جواہر پریشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ تو ان کے لئے آپ کو پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی مناسب بندوبست کر دیگا

منگنی کی میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔ Crisis in Kashmir ابھی تک نہیں دیکھی۔ جب دیکھوں گا تو مطلع کروں گا۔

فقط والسلام
آپکا مخلص
Zbhutto
ذوالفقار علی بھٹو
ہلال پاکستان

70. Clifton
Karachi-6.
۳ جولائی ۶۹ء

مکرمی بشیر ریاض صاحب۔

السلام علیکم!

آپکا تحریر کردہ خط موصول ہوا۔ جس کیلئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ چونکہ آپ نے جن واقعات پر رنج و درد کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی عقیدت مندی کا ثبوت ہے جو کہ اس زمانے میں عنقا ہے۔ لاہور میں جو کچھ ہوا ہے اس پر افسوس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم اور ایسے مخلص دوستوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں خوش و خرم اور بخیریت ہوں۔

آپکے الفاظ آپ کی اولو العزمی اور جوانمردی کا آئینہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ کامیاب و کامران کرے۔ یاد رکھئے ہر وقت سچ بولنے اور مسلسل جدوجہد ہی کا نام کامیابی ہے۔

میں انشاء اللہ جولائی کے درمیان لاہور آؤنگا تو آپ سے ملاقات ضرور ہوگی اس وقت تمام بہتر طور پر گفتگو کر سکیں گے۔

امید ہے آپ بخیریت ہونگے۔

فقط والسلام
مخلص
ذوالفقار علی بھٹو

70. Clifton
Karachi-6
۱۵ جولائی ۱۹۶۷ء

مکرمی بشیر صاحب

السلام علیکم!

آپ کا مورخہ ۱۱ جولائی کا تحریر کیا ہوا خط ملا۔ مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو میرا پچھلا خط مل گیا ہے۔ آپ کی تحریر پر آپ کا اشتیاق، خلوص اور محبت کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے جن جذبات کا اظہار قلم کی زبانی کیا ہے انہوں نے مجھ کو بہت محظوظ کیا۔

میں انشاء اللہ اگست کے پہلے ہفتے میں آپ لوگوں کے پاس ہوں گا۔ تاریخ کا تعین کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ دیر سویر ہو جایا کرتی ہے۔ ہاں میں کراچی سے ۱۹ جولائی کو روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن دوسری جگہوں پر بھی ٹھہرنا ہے۔ غالباً تاریخ کی مجبوری آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔

مادرِ ملت کی ناگہانی رحلت نے سب کو مغموم کر رکھا ہے۔ لیکن اس کو سوائے رنج و افسوس کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ ہاں صبر کی گنجائش ضرور ہے۔

میری نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حوصلہ دے اور کامیاب کرے۔ جملہ دوستوں کو میرا السلام علیکم پہنچائیں۔

فقط والسلام
مخلص

ذوالفقار علی بھٹو
[illegible]

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط

70 Clifton
Karachi 6.

November, 17, 1967

My dear Bashir,

I hope you are well. This is only a short letter to inform you that we are holding a Convention of the Party on the 30th of November and 1st December. Everything is proceeding well and 'INSHA-ALLAH', I am confident that the Party will become the invincible force geared to the service of the Nation's supreme interest. The task will be difficult but we shall overcome all problems as we believe that the principles of our party serve the best interest of the people of Pakistan.

I would request you and your friends to make the most valuable efforts to ensure the success of the Party from your end. A great deal can be done by our people in England, and I am sure that you will organize powerful cells of the Party.

With best wishes.

Yours sincerely,

(ZULFIKAR ALI BHUTTO) H.Pk.

M/S Bashir Riaz,
c/o "Asia" Weekly,
13 Alcester Road,
Birmingham 13,
LONDON.

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط

70. Clifton
Karachi-6

29th February 1968

Dear Mr. Bashir Riaz,

I am in receipt of your letter dated 28th February 1968 from which I am happy to learn that you have come home. You also write about the illness of your sister which I am grieved to know. Please convey her prayers on my behalf for quick recovery.

I will be in Karachi up to the 7th March and will then proceed to Larkana for Eid returning again to Karachi on the 12th. I shall then leave for East Pakistan on the 16th or 17th. This will give you an idea about my availability in Karachi and you are welcome to see me here any day during the period accordingly.

As far as an article for "Asia" Weekly is concerned, I am afraid, due to my extensive tours I cannot settle down to write one but when you meet me we can consider the interview.

With best wishes and thanking you,

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Bashir Riaz,
79, McLeod Road,
LAHORE.

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط (21 اگست 1968ء)

70, Clifton
Karachi.

21st August 1968

Dear Mr. Shabbir Riaz,

Thank you very much for your letter of August 17th.

I am here up to the 24th morning. The same day I am leaving for Lahore and will proceed from there to Dacca. I will be very happy if you will see me either in Lahore or in Karachi whichever place may suit your convenience.

Thanking you once again and with best wishes,

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Shabbir Riaz,
c/o Daily NAWA-I-WAQT,
LAHORE.

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط (25 مئی 1969ء)

70, Clifton
Karachi-6

25th May 1969.

Mr. Bashir Riaz,
Asia Weekly,
13 - Alcester Road,
Birmingham, 13,
ENGLAND.

Dear Mr. Bashir Riaz,

Thank you for your letter which I am replying in haste as in a few hours I am leaving for Rawalpindi.

I am glad you liked my book which has been recently published in England. I will be happy if you can work out the question of Urdu translation by getting in touch with Mr. Stalworthy of Oxford University Press London who will give you the address of my agent Mr. John Wolfers.

With best wishes,

Yours sincerely,
Zulfikar Ali Bhutto
(Z. A. Bhutto)
H.Pk.

Phone: 411821

CENTRAL SECRETARIAT
PAKISTAN PEOPLE'S PARTY

ISLAM IS OUR FAITH
DEMOCRACY IS OUR POLITY
SOCIALISM IS OUR ECONOMY
ALL POWER TO THE PEOPLE

Zulfiqar Ali Bhutto H. Pk.
Chairman, Pakistan People's P
BEHIND QUAID-E-AZAM'S MAZAR,
KARACHI-5

REF. NO. 15/P.P.P/69.

DATED ۲ مئی ۱۹۷۱ء 197

مائی ڈیر بشیر السلام علیکم

آپکا خط مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۷۱ء کا مجھے ملا۔ پڑھکر حالات معلوم ہوئے۔
آپ نے میری محنت اور جو کچھ میں پاکستان میں کر رہا ہوں میری ہمت افزائی
کی ہے کہ میں تہ دل سے مشکور ہوں۔
عزیزم آپکو اخبارات سے معلوم ہو رہا ہوگا کہ آجکل ہمارا پاکستان کس دور
سے گذر رہا ہے جو کہ [illegible] دشمن طاقتیں ہیں [illegible] انشاء اللہ آپ
صاحبان کے تعاون سے اور خدا کی غیبی مدد سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا
ہمیں صبر اور اطمینان کی ضرورت ہے۔
مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان اپنے وطن کی اسی طرح خدمت کرتے رہیں گے
مجھے آپکی تحریر پریشانیاں معلوم کرنے کے سبب دکھ ہوا۔ میری دعا ہے کہ آپکو سکون
قلب نصیب ہو۔ والسلام۔ شکریہ

آپکا مخلص

Zulfiqar Ali Bhutto

Zulfiqar Ali Bhutto H. Pk.
Chairman, Pakistan People's Party.

Mr Bashir Riyaz
71-Wellington Road, Edgbaston,
Birmingham, 15

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط (یکم ستمبر 1971ء)

70, Clifton
Karachi

-1 SEP 1971

My Dear Bashir Riaz

Thank you very much for your kind message concerning my welfare. By the grace of God the operation has been successful. I am well on the way to a complete recovery and intend to resume my duties soon.

Please accept my warm and sincere appreciation for the courtesy of your enquiry. It has been a source of comfort during my stay in hospital and I want to thank you once again for your thoughtful gesture.

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto
(Zulfikar Ali Bhutto)
H. Pk.

Mr Bashir Riaz,
71, Wellington Road,
Birmingham-15

جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط (29 ستمبر 1971ء)

Phone: 411828

CENTRAL SECRETARIAT
PAKISTAN PEOPLE'S PARTY

ISLAM IS OUR FAITH
DEMOCRACY IS OUR POLITY
SOCIALISM IS OUR ECONOMY
ALL POWER TO THE PEOPLE

Chairman's Office
BEHIND QUAID-E-AZAM'S MAZAR,
KARACHI-5

REF. NO 109/P.P.P./71

DATED 29 SEP 1971

Dear Mr. Bashir Riaz,

I am in receipt of your letter dated 21st September 1971.

Thank you for sending me the information contained in your letter which I have noted.

Yours sincerely

(Zulfikar Ali Bhutto)
H.Pk.

Mr. Bashir Riaz,
71 Wellington Road,
Edgbaston, Birmingham
U.K.

وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے جناب ذوالفقار علی بھٹو کا خط

PRIME MINISTER

Prime Minister's House,
Rawalpindi.

3rd December, 1973

Dear Mr. Bashir Ahmad,

Thanks for your letter setting out your views on the various matters discussed in it. I am touched by your kind sentiments for the popular leadership in your country and by your convictions in the service of your people.

Yours sincerely,

Zulfikar Ali Bhutto

Mr. Bashir Ahmad Riaz,
139 St. Paul Ave,
Slugh, Bucks,
ENGLAND.

PRESIDENT'S HOUSE
RAWALPINDI.

۱۲ دسمبر

مکرمی جناب بشیر ریاض صاحب

تسلیم۔

آپکے دراسے مورخہ 30 نومبر اور ۳ دسمبر کے موصول ہوئے۔

کٹنگ بھیجنے اور معلومات فراہم کرنے کا شکریہ۔ میں نے بھٹو صاحب کو بھی ان معلومات سے آگاہ کیا ہے۔

صدر صاحب سے انٹرویو کے سلسلہ میں آپ جب پاکستان تشریف لائیں تو رابطہ قائم کریں۔ آپکو وقت دینے کی کوشش کی جائے گی۔

نصرت بھٹو

(بیگم نصرت بھٹو)

بیگم نصرت بھٹو کا خط

PRIME MINISTER'S HOUSE,
RAWALPINDI.

7. 10. '75.

جناب بشیر ریاض صاحب

اسلام علیکم!

مجھے آپکا عید کارڈ ملا - عید کارڈ بھیجنے کا بہت بہت شکریہ۔ میری طرف سے بھی عید مبارک قبول فرمائیے

مخلص

نصرت بھٹو

(بیگم نصرت بھٹو)

خاتون اوّل کی حیثیت سے بیگم نصرت بھٹو کا مصنف کو پہلا خط (7 ستمبر 1973ء)

PRIME MINISTER'S HOUSE
RAWALPINDI
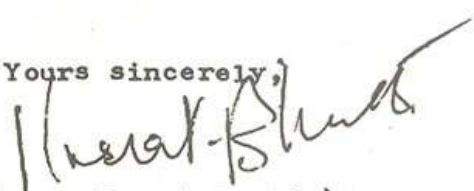
7th September 1973

Dear Mr Bashir Riaz,

Thank you for your telegram of felicitations on my husband's assuming the office of the Prime Minister of Pakistan.

I very much appreciate your sentiments and good wishes which you have expressed for both of us.

Yours sincerely,

Nusrat Bhutto

(Begum Nusrat Bhutto)

Mr Bashir Riaz,
139 St Paul Ave.
Slough, Bucks (UK)

بیگم نصرت بھٹو کا بیان

Pakistanis and Kashmiris living in Britain have always supported the just cause of Chairman Bhutto Shaheed and the people of Pakistan. Their consistent struggle against the barbaric rule has been a great source of strength for the oppressed people of Pakistan.

This was said by the Chairman Pakistan People Party Begum Nusrat Bhutto in a message to Shah Nawaz Bhutto, now living in London.

She said that because of the painful events in Pakistan and continued strangulation of political activities it had not been possible for the high command to pay due attention to the PPP organisations abroad.

It is because of this fact that certain undesirable elements in collaboration with the military junta have started exploiting the genuine feelings of our supporters to achieve their personal goals and missions.

She said that shortly a plan to re-organize the PPP abroad, would be worked out by the central committee so as to give a correct and productive line to the followers of PPP and true supporters of Mr. Bhutto Shaheed.

Shah Nawaz Bhutto said that Begum Nusrat Bhutto would be sending a special message for the Pakistanis living abroad, on the eve of independence day.

1) Editor Millat
2) Editor Musawaat

[signature] 24/7

بیگم نصرت بھٹو کا خط (12 مئی 1973ء)

PRIME MINISTER'S HOUSE,
RAWALPINDI.

May 12, 1975.

Dear Mr. Bashir Riaz,

Received your letter of April 28,1975 and the recorded tape you had sent with it for which I thank you.

What can one do with such liars who pose as leaders and make fools of honest people but in reality make fools of themselves?

I have discussed your letter and its enclosures with the Prime Minister. Hope you will keep me informed.

With good wishes,

Yours sincerely,

Nusrat Bhutto

Begum Nusrat Bhutto

Mr. Bashir Riaz,
31-Dolphin Road,
Slough Bucks
United Kingdom.

PRIME MINISTER'S HOUSE
RAWALPINDI
14 مارچ 1977

محترم شبیر ریاض

السلام وعلیکم

1977ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کی
شاندار کامیابی پر مبارکباد کا خط بھیجنے پر آپ کا شکریہ۔
حالانکہ اپوزیشن نے قانون کو ہاتھ میں لیکر نظم
و ضبط کو درہم برہم کرنے کی پوری کوشش کی۔ رائے دہندگان
کو خوفزدہ کیا اور پولنگ سٹیشنوں پر دھاندلیاں کرتے رہے۔
مگر عوام کے بھرپور تعاون سے پاکستان پیپلز پارٹی انتخابات میں
بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔
میں دل کی گہرائیوں سے آپ کے نیک جذبا
اور احساسات کا احترام کرتی ہوں۔ نیک تمناؤں کے ساتھ۔

نصرت بھٹو
(بیگم نصرت بھٹو)

بشیر ریاض صاحب

آپکا ۲ دسمبر کا محررہ مکتوب ملا۔ آجکل یہاں ڈاک کی ترسیل میں بہت سی رکاوٹیں ہیں۔ اسلئے آپکا خط بھی بہت سے مراحل سے گزر کر مجھ تک پہنچا ہے۔

آپکی تحریریں اکثر و بیشتر مساوات لاہور میں نظر سے گزرتی ہیں۔ عوامی شعور کی بیداری کیلئے آپکی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔

۲۔ آپکا خط بروقت موصول نہ ہو سکا اسلئے قائد اعظم نمبر کیلئے پیغام آپکی خواہش کے مطابق آپ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ تاہم یوم قائد اعظم کیلئے اشارات کو جاری ہونیوالا بیان لف ہے۔

۳۔ جن مسائل کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے انکے سلسلے میں ایڈیٹر مساوات کو ہدایت کر دی گئی ہے۔

نصرت بھٹو

نصرت بھٹو
چیئرمین

بیگم نصرت بھٹو کا ایڈیٹر مساوات (لندن) کے نام خط

اس دور میں سچ اور جھوٹ کی پہچان کرا دی تو نے
زندگی امر ہوئی موت کی شان بڑھا دی تو نے

بشیر ریاض صاحب

آپ کا تعزیت نامہ ملا۔ ہمارے پیارے اور محترم کا بہیمانہ قتل ہماری زندگی کا غمناک ترین سانحہ ہے۔ اس گھڑی میں آپ کے تعزیتی الفاظ نے ہماری غمناک زندگی کے لمحات کو قابلِ عمل بنانے میں مدد دی ہے۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

انڈس کے شفاف پانی کی مانند اُن کی زندگی اعلیٰ ظرفی، عظمت، ہمدردی اور فراخدلی کا بہتا ہوا دریا تھی انہوں نے جابرانہ طاقتوں کے خلاف انتہائی دلیری سے مقابلہ کیا تاکہ ایک بہتر معاشرے کی تعمیر کرسکیں جو سچائی، انصاف اور مساوات کا عکاس ہو۔ وہ علیؓ کی تلوار کے ذریعے آئے تھے تاکہ عوام کے پیروں میں پڑی ہوئی استحصال کی زنجیریں توڑ دیں۔

انتہائی ایذا رسانی، نفرت انگیز انتقامی کارروائیوں اور موت کی کال کوٹھری میں قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود انھوں نے اپنی ناقابلِ شکست قوتِ ارادی اور ناقابلِ تسخیر جذبے سے دشمن کے ناپاک عزائم کو پامال کردیا۔ وہ ایک لاثانی اور گرانمایہ شخصیت تھے جنھوں نے عوام سے غداری کرنے کی بجائے جامِ شہادت نوش کرنا پسند کیا۔ یہی ان کی زندگی کا مقصد تھا اور اسی لئے انھوں نے اپنی جان وقف کردی۔

ذوالفقار علی بھٹو مہر و محبت کی ایک تاباں شخصیت تھے۔ ان کی ہستی کروڑوں بدنصیب انسانوں کے لئے جو اس سرزمین کی اتھاہ تاریکیوں میں زندگی گذار رہے تھے ایک خداداد نعمت تھی۔ جیسے ایک شہاب ثاقب آسمان کو روشن کرتا ہے اسی طرح وہ عوام کی نادار زندگی میں اُمید، حوصلے، روشن مستقبل، خوشحال زندگی اور مسکراہٹوں کا ایک روشن مینار تھے۔ ان کے کارناموں نے انھیں امر بنا دیا ہے۔

نصرت بھٹو

1979

خاتونِ ملت بیگم نصرت بھٹو کا ایڈیٹر مساوات کے نام خط

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے سانحہ پر مساوات لندن کے شائع ہونے والے شمارہ کا عکس
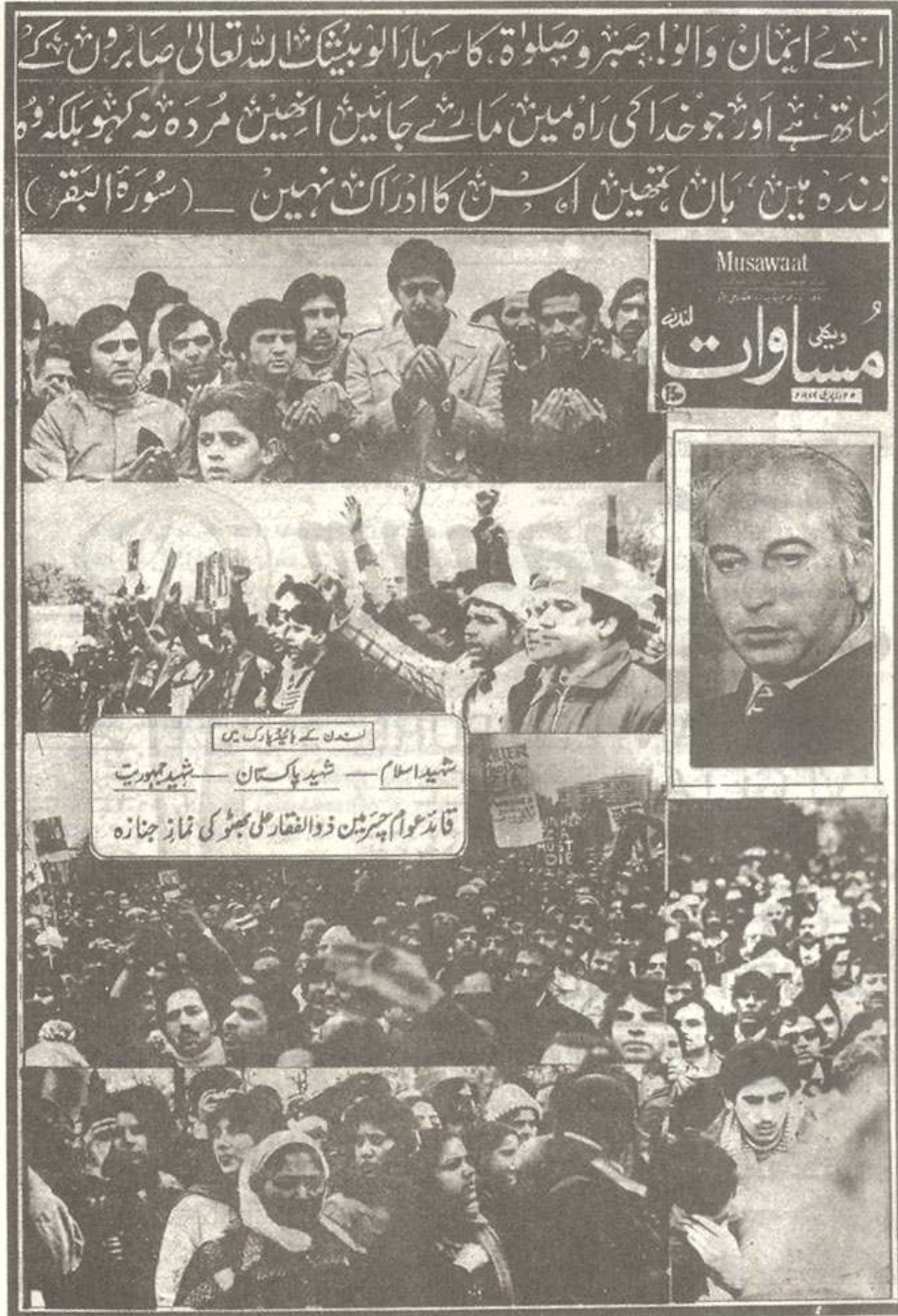
اے ایمان والو! صبر و صلوٰۃ کا سہارا لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمھیں اس کا ادراک نہیں ــــ (سورۃ البقر)

Musawaat

ویکلی مساوات لندن

لندن کے ہائیڈ پارک میں

شہید اسلام ــــ شہید پاکستان ــــ شہید جمہوریت

قائد عوام چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی نماز جنازہ

میر مرتضیٰ بھٹو کا خط

Mir Murtaza Bhutto

Dear Bashir Riaz,

I have been out of England for a long time and, though I cannot publically disclose where I am presently, I have been upset by talk of dissention withen our ranks in Europe. I would like to offer some gui de lines which I hope will resolve some of the prevailing doubts.

Masawaat International remains the only official organ of the party outside Pakistan. Its editorials contain the official policy of our party. This newspaper has the blessings of our Chairmen, Begum Sahiba, just as it had the blessings of the founder of the party, Martyr Zulfikar Ali Bhutto. Ours is not a sensational paper, it is not a rag; it is not concerned with the gossip of Hyde Park or the tales of Raja Bazar. It is a serios political paper and should be read by all those interested in the political development of the party. It carries party news and party policy.

Finally, I am sure you will continue with your mission with the same détermination you have shown in the past. You have my complete trust, just as you have always enjoyed the trust and confidence of my entire family. Shaheed Badshah would have been proud of you of the struggle you launched for him.

With best wishes,

Murtaza Bhutto.

میر مرتضیٰ بھٹو کا خط ۔

Mir Murtaza Bhutto

Dear Bashir Riaz,

I have been out of England for a long time and, though I cannot publically disclose where I am presently, I have been upset by talk of dissention withen our ranks in Europe. I would like to offer some guide lines which I hope will resolve some of the prevailing doubts.

First, our Chairman, Begum Bhutto, is in touch only with Shahnawaz Bhutto, and through him, with you as Editor of Masawaat Weekly. Anyone else who claims to be in touch with our Chairman or with Miss Benazir Bhutto is a fraud. People in the past have used and misused the name of our Great Leader, Martyr Zulfikar Ali Bhutto, only to betray him latter. After betraying him they have claimed to remain his close confidantes, which they once might have been. We must recognize all our enemies and traitors so as never to repeat the mistakes of the past. Let our actions and our present and past behavior be the criterion of judgment. Once betrayel enters our blood, loyalty should never be expected. Remember this well.

You must work with great vigour on the Martyr Zulfikar Ali Bhutto Trust. This is the least we can do for the memory of our Great leader. You must not be disturbed by opposotion to this project. Those who oppose this were the same people who opposed Shaheed Badshah. Those who oppose this discreetly were the same people who opposed our Great Leader and stabbed him in the back. Those who call this a "mistrust" are those who are not at peace with their own consciounce. Some people want to sell the name of Shaheed Badshah, just as they sold his life. They will oppose you because they feel that if they had started this trust before they could have misused it to make money. The fact is that your consciounce is clear. The Memorial Trust is publishing books on our Great Leader, it is preparing a library on him, it is presenting medels to those who tried to save our Great Martyr's life, it is building monuments in different parts of the world to his memory. You must be proud of this project. Shame on those who have set up an office to collect money over the grave of our Great Leader.

Mir Murtaza Bhutto

-2-

Masawaat International remains the onlyaff official organ of the party outside Pakistan. Its editorials contain the official policy of our party. This newspaper has the blessings of our Chairmen, Begum Sahiba, just as it had the blessings of the founder of the party, Martyr Zulfikar Ali Bhutto. Ours is not a sensational paper, it is not a rag; it is not concerned with the gossip of Hyde Park or the tales of Raja Bazar. It is a serios political paper and should be read by all those interested in the political development of the party. It carries party news and party policy. If the Punjab Working committee xxxxxxxxdxx recomended Begum Sahiba as the Chairman for life and Miss Benazir Bhutto as the Acting Chairman, well then that is final. That is what our newspaper will carry and that id what our newspaper will propergate.

All those traitors who say that this is the descision of the Punjab Working Committee and not the Central or Executive committee should be asked one question: Do you accept the decision of of the Working Committee or not? Those who do not will be sacked from the party without ceremony. The same great man who taught these meek critics also taught Begum Sahiba and Miss Benazir. If our Great Leader taught these scuns for eight Years he taught Begum Sahiba for thirty years and Miss Benazir for twenty- six years. Martyrxx Bhutto's family were taught politics by the Great Leader in his own house, and they know this game better than those traitors who call themselves lions of this and that province. They behaved like disgusting mice compared to the bravery of these two great ladies. The blood of Shheed Badshsh flows in our xxix xiaxxx veins, an he taught us things he did not teach outsiders.

Finally, I am sure you will continue with your mission with the same determination you have shown in the past. You have my complete trust, just as you have always enjoyed the trust and confidence of of my entire family. Shaheed Badshah would have been proud of your of the struggle you launched for him.

With best wishes,

Murtaza Bhutto.

میر مرتضیٰ بھٹو کا خط

CONVENTION OF INTERNATIONAL JURISTS
on the trial of Mr Zulfikar Ali Bhutto

Dear Bash,

I have enclosed some articles ~~four~~ for your interest. This is ~~the~~ solid news. It confirms Masawaat International's earlier reporting of PLA.

You can reproduce ~~this~~ some of this. And say that these are the beginnings of a ~~good~~ new govt. campaign against the Party and family.

Nawae-Waqat has asked the govt to hang us (me, Suhail, Raja etc). Posters ~~and~~ offering reward have been plastered all over Pakistan's Bus Stops and Train stations with our pictures on it. We are trying to get a copy of this poster and the Nawa-Waqat editorial demanding a public hanging.

Every penny of ours is going into Pak for the armed struggle. Those who used to finance us before have decided not to do so anymore. So you will just have to sell those books the way books are supposed to be sold: i.e., in book shops. Most distributors take a 50% commission

CONVENTION OF INTERNATIONAL JURISTS

on the trial of Mr Zulfikar Ali Bhutto

If you are not prepared to do this you will never sell a book that is much, much more powerful than "If I am Assassinated."

I have asked Shahnawaz to take over this project. You can help him by putting him in touch with different book distributors, who can read the book.

Then Shahnawaz can hold a press conference jointly with Professor Trevor-Roper or John Mathew or someone like that. Book distributors can be invited to that Press Conference too.

Best of luck. Dont give up the fight.

always
Mir

لندن میں ہونے والی انٹرنیشنل جیورسٹ کانفرنس کا اعلامیہ

CONVENTION OF INTERNATIONAL JURISTS
on the trial of Mr Zulfikar Ali Bhutto

To Dr KURT WALDHEIM
SECRETARY GENERAL OF THE UNITED NATIONS

THE INTERNATIONAL CONVENTION OF JURISTS on the TRIAL of Mr Zulfikar Ali Bhutto, comprising, Ramsey Clark, former Attorney General, USA; John Mathew, QC; Professor J.K.B.M. Nicholas, Principal Brasenose College, Oxford University; Issam Al Inglizi, Senior Syrian Lawyer, Damascus; David Birenbaum, Trial Lawyer, U.S.A.; Louis Blom Cooper, Q.C., Chairman, Amnesty International; Brian Leary Q.C.; George T Davis, American Trial Lawyers Association; John Dellenback, Former Director of the Peace Corps, U.S.A. and U.S. Congressman; Professor Sulhi Donmezer, University of Istanbul; Dr Albert Garretson, Professor Emeritus of New York University Law School, Former Direcor of the Institute of International Law; Judge George Joseph, U.S. Court of Appeals; Dr David Taylor, School of African and Oriental Studies; Dr Van der Hart, American College of Switzerland; Leslie Wolf Phillips, London School of Economics and Political Science; David Harrel, Legal Adviser, London Committee for Press Freedom and Democratic Government in Pakistan; Jonathan Aitken, M.P., (Conservative), Human Rights Association; Stanley Newens, M.P., (Labour). Human Rights Association; William Butler, U.S. Lawyer.

has arrived at the following conclusion

General Zia-ul-Haq, chief martial law administrator of Pakistan, has proclaimed that there exists in his country a fair judicial system, sophisticated, and based on the British system, similar in principle to that followed in other countries adhering to the administration of common law. It is the opinion of this convention, after carefully considering all the evidence placed before the court, that the trial of Zulfikar Ali Bhutto clearly failed to meet minimum accepted standards of justice and of Islamic law in at least the following ways:

1) THE BIAS OF THE TRIAL COURT
2) THE FAILURE TO MAINTAIN AN OPEN TRIAL
3) THE FAILURE TO KEEP AN ACCURATE RECORD OF THE TRIAL
4) THE DENIAL OF PROPER FACILITIES TO THE DEFENDANT IN THE CONDUCT OF HIS DEFENCE
5) EVIDENTIARY IMPROPRIETIES AND INSUFFICIENCIES
6) THE PHYSICAL TREATMENT OF THE ACCUSED
7) THE ATTEMPTED INTIMIDATION BY THE COURT OF THE DEFENCE COUNSEL

We particularly note that the evidence of accomplices was not corroborated by independent witnesses, and would not have been admitted under Islamic law. As lawyers and jurists we feel strongly that among the basic international rights must be included certain standards of justice. Any nation which, in moving to enforce its own statutes and rules, fails to adhere to such basic standards of justice does grave injury to far more than the individuals involved. Any nation holding trials in the future of any citizen, particularly any present or former leader or public servant, must be held to adhere to such standards of justice.

Miscarriages of justice accomplished through distortion and misuse of established legal systems have not been confined to Pakistan. The jurists and other peoples of the world must continue to demand that there be no such cases in any country. It is a tragedy impacting far beyond the borders of Pakistan that those standards of justice were violated in the trial of Zulfikar Ali Bhutto.

The convention has unanimously resolved that:

1) We urge the immediate release of his wife and daughter who have been detained and denied the solace of other members of their family.

2) We further urge that a guarantee be given to the family that they will not be subjected to further harrassment.

CLAUD MORRIS	ANNE G. BASKER
Convention Chairman	Convention Rapporteur

مصنف کا جناب ذوالفقار علی بھٹو کو خط 20 جولائی 1978ء

لندن
۲۰۔ جولائی ۱۹۷۸ء

سائیں ڈیئر بھٹو صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کے ساتھ جو ظلم اور ناانصافی کی جا رہی ہے۔ اور آپ جس بہادری اور ضبط و اعصاب سے تمام تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ اس سے آپ نے یزید کی جانشین قوتوں کو شکست دے دی ہے۔ پاکستان دشمن طاقتوں کے سوا پوری دنیا آپ کے ساتھ ہے۔ پاکستان کے عوام کی دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ آپ ان کے دل کی آواز ہیں۔ اور ظالم اپنے خوفناک انجام کو پہنچیں گے۔

پاکستان کو تباہ و برباد کرنے والے حکمرانوں کا ہم یہاں مقابلہ کر رہے ہیں۔ خداوند کریم اور آپ کی مثال نے ہمیں ثابت قدم رکھ کر یہ ہمت عطا کی ہے۔ کہ پاکستان کے نئے یزید اور اس کے شیطان ساتھیوں کے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھا کر نہ صرف عالمی ضمیر کو بیدار کریں۔ بلکہ آپ کے لئے انصاف کی جدوجہد بھی کریں۔ یہی پاکستان اور عوام کی بھلائی میں ہے۔ اور اس کیلئے ہم سب کچھ نچھاور کر دینگے۔ ہمارا یہ عزم ہے۔ آپ سے یہ وعدہ ہے۔ کہ ہم پاکستان اور آپ کیلئے زندگی کے آخری سانس تک غاصبوں اور پاکستان کے دشمنوں کے خلاف لڑیں گے۔

اس وقت جب یہ سطور آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ زندگی اور موت میں بہت کم فاصلہ ہے۔ زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہم خدا کی رحمت سے مایوس نہیں۔ میرا یہ یقین ہے۔ کہ گذشتہ سال ۱۳ ستمبر کو آپ سے ملاقات آخری ملاقات نہیں تھی۔ ہم پھر آپ کا خیر مقدم کریں گے۔ اور انشاء اللہ آپ کے شانہ بشانہ ظلم و ستم کے نشانات مٹائیں گے۔

آپ یقین کیجئے۔ جیل کی کوٹھڑی میں آپ اکیلے نہیں۔ ہمارا ہر لمحہ آپ کے ساتھ ہے جس طرح پاکستان کا مستقبل آپکی زندگی سے وابستہ ہے۔ اس طرح ہم نے آپکی زندگی کو اپنی زندگی بنا لیا ہے۔ میں ہزاروں پاکستانیوں کی ترجمانی کر رہا ہوں۔ خدا آپکا محافظ ہو۔

آپکا مخلص
بشیر ریاض

ہزاروں دعاؤں کے ساتھ۔

بخدمت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب

مصنف کا بیگم نصرت بھٹو کو خط (20 جولائی 1978ء)

58-SUNLEIGH RD.
ALPERTON.
MIDDX.
۲۰-جولائی ۱۹۷۸ء

محترمہ بیگم نصرت صاحبہ۔ دعائیں!

آج میں رنج و غم کے ساتھ آپکی خیریت معلوم کر رہا ہوں۔ آپکے ساتھ جو زیادتیاں اور شرمناک سلوک کیا جا رہا ہے۔ اس سے ہماری گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں۔ منافق۔ بددیانت اور جھوٹی قوتوں سے کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ آپنے بیٹر بیٹری کی اولاد کی شیطانی طاقت کا مقابلہ کر کے جدید تاریخ میں بہادری کی مثال قائم کر دی ہے۔ اور ہمارے سر فخر سے بلند ہیں۔ ہم یہاں سے آپ کو یہی خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔ کہ پاکستان کے جابر، ظالم، بددیانت اور عوام کے حقوق کے غاصب حکمران ٹولہ کے خلاف سینہ سپر ہیں۔ اور حق و انصاف کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ارادے اور عزائم نیک اور مخلصانہ ہیں۔ ہماری دعائیں بے لوث ہیں۔ ہم پاکستان کے دشمنوں اور پاکستان کو تباہ کرنے والے غیر ملکی ایجنٹوں سے ڈرتے نہیں گے۔ پاکستان اور قوم کا مستقبل ایسے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں دیا جا سکتا۔ جو ملک کو تباہ کرنے کا پروگرام رکھتے ہیں۔

آپ کی نظربندی، ظلم اور تشدد فوجی حکمرانوں کی بزدلی کا ثبوت ہیں۔ ہم ملک سے باہر آپ کا پرچم بلند رکھیں گے۔ انشاء اللہ!

یہاں سے مساوات ویکلی شیخ صاحب نے جاری کر دیا ہے۔ میر ذوالفقار جتوئی صاحب کافی محنت کر رہے ہیں۔ اللہ اس کوششیں میں کامیابی دے!

مساوات لاہور کو پریس ٹرسٹ میں لینے کی سازش کی جا رہی ہے۔ آستین کے سانپ سے ہوشیار رہنے کی درخواست ہے۔

آئندہ چند دن بہت نازک ہیں۔ ہم سب کی دعائیں آپکے ساتھ ہیں۔

آپکا خیراندیش
بشیر ریاض

بخدمت بیگم نصرت بھٹو صاحبہ
لاہور

مساوات لندن کی پہلی سالگرہ کے موقع پر محترمہ بے نظیر بھٹو کا پیغام

On behalf of the oppressed masses of the Federation, let me salute London Musawaat on the occasion of its first anniversary.

The one year since the birth of London Musawaat encapsultes a whole history. The history of the transformation of apeople and a Nation. It encapsulates a history of suffering and struggle, of torment and tragedy, of a Prime Minister and petty thief, of an appressed mass and the oppressing masters.

The dichotomies and the contradictions are far too many and far too painful for recounting. Of elections promised but never held, of a unanimous constitution torn into shreds, of a glorious religion betrayed, of a judiciary which turned from the majesty of law into the matron of Martial law, of a Parliment abolished and of a Province which sent a vital and visionary Prime Minister only to receive his dead body as a reward .

The myopic and selfish policies pursued by a vindictive and venomous General have launched the Federation on to an unchartered course. Regional and class polarisation has accelerated. Insecurity has increased. But with his blood, Chairman Zulfikar Ali Bhutto has infused strength into the sinews of the masses. His martyrdom is the high water mark. The oppressed and miserable people, branded with the scar of peverty on their foreheads, are joined together, alongwith all those who fought for justice and democracy,

The peoples' strong desire to vindicate their leader's honour and fulfil his mission has not only grown but become a necessity in their eyes. The Chairman's writings; actions and super human courage stand like an eternal beacon, lighting up the minds of not only the masses at home but transcending all international boundaries. Only a man like Zulfikqr Ali Bhutto could portray the image of a giant and become the idol and saint of the teeming millions.

London Musawaat has played a decisive role in reflecting the valiant struggle of the peoples of the Federation both in and outof Pakistan, against the inhuman, barbaric, medieval regime of General Zia-ul-Haq who stole power in the middle of night at Tank point. Although darkness has temporarily prevailed, the supreme.sacrifice of Chairman Shaheed will not have been in vain. With the cooperation of all freedom loving people we shall break the chains of martial law and bury oppression, detett and victimization in Pakistan.

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ کے موقع پر مساوات لندن کا اداریہ

یہ ایک اہم اور خوشگوار حقیقت ہے کہ اس سال اسلامی کانفرنس کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ سے پاکستان کی تقدیر وابستہ ہے۔ منتخب عوامی حکومت کے وزیر اعظم کی یہ سالگرہ پاکستان کے مستقبل اور بقا کا یوم تعزیب ہے۔ کیونکہ ہم ۵ جنوری ۷۹ء کو چیئرمین بھٹو کی سالگرہ ذی تاریخ کے ایسے نازک ترین موڑ پر منا رہے ہیں کہ برسر اقتدار فوجی ٹولہ اپنی حماقت سے ۸۰ء کو پاکستان کے جنازہ کے سال میں تبدیل کر سکتا ہے۔

پاکستان سپریم کورٹ میں جناب بھٹو کی اپیل پر فیصلہ محفوظ ہے خدا کرے ہماری یہ خوش فہمی درست ثابت ہو کہ سپریم کورٹ کے فاضل ججوں کے دلوں میں خوف خدا موجود ہے۔ وہ انصاف کے تقدس کا احترام کریں گے اور مارشل لاء یا ایک آمر کے خوف سے مغلوب ہو کر غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ تاہم ہم یہ مزید کہیں گے کہ اسلامی کانفرنس کے چیئرمین کی یہ تذلیل بجائے خود اس شرمناک سازش سے پردہ اٹھاتی ہے، جو پاکستان اور مسلم اتحاد کے سب سے بڑے علمبردار لیڈر کے خلاف کی گئی ہے۔ سابق وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو قومی منظر سے ہٹانے کے لئے ان کے سیاسی قتل کی سازش تیار کی گئی ہے اور ان کے خلاف جھوٹے مقدمہ قتل کا ٹھوس ثبوت یہ ہے کہ اکتوبر ۷۷ء کے اوائل میں ہی جنرل ضیا کے ایک حاشیہ نشین مشیر نے لندن میں اپنے حلقہ خاص میں جناب بھٹو کو پھانسی دینے کے فیصلے کا اعلان کر دیا تھا، جبکہ مقدمہ ابتدائی مراحل میں تھا اور فیصلہ پانچ ماہ بعد ۱۸ مارچ کو سنایا گیا۔

پاکستان کے سب سے بڑے سیاسی رہنما کے خلاف اس سازش کے علاوہ جنرل ضیا کی مسز بھٹو، بیگم نصرت بھٹو، آنسہ بے نظیر بھٹو اور پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف تمام کارروائیاں شرمناک انتقام کی نفرت انگیز داستان ہے۔ یہاں تک کہ مسٹر بھٹو کو ختم کرنے کے لئے قومی مفادات کی بھی بھینٹ دی جا رہی ہے۔ گزشتہ ایک سال میں ملک کو جو نقصان پہنچ چکا ہے، اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ بیرون ملک پاکستان کی ساکھ تباہ ہو چکی ہے۔ ۷۱ء کے سانحہ کے بعد مسٹر بھٹو نے پاکستان کے استحکام کی بنیاد ڈال کر ایک سال میں خوشحالی کی راہ پر ڈال دیا تھا، لیکن جنرل ضیا نے گزشتہ ایک سال میں پچھلے پانچ سالوں کے مضبوط اور خوشحال پاکستان کو تباہ کر دیا ہے اور تمام عالمی برادری میں پاکستان کی حیثیت زوال پذیر ملک کی رہ گئی ہے، اور خود پاکستانی اپنے ملک کے وجود کے بارے میں خدشات کا اظہار کر رہے ہیں۔

ملک میں آئین کو سلا دیا گیا ہے۔ لیڈر نظر بند ہیں۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی اور جمہوریت ممنوع ہے۔ خود "مومن جرنیل" یہ اعتراف کر چکا ہے کہ وہ عوام کو خوفزدہ کر کے حکومت کر رہا ہے۔ جناب بھٹو کے ساتھ جیل میں شرمناک سلوک جرنیلوں کے شیطانی عزائم کے لئے تو وجہ مسرت ہو سکتا ہے، لیکن انہوں نے دنیا بھر میں پاکستان کی تذلیل کر کے پوری قوم کی نگاہیں شرم سے جھکا دی ہیں۔

اسلامی کانفرنس کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے اصولوں پر سودے بازی کی بجائے اپنے خلاف ظلم و ناانصافی کا جس بہادری، جرأت، ہمت اور بے مثال ثابت قدمی سے مقابلہ کیا ہے، ان کی زندگی کی اہم ترین سالگرہ کے موقع پر جب موت اور زندگی میں فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے، ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم جرنیلوں کے اس گھناؤنے منصوبے کو پورا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور عوام ان قاتلوں کو خون کا غسل دیں گے۔ قائد اعظمؒ کے عوامی جانشین قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کو ان کی سالگرہ کی مبارکباد ان الفاظ کے ساتھ دیتے ہیں۔

قوم آپ کو قاتل نہیں سمجھتی۔ خدائے عظیم آپ کے ساتھ ہے۔ سچائی آپ کے ساتھ ہے۔ پاکستان آپ کے ساتھ ہے اور ملک کے کروڑوں غریب عوام کی دعائیں آپکے شامل حال ہیں کیونکہ آپکی زندگی ان کی زندگی ہے

مسز اندرا گاندھی کا مصنف کے نام خط

12 Willingdon Crescent
New Delhi

28th January 1979

Dear Mr Riaz,

Your questions are not embarrasing but our information is limited that it is difficult to give very full answers.

Q.1. It is not possible to produce any proof. But the activities of certain foreign agencies on other continents give clear indication of their methods and objectives. A strong and stable sub-continent, which was not a mere satellite did not fit in with their global strategy. As soon as Mr Bhutto adopted a slightly independent line in the interest of his country, he began to be suspect in their eyes.

Q.2. This method of eliminating political adversaries should not be tolerated. I have written to a number of foreign dignitaries.

Q.3. Even if Mr Bhutto had a hand in shaping policy, surely the responsibility must be a joint one. Mr Bhutto certainly showed statesmanship of a high order afterwards.

Q.4. The Janata Party government is not willing to speak up for Mr Bhutto. Indeed they have not taken the initiative on any issue, even a non-controversial one.

Q.5. I am not in touch with the situation in Pakistan so I cannot prophesy what would happen in the immediate future, but I have no doubt that such acts are detrimental in the long run.

Yours sincerely

Indira Gandhi

1258

12, Willingdon Crescent
New Delhi 110 011

April 8, 1979

Dear Mr Mir Murtaza & Mr Shah Nawaz Bhutto,

I write to send my deep sympathy to you both and to all your family. These last months we have followed events in Pakistan very carefully and with anxiety. I had hoped against hope that your father's life would be spared. I did not sit idle, but spoke continuously on the subject to huge public meetings all over India. I also wrote to Ambassadors and sent letters through them to their Heads of State and other important dignitaries. From most I got positive responses and I know they sent messages to President Zia. Only one regretted his inability to interfere and I am especially sorry that my own Government and its leaders showed such callous indifference. After the sad news, my party was the first to organise a big demonstration in front of the Pakistan Embassy in Delhi.

Now that the worst has happened, I can only express my deep grief and assure you that millions of Indian citizens of all religions share your sorrow. My thoughts are especially with your mother and your sister, whom I had the pleasure of meeting in Simla and who I hope will have the opportunity of playing an important role in her country to vindicate her father.

The times are dark on our subcontinent and in the neighbourhood. But do not lose heart. You must steel yourself to meet the challenge. Suffering can either destroy one or become a step towards greater strength.

I should have liked to write to your mother and sister but doubt if letters or cables will reach them. Please convey my condolences and regards to them.

Yours sincerely,

Indira Gandhi

Indira Gandhi

مسز اندرا گاندھی کا خط

2243

12 Willingdon Crescent
New Delhi 110011

July 6, 1979

Dear Mr Bhutto,

Thank you for your letter of the 7th June.

Please do convey my heartfelt sympathy to your mother Begum Bhutto and to your sister Benazir. What else can one say ? They are going through a terrible ordeal. May they have the courage to come through it with head held high and their spirit unconquered. It must be some solace to them that you and your brother are in England and are active in mobilizing support.

Have you heard about a book 'Notes from a Death Cell' alleged to have been compiled from jottings in Mr Bhutto's Death Cell diary by B L Kak ? Is it genuine ? In it there is a passage that I left no stone unturned to harass Pakistan. I can understand any Pakistani leader feeling that way, although it is far from the truth. From the very beginning it was my desire, as I know it was my father's, to have friendship with Pakistan. But I was bothered by the American connection, which I was convinced did not relish a strong and self-reliant subcontinent which would be less dependent on outside help. Regarding Bangladesh, feelings in India were certainly high but in all my publish speeches at the time I warned the people that new problems would be created for us and that our relationship would not be easy. I can assure you also that had I been Prime Minister now, my Government would not have hesitated to strongly and far more effectively support your father's cause. There is nothing personal in this. I consider it a matter of principle.

With good wishes,

Yours sincerely,

Indira Gandhi

Indira Gandhi

Mr Shah Nawaz Bhutto
LONDON.

3352
12, Willingdon Crescent
New Delhi.

23rd October, 1979

Dear Mr Riaz,

I am enclosing the text of a statement issued by Mrs. Indira Gandhi on political developments in Pakistan.

With good wishes & regards,

Yours sincerely,

(S.A. NAQVI)

Mr Bashir Riaz
UK

مسز اندرا گاندھی کا بیان

October 23, 1979

Shrimati Indira Gandhi, President, Indian National Congress, has issued the following statement to the press :

"Events in Pakistan cause deep concern. To those who have observed the trend of the present military rulers, the latest developments have not come as a surprise. The last vestiges of democracy, even of the limited kind that had existed in Pakistan, have been smothered.

My heart goes out to Begum Nusrat Bhutto and Miss Benazir Bhutto because of the renewed attack on them and the hardship they are suffering, following so soon after Mr Zulfiquar Ali Bhutto's tragedy. I am told of a rumour in Pakistan that the military rulers are planning to eliminate these two valiant women and to confiscate their house in Larkana. I assure them and the people of Pakistan that in their hour of tribulation we are with them and with the cause they hold dear.

Let us remember again Zulfiquar Ali Bhutto's martyrdom and how, even in the face of death, he refused to surrender to the dictates of a revengeful regime.

Pakistani political parties, who had remained silent in their irrational hatred of Bhutto, some even actively siding with the military regime to physically get rid of Bhutto, are now themselves victims of the Martial Law regime.

India cannot be unaffected by what happens in Pakistan. However, the nation should beware lest any developments across the border are used as an excuse by our Government to go against the peoples' will and change decisions taken earlier.

This corresponds with the strategic designs of interested powerful interests. It is a grim lesson for the democratic forces of our subcontinent. External elements, who are working for the destabilisation and disintegration of our region,will continue to obstruct the assertion of democratic and nationalist forces and the momentum of our political processes."

جموں کشمیر کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے شیخ محمد عبداللہ کا مصنف کو خط (2 جولائی 1979ء)

CHIEF MINISTER
JAMMU AND KASHMIR

cms/Gen/-18/29

سری نگر
۲۔جولائی ۱۹۷۹ء

محترم بشیر ریاض صاحب!

السّلام علیکم!

آپ کا خط مورخہ ۱۵؍جون ۱۹۷۹ء اور ویکلی "مساوات انٹرنیشنل" کا وہ شمارہ جس میں میرا انٹرویو شامل ہے موصول ہوئے۔ جو چیز لندن کسٹم والوں کی نذر ہوگئی وہ میری بڑی صاحبزادی خالدہ نے بہت ہی چاؤ سے اپنی بہن کے لئے بھیجی تھی۔ دراصل ایسی اشیا دخاص کر پکی ہوئی چیزیں وغیرہ کسٹم والے کسی صورت میں نہیں لے جانے دیتے۔ بہرحال آپ نے جو زحمت اٹھائی اُس کے لئے مشکور ہوں۔ آپ کا "ویکلی" کافی دیدہ زیب ہے۔ میری خداوند کریم سے دعا ہے کہ یہ روز افزوں ترقی کرے۔

وہاں اپنے سبھی رفیقوں کو میرا سلام کہدیں۔

خیر اندیش

شیخ محمد عبداللہ

(شیخ محمد عبداللہ)

جناب بشیر ریاض صاحب،
۱۸۱۶، برشیفلڈ اسٹریٹ،
لندن،

برطانوی وزیر اعظم مسز مارگریٹ تھیچر کا میر مرتضیٰ بھٹو کے نام تعزیتی خط

The Rt. Hon. Mrs. Margaret Thatcher, M.P.

HOUSE OF COMMONS
LONDON SW1A 0AA

PERSONAL

4th April 1979

Dear Mr. Bhutto,

May I send you and your family my deepest sympathy following the death of your father.

I told you, when you came to see me, how ready I had been to add my plea for clemency to those many, many others which were put to General Zia. I am sorry they were not successful.

It was an especial pleasure to meet your father when I was in Pakistan in 1976. I had long talks with him and his Ministers and was impressed with what I saw.

One cannot be sure of letters reaching your family in Pakistan. Would you please let Mrs Bhutto know how much I grieve for her at this time. I have never met her, but it is all too easy to know how she must feel. Will you also send my special sympathy to Benazir? She has many friends in this country and we hope that she will visit us again.

My best wishes to you, again my heartfelt sympathy.

Yours sincerely,
Margaret Thatcher

Mr Mir Bhutto

برطانوی رکن پارلیمنٹ کا خط

From Joan Maynard MP

HOUSE OF COMMONS
LONDON SWIA OAA

Bashir Riaz
Editor
Musawaat Weekly
82 Caledonian Road
London N.1.

15th. February, 1982.
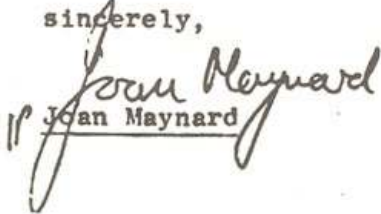
Dear Editor,

Thank you for your letter of 4th. February, 1982.

I am very concerned that General Zia's military regime is holding Miss Bhutto and other political prisoners and indulging in brutality and suppression.

We call upon him to release these prisoners and to hold democratic elections and end the military dictatorship at present holding sway in Pakistan.

sincerely,

Joan Maynard

Joan Maynard

مصنف کے نام برطانوی دفترِ خارجہ کی جانب سے بھیجا گیا جوابی خط

Foreign and Commonwealth Office

London SW1A 2AH

3 March 1982

From The Minister of State

Rt Hon Douglas Hurd CBE MP

Dear Russell,

Thank you for your letter of 15 February, with which you enclosed a letter from Mr Bashir Riaz of the Weekly Musawaat, London.

As you will understand, we have no means of establishing the accuracy or otherwise of the details of Amnesty International's recent report on Pakistan. Some of the statistics are drawn from official Pakistani reports, and may therefore be assumed to be accurate, but others are uncorroborated. The report itself acknowledges that it is difficult to estimate the number of political detainees who are being held at present, and that many of the political detainees arrested in the last couple of years have been released after a relatively short period of time. The Pakistani Minister of the Interior has said that there are only 62 political detainees at present; on the other hand, 481 'terrorist elements' belonging to the Al-Zulfikar terrorist group were arrested in Pakistan in 1981. He has denied the allegations of torture.

Mr Riaz claims in his letter that Miss Benazir Bhutto has been in prison since March last year. This information appears to be mistaken. I understand that Miss Bhutto was released from prison at the end of December, and is now under house arrest at the family home at Larkana. We have not heard of any health problems, but would not necessarily do so.

We deplore violations of human rights wherever they occur, as Peter Carrington made clear to the last UN General Assembly. We have to judge carefully where and when representations might be helpful. I doubt if it would be helpful for us to make official representations to the Government of Pakistan on the basis of these reports.

I am returning Mr Riaz's letter.

Yours,

Douglas.

Russell Johnston Esq MP
House of Commons
London SW1A OAA

برطانیہ کے دفترِ امورِ خارجہ اور دولتِ مشترکہ کا خط

Foreign and Commonwealth Office
London SW1A 2AH

Telephone 01- 233 5169

Mr Bashir Riaz
Weekly Musawat
82 Caledonian Road
LONDON
N1

Your reference

Our reference

Date 8 March 1982

Dear Mr Riaz

Thank you for your letter of 4 February addressed to the Prime Minister. I have been asked to reply.

We appreciate your concern about the situation in Pakistan as portrayed by the Amnesty International report. The Government deplores violations of human rights wherever they occur, and we have made our position clear on this subject in the United Nations and elsewhere. We hope that where the recent Amnesty International report or specific allegations in it are not correct, the Government of Pakistan will produce information to set the record straight.

Turning to your second point, according to latest reports, Benazir Bhutto was released from prison at the end of December and is not under house arrest at the family home at Larkana. We have not heard of any health problems.

Yours ever
Alyce Rae.

A Rae (Miss)
South Asian Department

برطانوی دفتر امور خارجہ اور دولت مشترکہ کے ڈی جے گووان کا خط

Foreign and Commonwealth Office
London SW1A 2AH

Telephone 01- 233 5293

Mr Bashir Riaz
Editor
Weekly Muswaat
82 Caledonian Road
LONDON
N1

Your reference

Our reference

Date 1 April 1982

Dear Mr Riaz,

Thank you for your letter to the Prime Minister. I have been asked to reply.

I regret that there was a typing error in the letter which Miss Rae sent to you on 8 March. The first sentence of the final paragraph should have read as follows:

> Turning to your second point, according to latest reports, Benazir Bhutto was released from prison at the end of December and is now under house arrest at the family home at Larkana.

I should like to apologise for this typing error.

I can confirm that the information available to us is that Miss Benazir Bhutto is still under house arrest in Larkana.

Yours sincerely,
David Gowan

D J Gowan
South Asian Department

برطانوی رکن پارلیمنٹ کا مصنف کے نام خط

Foreign and Commonwealth Office

London SW1A 2AH

14 April 1982

From The Minister of State

Rt Hon Douglas Hurd CBE MP

Dear Joan Maynard,

Thank you for your letter of 29 March.

We understand that Miss Benazir Bhutto is indeed under house arrest at the family home at Larkana. I believe that some confusion may have been caused by a letter which our South Asian Department sent on 8 March to Mr Bashir Riaz, the Editor of the Weekly Musawaat. Miss Rae intended to write that according to latest reports Benazir Bhutto was released from prison at the end of December and is now under house arrest at Larkana. Unfortunately the letter contained a typing error ('not' for 'now') which led to misunderstanding.

The Department has written to Mr Riaz to apologise for this error.

The Begum Nusrat Bhutto told our Consul-General in Karachi in late February that Miss Bhutto was in good health. We do not have any more recent information.

Yours,

Douglas Hurd.

Miss Joan Maynard MP
House of Commons
London SW1A OAA

THE SUNDAY TIMES, 26 JANUARY 1986

WORLD NEWS

Bhutto's daughter sets test for Zia

by Ian Jack

PAKISTAN's military ruler, General Zia, may soon face his biggest challenge in the eight years since he seized power. The challenge is 32 and unmarried, wears bobbed hair and bright lipstick, talks with a commanding vitality; and, unless General Zia is very clever or very ruthless, or both, she could well become the first woman in the world to lead an Islamic nation.

Benazir Bhutto announced in London last week that she will return to Pakistan in March to head the Pakistan People's party (PPP), which Zia supressed after he executed her father, President Zulfikar Ali Bhutto, in 1979. Zia himself has made this possible. Over the past year he has hesitantly nudged his regime towards a limited form of democracy by setting up an elected (but non-party) assembly and withdrawing martial law. Later this year political parties, banned for seven years, will be allowed to campaign. Whether this new freedom will be extended to the PPP remains doubtful - parties have first to conform to an ambiguous code before the regime will recognise them - but Miss Bhutto intends to put Zia's democratic credentials to the test.

She knows that she is the only politician he fears. She says it may appear immodest to say so, but adds: "The Bhutto factor dominates the politics of Pakistan. That's not because of me. It's there because of my father, his reforms, his courage, his name."

Pakistan's next leader? Bhutto in London last week

She returns to Pakistan as acting chairwoman of her party. She insists that her mother is the party's real leader but she is the only Pakistani who appears to believe this. Her mother has not been well for several years and will stay behind in the south of France when Benazir goes back. Benazir is her father's political heir, her party's strategist and the biggest crowd-puller in the country.

Six months ago, however, she came close to quitting politics after her youngest brother, Shahnawaz, died mysteriously at his flat in Cannes. She had spent most of the previous eight years in prison or under house arrest in Pakistan, latterly trying to sort out the PPP's rampant factionalism from her exile in London. "I was facing continual intrigue, it was politics, politics, politics all the time. So when Shah was killed, I suddenly thought about how much more time I could have spent with him. I asked myself: Why am I going around in circles, why am I leading a life that is physically exhausting, emotionally barren, socially barren. For what?"

The answer, she says, came from the vast crowds that turned up for her brother's funeral at the family home in Larkana in the province of Sind. "When the people of Pakistan gave my brother a hero's funeral, I realised that they were the reason for the sacrifice. It's because of them that we can put up with our pain and grief. One gets strength from one's own country."

French police are still investigating her brother's death. Over the past six months a second post mortem has revealed poisoning; his Afghan wife, Rehana, has been arrested and then released; and the original theory of suicide has been discredited. Benazir is certain that he was murdered for political reasons. She says he was about to return to Afghanistan and restart his guerrilla campaign against General Zia when he died.

There is, nonetheless, a new spirit of generosity (or perhaps pragmatism) in her approach to the general, whom she has frequently accused of "judicial murder" in the past. Domestic and international pressure, particularly from Washington, has compelled him to put on the "plumage of democracy", but she concedes that some of the changes are more than cosmetic. "If he arrests me, I know that I can't be put in solitary confinement again. I know a lawyer will have to come and see me, that I can challenge my arrest in a civilian court. But if he brings in repressive laws, we'll know that democracy has not been restored."

That, she says, is the question she wants to test, which implies that the PPP will seek registration under Zia's new code after the party's central executive meets this week to decide the issue. Many in the party oppose any form of co-operation with Zia, but Benazir's view seems likely to win the argument.

مصنف کا محترمہ بے نظیر بھٹو کا نام خط

Dear Bibi,

1- Since I am leaving next week this is to say good-bye. I want to thank you for your assistance before I leave.

2- However there is a matter which needs to be brought up. I have realised I am not needed here any more. The role I have been asked to play for the last few months is a futile one. I have been told to entertain journalists which I have done but as earlier said it is an exercise in futility because I cannot deliver anything. Of course journalists are my friends but since interview with you or anyone else does not come within my powers, I have no function. Just meeting them socially is embarrassing for me and undermining the position I held. I did it to make you happy but cannot carry on like this.

3- I had said that I would always be there to serve you but since the change in my status, I have decided to remove myself rather than prove an embarrassment to you. With this in mind I have applied for long leave to go to London. I will have to come back once again to wind up my house and office in a few months.

4- God forbid if there are any bad times, I will be there. Perhaps certain of us are only meant to play a role in those times. Shadow has not disappeared. However, I hope and pray that the good times last for years and years. I wish you all success sincerely.

5- I thank you once again for your many kindnesses to me. The struggle wasn't for any rewards or financial gains or plots. It was my commitment for a noble cause and any suffering was part of the struggle which I was proud to go through.

وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو کا مصنف کو خط 11 جون 1990ء

PRIME MINISTER

June 11, 1990.

Dear Bash,

I got your letter of June 6th and the one you gave through the M.S.

Please don't worry about Jahanara. I have instructed Mr. Isani that whatever help is needed for her medical care, we shall take care of it.

As for staying in England and not coming back, neither Asif nor I can envisage it — and we need you here. I hope as soon as Jahanara gets better, both of you will come back.

With my prayers for both your happiness.

Benazir.

مصنف کے نام محترمہ بےنظیر بھٹو کا خط (اکتوبر 1992ء)

Bilawal House
Clifton, Karachi
Tel: 375131 / 533535
Fax: 532323

Dear Bash,

Asif and I are thinking of you and Jahanara and constantly praying for you. Allah puts us through many trials and tribulations and we cannot understand why the good and innocent suffer and undergo so much pain. Perhaps it is to redeem us in the other world. May God grant you both strength. What a good husband you too have been taking care of Jahanara as she took care of you for so long.

I am enclosing a small

gift. I want you to buy
flowers and chocolates for
Juhanara from me behalf and
give her my love. And any thing
else you consider necessary, please
let me know as you would let
a sister know.

Thinking of you,

Benazir.
15 Oct '92

مصنف کے نام محترمہ بے نظیر بھٹو کی تحریر (10 فروری 1993ء)

Zulfikar Ali Bhutto
Recollections and Remembrances

Dear Bash,
Do you remember how many times I told you to write and you didn't? Well I organised this with the help of Khursheed Juneja and he delivered
I hope it will inspire you to write too

Foreword
Mohtrama Benazir Bhutto

Benazir
Bhutto
10 February 1993

Bhutto Memorial Society

بھٹو صاحب کی کتاب ''میرا پاکستان'' پر محترمہ بے نظیر بھٹو کے آٹو گراف

For Barbar
who has participated
in the struggle to
free Pakistan from the
clutches of Martial Law
and its tyranny, who
will, one day, return to
his land and help it
live in a spirit of
justice and equity for
which our beloved
martyred leader, Shaheed
Zulfikar Ali Bhutto, May
Allah Bless his soul, lived
and died. Your Sister
in struggle Benazir Bhutto
22 April 1984

پاکستان میں اس کتاب پر مکمل پابندی ہے۔

The Story of
Benazir

From
Marvi of Malir
and
Shah Latif

Benazir Bhutto
June 21, 2003

To
Bashir Riaz,
Who stood
Through thick and thin,
In Government and Out
Through Prison and Power
Fame and Suspicion,
Shoulder to
Shoulder
with
Trust and
Commitment.

Dedication

To the brave people of Pakistan

Benazir
Bhutto
June 21,
2003

محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی پچاسویں سالگرہ پر انگریزی میں ایک طویل نظم لکھی جو کتابچے کی شکل میں شائع کی گئی
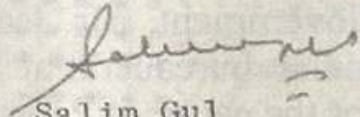
Ministry of Information and Broadcasting
External Publicity Wing

Placed below is a photograph of the former Prime Minister late Zulfikar Ali Bhutto which was taken at Ghia mansion in 1945.

2. This photograph has been given to me by Mr V.K.Dethe, Correspondent of the 'Times of India' based in Islamabad.

3. You may like to submit this photograph to the Prime Minister.

Salim Gul
Director General(EP)
26 May, 1990.

Mr Bashir Riaz,
Foreign Press Spokesman
to the Prime Minister, Islamabad.
M/I&B EP Wing U/O No.2(2)/90-DGEP.

LAST TESTEMENT

Until Mr. Zulfikar Ali Bhutto changed the pattern of politics in Pakistan the bureaucracy played a pre-dominant and open role in shaping the political fortunes of the country. A number of commentators have pinpointed the turn in the direction of Pakistan from the day Mr. Liaquat Ali Khan, as the Finance Minister in the interim Government of India presented his "socialist" budget in the Indian Parliament in 1946. Apparently, Chaudhry Mohammad Ali then an important bureaucrat in the finance Ministry of the Government of Indian had a great deal to do with drafting the "Socialist" budget which frightened the Hindu capitalists of India. It is also believed that Chaudhry Mohammad Ali persuaded the Muslim League leadership to accept the portfolio of Finance in the interim Indian Government. Mr. Isakander Mirza was another influential Indian bureaucrat at New Delhi who made his contribution for the cause of Pakistan.

After the creation of Pakistan, the bureaucracy retained its traditional power, traditional because for over a hundred years, the British had made the Indian Civil Service the steel framework of the administration. The Quaid-e-Azam was very ill and intensely over burdened by the immediate problems of partition to change the attitude or power of the bureaucracy. After his death in September 1948 a year after Partition the bureaucracy became more powerful. With the assassination of Mr. Liaquat Ali Khan the Prime Minister, the progressive deterioration of the Muslim League made the bureaucracy of Pakistan into a predominant, making and unmaking governments.

Some of the bureaucrats stepped directly into politics by taking over the highest offices in the country- both in the Federal Government and in some of the Provinces. The institution, as such, called the tune from

behind the curtains. It has recently been written by a foreign commentator in the Far Eastern Economic Review of February 16. 1979: "Before the Bhutto era, governments were formed and broken by cabals of wealthy landowners, the upper echelons of the Pakistan Civil Service (the bureaucrats) and the 22 Industrial families. It was not without reason that a couple of years before the first Martial Law of Ayub Khan in 1956. Pandit Jawahar Lal Nehru, the prime Minister of India, observed that Pakistan was under the control of "Daftaries" (officials or bureaucrats.)"

The upper echelons of the Pakistan Civil Services were united on the fundamental issue that the bureaucracy must rule the country but they were divided on which politician should rule on their behalf. This question led to internal tussles and bickering within the bureaucratic hierarchy. But since there was no reference to the people, since the people were precluded from the process of decision- making the "Daftaris" intrigues held away.

Shortly before the imposition of Martial Law in 1958, prominent among the senior bureaucrats were Mr. Iskander Mirza, Chaudhry Mohammed Ali, both of whom have turned into active politicians. Mr. Iskander Mirza was first the Governor-General. At the time of Martial Law, he became the President. Chaudhry Mohammad Ali had been the Prime Minister for a year and before that, Finance Minister in the Federal Government Ghulam Mohammed, the first of the Buccaneers had been Finance Minister and later governor-General. In the NWFP Sardar Abdur Rashid police officer, had been nominated as the Chief Minister of the province. Among the powerful bureaucrats who made and unmade governments and controlled them from behind were: Mr. G. Ahmed, his brother Mr. Aziz Ahmed. Mr. A.T Naqvi. Mr. N.M. Khan. Mr. Qurban Ali Khan and Mr. Khurshid.

An active, mafia- oriented, second layer of younger and highly ambitious bureaucrats began to emerge on the stage by the time of Prime Minster Suharwardy, and more conspicuously, when Feroze Khan Noon become Prime

Minister of Pakistan in 1957. This group or the second team, put on a show of completely loyal to their elders in the Civil Service. But they were at the same time cunningly making room for themselves by dividing loyalties between their elders and the core influential politicians in office. This second group of young men comprised of Altaf Gauhar. Ashik Mazzari, Munir Hussain Shah, Malik Latif Azizullah and some others. There was a third group of the middle-aged bureaucrats who were supposed to be a sobering influence. This group did not have the aura of the elders nor the wild-west spirit of the young men. It was the colorless lot, the safety valve. This group put up a pretence of detachment and non-involvement in the power struggle. But it was only a tactical posture. Men like Mr. N.A. Faruqqui. Qudratullah Shahab. Mr. S.M. Yosaf, Mr. Fida Hasan and Mr. Ghulam Ishaque Khan belonged to this steady and pious group. These good men so to speak were the plodders. It goes without saying that in making this classification, the age factor has been determined arbitrarily, especially of the middle group. We are concerned more with the "image." Secondly, there were many other individuals who have been omitted, as the object is not to list the individuals or their personal performances but to show the scheme. Thirdly, a few were prompted by good intentions and did not fully visualize the ultimate consequences of their extra curricular roles. Fourthly, there were those who genuinely kept aloof not as a stance but those could by counted on ten fingers.

Altaf Gauhar acquied his name notoriety as Deputy Commissioner of Karachi in 1953 and 1965. For his romantic escapades with the wife of Mr. John Cowasjee, the younger son of Mr. Rustom cowasjee, the shipping tycoon, he got into a foul conflict with the Cowasjee family. This family of leading Zoroastrians (Parsi community) of Karachi was very resourceful and was connected with influential politicians, especially those of Sindh. Altaf Gauhar on the other hand, was the rising young star of the bureaucracy and had the backing of the establishment, especially of Mr. Aziz Ahmed. Chaudhry

Mohammad Ali and Mr. N.M. Khan. The scandal was hushed up . Altaf Gauhar was transferred and replaced by Muzzafar Hussain as Deputy commissioner of Karachi. Cowasjee, his money his community and his political parton. Mir Ghulam Ali Talpur had won the first round but only the first round.

When Feroz Khan Noon become the Prime Minister of Pakistan, Altaf Gauhar was back in the spotlight as his secretary. He exercised enormous sway over the Prime Minister, so much so that even some of his elders and former patrons were getting envious of him. Among them was Main Anwar Ali, the scheming and perverse minded Director of intelligence Bureau. Altaf Gauhar liked to throw his weight around. In those days., he was not the petrodollar Islamic fundamentalist. He drank heavily, but not as heavily as his brother, Tajjamul Hussain an official in military accounts. He womanised and was proud of it, but less boastful about it than Tajjamul Hussain. With his superiors he was very submissive, respectful and unassuming. He was the opposite with his subordinates. He was arrogant with his colleagues but not his elders. Among this category of civil servants he clashed with other ambitions schemers like Qamar-ul-Islam. When Prime Minister Noon concluded the Nehru-Noon agreement on Beriberi enclave in East Pakistan, Altaf Gauhar and his cohorts made it known that it was the triumph of Altaf Gauhar. In short by October 1958 Altaf Gauhar had become well known and had made powerful friends and powerful enemies.

Perhaps this shrewd charlatan saw the Martial Law on the horizon.Whatever the reason. He suddenly got the consent of Prime Minister Feroze Khan Noon to proceed for London to do a special course at the London School of Economics. When Martial Law struck Pakistan in October 1958, Altaf Gauhar was in the scholarly cloisters of the British University in far away London - out of sight and out of mind. He was out of sight but not out of mind of Mian Anwar Ali at least.

After the initial thrust of Martial Law and the ouster of Mr. Iskander Miraza, President Ayub Khan undertook the task of consolidation. One of the steps necessary in the process of entrenching his personal regime was to get rid of the unwanted men in the bureaucracy, men linked with the prominent politicians like his immediate predecessor Feroze Khan Noon. It must however be said to the credit of Ayub Khan that he was not that blood thirsty about the purge. He did have some persons in mind like Zafaryab Ahsan and Ali Asghar Shah and he removed them with alacrity. The others he left minly to the recommendations of a committee headed by the Interior Minister General Khalid Shaikh. To demonstrate Ayub Khan's attitude, the example of Aziz Ahmed will suffice. As Commander-in-chief and carlier as GOC East Pakistan, he had apparently developed antipathy for Aziz Ahmed, who at the time of Martial Law was Secretary of Commerce. On the declaration of Martial Law, Ayub Khan immediately appointed Aziz Ahmed as Secretary General and Deputy Martial Law Administrator. Ayub Khan explained the appointment or his good by saying that his immediate impulse was to throw out Aziz Ahmed, but on further reflection, he subordinated his personal feelings in the national interest and made him Secretary-General and Deputy Martial Law Administrator. However some months later, when Shoaib in particular felt that Aziz Ahmed was too powerful and influential in his twin positions as Secretary-General and Deputy Martial Law Administrator, he had no difficulty in lining up General Shaikh. General Azam and Mr. Habib-ur-Rehman, the Bengali Education Minister to get Ayub Khan's prompt approval for Aziz Ahmed's ouster as Ambassador to Washington.

General Khalid shaikh an interior Minster was not only the Chairman of the committee to screen officials, but was also the former brother in law of Mian Anwar Ali, the Director of Intelligence Bureau. In the beginning General Shaikh was determined to get rid of his former brother-in-law, and his second wife. Bilquees Shaikh was more keen then her husband to see the back of Mian Anwar Ali.

However. Main Anwar Ali was an effieient and shameless sycophant. He literally threw himself at the feet of General Shaikh and secured not only his gracious pardon but soon became his principal adviser. The other main adviser to General Shaikh was the current ambassador of this regime to Britain. Brigadier F.R. Khan. At first the bureaucracy was rattled by Martial Law and the announcements on the bureaucracy and especially the screening. The military officer corps had entered their domain as powerful rivals. Actually at first the bureaucracy felt supplanted but not the more perceptive among the civil service. Those with vision. realized that soon the "simple soldiers" would be more dependent on the bureaucracy than the politicians. This is exactly what happened within six months of Martial Law. The screening of a few hundred officials only brought forward the more ruthless among them. The bureaucracy was more powerful than ever before in the era of Ayub Khan.

However, to return to screening and Altaf Gauhar. The redoubtable Main Anwar Ali with General Khalid Shaikh under his spell, was determined to disgrace and destroy Altaf Gauhar the unscrupulous young "majordomo" of the last civilian Prime Minister of Pakistan. Ayub was a close friend of Mir Ghulam Ali Talpur. He was aware of the Cowasjee scandal. He had seen Altaf Gauhar in East Pakistan and did not care for him. Aziz Ahmed, the protector of Altaf Gauhar, had been shunted to Washington. Mian Anwar Ali played on the prejudices of General Shaikh and on those of Ayub Khan telling him that Altaf Gauhar was a dangerous bureaucrat and very close not only to Feroz Khan Noon but also to Suharwardy. It was decided to recall him from the London School of Economics and post him to Dera Ghazi Khan as Deputy \Commissioner and later to prosecute him under Martial Law regulations and keep him in jail until everyone met in heaven.

Altaf Gauhar had his friends also. His friends became equally active to save him. His comrade Munir Hussain shah, who had served with Altaf Gauhar in East Pakistan and was very close to him, became an effective

lobbyist on his behalf. Munir Hussain Shah was Deputy Secretary Cabinet Division. He attended all the Cabinet meetings and had come to know all the Ministers rather well. He spoke fluent Bengali with the Bengali Ministers and that tickled the vanity of the Bengalis. Munir Hussain Shah was a very intelligent and immoral young officer. He was working night and day to save Altaf Gauhar. Mr S.M. Khan was active among the elders and so was Abbas Khaltbari., the Secretary of Commerce. Abbas Khaltbari approached his new Commerce Minister, Mr. Zulfikar Ali Bhutto to save Altaf Gauhar who was a victim of Mian Anwar Ali's perverse and sadistic propensities. since Khaltbari was secretary of Commerce, he had daily contact with his minister. Khaltbari is a very effective and glib talker. He has a brilliant mind. He told his Minister to take Altaf Gauhar under his wings in the Ministry of Commerce as Chief Controller of Imports and Exports and he would guarantee that Altaf Gauhar would be an asset and a loyal subordinate. Khaltbari told Mr. Zulfikar Ali Bhutoo, the youngest Minister of the Federal Government in the history of the subcontinent, that the young officers expected him to be their representative. Altaf Gauhar was a young officer and he was being victimized for his youth and ability. Mr N. M. Khan and Munir Hussain Shah also approached Mr. Bhutto on behalf of Altaf Gauhar. Soon after many more people joined in the battle to save Altaf Gauhar. After all, he had been Deputy commissioner of Karachi and had made many friends in Karachi. It was therefore easy for mutual friends and acquaintances to join the bandwagon.

Mr. Bhutoo had become a close friend of General Khalid shaikh. He discussed the Gauhar case with Khalid shaikh. At the outset, the Inferior Mininter would not hear of it, but slowly his resistance weakened and ultimately broke. In the same way. Mr Bhutto persuaded President Ayub Khan not to give so much importance to a young bureaucrat. He was too big and too powerful to stoop to Mian Anwar Ali's petty and personal prejudices. He told Ayub Khan he could always throw out Altaf Gauhar later, if he found reason to do it. This is how Ayub Khan got

disinterested in the 'kill'. By the time the case came to the cabinet. It has become a limpid affair. Mr. Bhutto spoke against the proposal of the DIB and said that it was a case blown out of context and that Gauhar should be given a fair opportunity to serve the regime. Ayub Khan said in a light vein that the trouble was that nobody wanted Altaf Gauhar, nobody was prepared to take him and give him another opportunity. The remark was made without conviction only to make Main Anwer Ali feel less uncomforatble. On that Mr. Zulfikar Ali Bhutto said that he would take Altaf Gauhar in his Ministry and give him the opportunity. He told the cabinet that he was not impressed by all the tell-tales on Altaf Gauhar and that he had the confidence to deal with him, if he was truly a rogue. He said "I will ride that horse if nobody else is prepared to ride him." He said that the term of Mr I.A Khan as CCI & E (Chief Controller of Imports and Exports) was expiring and that he would give the job to Altaf Gauhar. The Deputy Secretary. Cabinet. Munir Hussian Shah heard the discurssion with unconcealed joy.

This is how Altaf Gauhar was brought back and made CCI & E in the Ministry of Commerce. In his first meeting with his Commerce Minister. Mr. Zulfikar Ali Bhutto at the Minister's officer in the Sindh High court Building, fiddling nervously with a copy of the American Foreign Affairs quarterly magazine. Altaf Gauhar told his Minster that he had been fully informed how his life had been saved by his Minister and that from henceforth his life would be at the disposal of his Minister. whatever the future held. Mr. Bhutto told Altaf Gauhar that he should be more thankful to Khaltban and his other friends who had convinced Mr. Bhutto that Altaf Gauhar did not deserve the fate planned for him by Mian Anwar Ali. It would be interesting to learn or hear form Altaf Gauhar, whether he has made a note of this meeting in early 1959 in the diary from which he quotes so extensively and distortedly in his articles in the Guardian of London to celebrate the sentence of death on the man who saved his life and for whom he was prepared to give his life whatever the future held. If

Mr. Gauhar has forgotten this meeting he can be reminded by Mr. Rashid Ahmed, the Private Secretary of the Commerce Minister, who showed the shaken and nervous Altaf Gauhar into the office of the Minister on that fateful afternoon and pulled up a chair on the left of the Minister's desk for Gauhar to take a seat, because Gauhar was insisting on standing to pay his respects, whereas the Minister was determined to make him feel at ease by giving him a chair. Impatiently. Mr. Bhutto told his Private Secretary "Rashid, pull up a chair for Mr. Altaf Gauhar."

Since that time Mr. Bhutto did nothing but favours and more favours for both Altaf Gauhar and his brother Tajjamul Hussain.

Altaf Gauhar had no scruples. He was a rank opportunist, a man without the slightest of qualms. He was suharwardy's man. Feroze Khan Noon's man. He had sworn eternal loyalty to Zulfikar Ali Bhutto. When he crossed the hurdles and was safely re-installed in the hierarchy of the bureaucratic club, he began to widen the base of this political support, surreptitiously and systematically. His target was to catch the eye of Ayub Khan but he deliberately adopted a circuitous route. He had learnt his lesson form the pitfalls of a meteorical rise. He did not want to burn his fingers again in a hurry. He first mended his fences with General Khalid Shaikh through Brigadier F.R Khan. In due course he maneuvered to get himself transferred to Lahore as Secretary Finance in West Pakistan in order to be close to the Governor of West Pakistan. Nawab Kalabagh, regarded to be the man of the moment and described as the "Iron Duke." Altaf Gauhar got so close to him that after some time Kalabagh managed to send him to the federal Government as Secretary for Information to watch Kalabagh's interest in the federal Capital and to keep Ayub Khan attached to the "indispensable" Governor of West Pakistan.

Altaf Gauhar had achieved his purpose. He had climbed to the roof and as Information Secretary he knew that he would have the ear of Ayub Khan. That years later, Gauhar was also going to let down Kalabagh was inherent

in the man's character and a part of his ambition to have virtually exclusive influence over Ayub Khan. In those machinations Altaf Gauhar moved with caution, but very capably. At one time he was hostile to the Haroons, because Ayub KHan felt or was told that Yosuf Haroon was prejudicing the CIA against Ayub Khan. In the plan to put Yousuf Haroon in his place, one of the proposals was to take over Dawn newspaper or Herald Publications and also to make Yosuf Haroon leave Pakistan within forty-eight hours. Altaf Gauhar was very much a part of this plan if not its main author, when the Haroons made their peace with Ayub Khan and got into his good books. Altaf Gauhar became a member of the Haroon syndicate, and in December 1971, the Editor of Dawn. When Yahya Khan dislodged Ayub Khan in March 1969. Altaf Gauhar made an electrifying switch in loyalties and took a series of measures to ingratiate himself with General Yahya Khan. Unfortunately for Altaf Gauhar, it so happened that General Yahya Khan had his own Altaf Gauhar in General Pirzada who frustrated the machinations of Altaf Gauhar and got him out of the Civil Service. This was not the end of Altaf Gauhar as had been predicted by a writer Faruki in his novel "Snakes and Ladders." Altaf Gauhar was knocked out from the corridors of power but not the Harron syndicate. Mahmood Haroon was made a Minister in the Martial Law regime of Yahya Khan just like he has again been made a Minister in the third Martial Law now headed by Zia ul Haq. The syndicate remained active and Altaf Gauhar worked for it from Karachi. One of the more well known rendezvous of the syndicate was the Sindh Club. Links were strengthened with Shaikh Mujib-ur-Rehman in Dacca and with obscurantist politicians of West Pakistan. Altaf Gauhar was the go-between, the conduit. One of the principal aims was to stop and if necessary eliminate Mr. Zulfikar Ali Bhutto. This explains the murderous attack on him in Sanghar in March 1970.

After the shattering defeat and dismemberment of Pakistan, when Mr. Zulfikar Ali Bhutto became the President of Pakistan in his first broadcast or telecast to the

severed and splintered half of Pakistan. President Bhutto appealed to all elements, specially the patriotic elements to cooperate with his Government. In this spirit, as a positive gesture and sign of his sincerity, he announeced the withdrawal of the ban on the National Awami Party. Altaf Gauhar either under directives form the syndicate or for some other compelling reason, adopted a bellicose attitude. He made the most vicious attacks in the Dawn. His writings instigated the people to rise in revolt against the elected government. It would not have meant very much if his activities had remained confined to the columns of the Dawn. The Government did not bother to take notice of his pen or even his provocative remarks to the then Information Minister. Mr Abdul Hafeez pirzada in a press briefing at Karachi. However the Government's attention was being increasingly drawn to his dangerous subversive activities involving the intelligence agencies of more than one foreign power. More for these activities, actually solely for these activities he was detained under the preventive detention Laws. After some months, his wife Zubaida met President Bhutto at his residence at Clifton in Karachi and begged for unconditional pardon. She did not make attempt to defend or deny her husband's activities. On the contrary she tried to furnish an apology for them by saying that his misbehaviour sprang from his deep frustration. She promised to control him. On her assurance. President Bhutto in an interview with a foreign correspondent in answer to a "planted" question said that he was prepared to let bye gones be bye gones. These remarks were deliberately made and reported in the news papers while the detention petition of Altaf Gauhar was in its concluding phase in the High Court of Sindh. Altaf Gauhar was released by the court. His activities were, however watched and unfortunately he did not desist from his subversive activities. He only became more circumspect in his contacts with foreign agents. Action was taken against him again. On this occasion, the family of Gauhar swore on the Holy Quran that Altaf Gauhar would turn a new leaf if he was spared for the last time. There is always a last time for

immoral and characterless individuals like Altaf Gauhar. He was again released. Once more Altaf Gauhar, but this time accompanied by his brother Tajjamul Hussain met Mr. Bhutto not in Rawalpindi but again in Mr. Bhutto's residence at 70-Clifton Karachi. Actually they met the Prime Minister twice at his Clifton residence. It was only after the second meeting in Karachi following the subsequent release that Altaf Gauhar met the prime Minister on two occasions in the Prime Minister's residence in Rawalpindi and once in his office in Rawalpindi. In he second Karachi meeting after the subsequent release the brothers swore solemnly to lay off playing James Bond. Altaf Gauhar tried to explain that his activities after his first release were misunderstood by the intelligence agencies of the Government. He said that he was meeting his friends, rather his contacts to tell them that he was no longer in the game. With injured innocence. Tajjamul Hussain said that he was not involved in any such activities. Prime Minister Bhutto told the two men that it was no joy for him to keep ordering their arrest. He reminded them that since 1958, on his part, he had been exceptionally considerate to both the brothers. The relations deteriorated because they chose to forget the past. He told them that he was not only prepared to clean the slate but to help them provided they desisted from their mischief against Pakistan which included the illegal overthrow of the legitimate Government. He told them sternly and clearly to leave no doubt in their mind that nobody would be able to rescue them if they sought to destabilize Pakistan.

When the intelligence agencies reported that Altaf Gauhar had turned a new leaf by becoming a businessman, the Prime Minster summoned him to Rawalpindi and after discussing with him the need for "Roti" plants gave his firm the exclusive license to put up "Roti" Plants in Karachi, Lahore and in other big cities of Pakistan. He made his brother the Ambassador of Pakistan to Malaysia. It is reported that Altaf Gauhar has made a profit of over five million rupees from the commissioning and management of the "Roti" Plants. When a Minister asked his Prime

Minister why he had been so generous with that shifty and ungrateful man, the Prime Minster told his friend that there was altruism in his closing the chapter but it was not all altruism because if Altaf Gauhar's "Roti" was to stop from his foreign contacts, he had to be provided with an alternative source of "Roti" to keep him away from temptation. One has to be practical about such matters.

Altaf Gauhar became a great admirer of the Prime Minister. He told mutual friends that he had always been an admirer but unfortunately there was a tragic interlude, or what is called theses days a "decent interval." He kept the Prime Minister informed of his activities. When he went to London he wrote a letter to the Prime Minister explaining the purpose of his visit. He wrote in this letter that if there was the faintest misgiving over his prolonged absence from Pakistan, he would return at once on the Prime Minister's command. The Prime Minister marked a Photostat copy of the letter to Mr. Waqar Ahmed, the establishment and Cabinet Secretary and minutes on the margin to tell him that he could stay in London as long as he liked and there would be no misunderstandings. The misunderstandings, if any from Prime Minister Bhutto's side were completely closed in the last meeting in his Clifton residence at Karachi. It was typical of Altaf Gauhar to keep them alive and to air them at this particular point of time.

The proposal of bestowing the crown on Ayub Khan come in the form of an elaborated scheme from one of his Ambassadors in South East Asia. Mr. Bhutto had nothing to do with it. He became aware of it when Ayub Khan showed him the original text and gave him a copy to study it. Separately, Ayub Khan consulted Nawab Kalabagh and alos give him a copy of the proposal. After that Ayub Khan found a two men team of the Governor of West Pakistan and Mr. Zulfikar Ali Bhutto, the Federal Minister of Fuel. Power and Natural Resources to study the imaginative Ambassador's proposal and jointly advice him on it. Both Nawab Kalabagh and Mr Bhutto rejected the sycophantic proposal out of hand. They told Ayub Khan that it would be a disaster to consider it seriously and that

he should forget it altogether. Mr Bhutto has mentioned this matter in another context in the Rejoinder he filed to the so-called first "White-Paper" on the Elections of March 1997 in the Supreme Court on September 26, 1978. When Mr . Bhutoo told the Ambassador that he should have felt ashamed to submit such a fantastic proposal, the Ambassador laughed heartily and cryptically remarked "Ayub Khan must have loved it in his heart of hearts."

In the same connection it is another canard and a convenient lie to allege that Mr. Bhutto advised Ayub Khan to dispense with Provincial Assemblies and to concentrate all powers in his hands at the Centre. Ayub Khan did not need any coaxing or encouragement to grab the monopoly of power. He imposed the Martial Law of 1958 and followed the advice of Mr. Manzoor Kadir, not of Mr. Zulfika Ali Bhutto to intorduce the test tube system of basic Democracies to consolidate his dictatorial powers.

When the committee of Ministers was found to draft the Constitution of 1962, Mr. Zulfikar Ali Bhutto energetically opposed one unit and argued forcefully in favour of the restoration of provincial autonomy. In the Dacca session of the National Assembly in March 1963 Mr. Zulfikar Ali Bhutto made a stinging speech against one unit and the chauvinistic coterie's domination of Pakistan. This speech so alarmed the chauvinistic coterie that a tape of the speech was sent by a special emissary to Lahore for Ayub Khan to hear it. In 1954. Mr. Bhutto had written an article against one unit and in defence of Provincial Autonomy. It was entitled "Pakistan-A Federal or Unitary State." The litmus tests lies in the fact that as President of Pakistan. Mr. Zulfikar Ali Bhutto gave Pakistan a unanimous and democratic constitution in 1973 based on the principle of Provincial Autonomy.

The causes of the final separation of East Pakistan are also essentially to be found in the stubborn refusal of the chauvinistic coterie to share power with the majority province of Pakistan. The parity formula was devised and enforced in 1953 or 1954, much before Mr. Zulfikar Ali Bhutto actively appeared on the scene of the politics of

Pakistan. The language problem had arisen much earlier. The merciless exploitation of the foreign exchange earnings of East Pakistan through the export of Jute had gone on unabated from 1947 until dismemberment. The first elected Bengali Prime Minister Khawaja Nazimuddin, who commanded a majority in the Constituent-cum-National Assembly had been illegally and unceremoniously dismissed by a senile and insane governor-General backed by the chauvinistic coterie. Another Bengli Leader of All-India and Prime Minister of Pakistan Mr H.S Suharwardy had been exiled from Pakistan and he died pathetically in exile in a small hotel in Brirut. Mujibur Rehman presented his confederal scheme of six points in January 1966. Instead of negotiating with him as strongly advised by Mr. Bhutto, instead of brining him down politically to stick to a federal partnership at the inception, he was clamed into jail and the Agartala Conspiracy case started against him. By the time he had acquired a sweeping mandate in favour of the cofederal six points in December 1970, it was all over, it was too late. Even so. General Yahya Khan put all hurdles for the majority party leaders of East Pakistan and West Pakistan. Shaikh Mujibur Rehman and Mr zulfikar Ali Bhutto respectively to negotiate. The chauvinistice coterie and the chauvinistic coterie alone are responsible for the dismemberment of Pakistan because its appetite for domination is insatiable and its greed for exploitation is unquenchable. Who is pursuing the identical policies to set the stage for the second dismemberment of Pakistan? It would be interesting for Altaf Gauhar to open his diary on this subject. He must have found another escape goat or he is talented enough to blame Mr. Bhutto for this one as well. why not? It is the hallmark of the intellectually dishonest Altaf Gauhar.

A great deal has been written on the Indo-Pakistan war of 1965. Some of it has been published but most of it has been suppressed byAyub Khan. His successor Yahya Khan, who was made to play a questionable role in the Chamb Sector on the orders of Ayub Khan, destroyed the incrimination evidence on the advance to Akhnoor. General

Akhtar Malik was the field commander of this vital sector and he was well on his way to capturing Akhnoor, the strategic town in Jammu which would have bottled up a division or more of India in Kashmir. As he was about to launch the decisive thrust General Akhtar Malik was suddenly transferred and the command was handed over to General Yahya Khan who did not move any further. Akhtar Malik was transferred to CENTO head quarters in Ankara where he died in a mysterious automobile accident a few years later. this is only one of the mysteries and mistakes of the 1965 war. There are so many others. The one relating to the withdrawal or non enforcement of the Chinses ultimatium is more important.

The fiasco of the Khan Kharan offensive is an unprintable tragedy. The bifurcation of the famous Armoured Division and its deployment in Khan Kharan and Chamb combined with the unpardonable logistic blunders is yet another. The confusion in the decisive command of the Khan Kharan sector between General Naseer, an infantry General put in charge of the Armoured Division and General Hamid is an error without explanation in military terms but not in other terms. General Naseer was a favourite of General Musa, the Commander-in-Chief. Let it be said that he was the Chief's favourite not for sectarian reasons but because he had attended to General Musa's properties very efficiently when he was posted in the South. The lack of infantry support to the Armoured Corps to advance deep into the Punjab of India and the causes of that deficiency need to be told one day. Why the Armoured Corps was split to send an Armoured brigade to Chamb and how it could not be used either in the Chamb or in Khan Kharan will require an explanation beyond the genius of Altaf Gauhar. The utter chaos is the G.H.Q in Rawalpindi was reminiscent of a fish market. The abysmal failure of military intelligence was Shocking. It has partly been mentioned in Mr Zulfikar Ali Bhuto's Rejoinder in the Supreme Court of september 26,1978 but again in a different context.

The war simply could not remain confined or localized to Kashmir, when in place of guerillas, over seven thousand commandoes were sent into Kahsmir. These commandoes were spotted at once as they were no fish in water like guerillas. It was asking for the moon to expect the war to remain localized to Kahsmir when the Chamb operation was launched from Awan Shariff across the Indian Territory. Nobody told the Military High Command to keep the Lahore Garrison locked up in Lahore Cantonment and not to move the forces towards the border.

Inshort, all the catastrophic blunders within the realm of imagination and beyond were committed by Pakistan's Military leadership. Had it not been for the heroism of younger officers and the jawans, heaven alone knows what would have happened. The young ones and their men saved the day. But with all the unforgivable mistakes, when the Pakistani forces were back in a position to launch a counter-offensive, the Field Marshal succumbed to the external pressure for cease fire. Who would not weep in such morbidly tragic conspiracy of events?

Mr. Zulfikar Ali Bhutto did weep when he saw the fruits of victory plucked from the hands of Pakistan. He wept for Pakistan. It is a travesty of the truth to maliciously write after majority Judgment of the Supreme Court that Mr. Bhutto wept because he believed that his political career was finished. Only a sadist would give such a diabolical twist to the patriotic upsurge of Mr. Bhutto's sentiments at that critical moment. Maximum mudslinging was done in the propaganda let loose by Altaf Gauhar against Mr. Bhutto from April 1966 to March 1969 on behalf of the Ayub regime. All manner of wild and rotten charges came out of the box of Altaf Gauhar and the other minions of Ayub Khan but this fantastic one Altaf Gauhar kept up his sleeve for fourteen years for reasons known only to him.

A secret must be kept secret. This is unimpeachable. What is not impeachable is that when something becomes common knowledge the world over, it is absurd to pretend that it is still a secret. For reasons which are understandable

to an insider, the military establishment of Pakistan has a penchant for secrecy. It becomes comical when the military hierarchy tries to stick to a secret which is revealed in a number of foreign military Journals and books, which institutions like the Institute of Strategic Studies of Britain quote chapter and verse, and yet the military establishment of Pakistan maintains the secrecy of the same information. It is also allergic to inquiries and investigation into its debacles. When it cannot resist, investigations like the Hamood ur Rehman Commission, it moves heaven and earth to prevent the publication of the reports of such commissions. There was an Ibrar Hussain Report of the 1965 war, but it remains safely hidden in the vaults of the G.H.Q or Ministry of Defence. It obviously means a lot needs to be hidden. If blunders are not brought out in good faith and in the public interest, it leads to more blunders and to a dreadful complacency.

There never had been a genuine accountability in the military domain. The endeavour is confined to the 1965 war insofar as it has relevance to the article of Altaf Gauhar. But the follies of the 1971war for exceeded those of the war of 1965. Mr Bhutto was not in the regime of Yahya Kha. Why was the military effort of 1971 messed up more disastrously than that of 1965? The answer is very simple and straight forward. Excuses can be made galore when there is nobody to question them. The truth is that the mistakes of 1971 exceeded those of 1965. The more the Armed Forces of Pakistan get involved in politics the mistakes and misfortunes on the field of battle rise geometrically. This is an axiomatic proposition. War is a full time responsibility and preparation for it is a full time profession. The country gets divided once that responsibility and assignment is divided as the history of Pakistan has graphically shown.

The most sensitive and confidential state documents are being circulated in the market in the form of four copies of "White Papers" to malign Mr. Zulfikar Ali Bhutto and his Government which was overturned by a coup d'etat in July 1977. But the military failures and unforgivable errors

of the 1965 war and the 1971 war are top secret, although the bottom drawer of every foreign government worth the name has all the information. Most of the information has come out in foreign journals periodicals and books.

It can be picked up form the unclassified library Shelf of the more famous foreign military institutes. The story of the Indo-Pakistan war of 1965 is a very old story. There have been many more important wars after it including the one between India and Pakistan in 1971. There have been two Arab Israeli wars, one in 1967 and the other in 1973. There have been the Vietnam War, the famous war of our times the Ethiopian and Somalia war, the war again in Cambodia and another war in Vietnam. Volumes have been written on all these wars, but the two Indo-Pakistan wars of 1965 and 1971 are still top secrets in Pakistan and for Pakistanis. Something is rotten in the state of Denmark. These are unacceptable and impressible blunders of the sense of guilt.

With the state of confrontation of India and Pakistan and with the historical background of partition and the Kahsmir dispute, not foregetting the war of 1948 and the Ran of Kutch border war in 1965 itself, it is difficult to understand Altaf Gauhar when he says that the preparation for the Indo-Pakistan war of September 1965 was inadequate or incomplete. Let us not take shelter behind the general position that nations must always be prepared for war and especially antagonists like India and Pakistan. Let us not answer this calumny by saying that the Ran of Kutch had been sufficient warning and that the armies of both countries were already in battle positions. The commandoes were launched in Kahsmir in August 1965. Three weeks passed before India attacked the Lahore front on September 3, 1965. In the meantime, the Prime Minister of India Lal Bahadur Shastri and other leaders of India had categorically stated that India would retaliate by crossing the international boundary. Still, Altaf Gauhar balmes Mr. Bhutto, the Foreign Minister for the lack of preparation by the military leadership of Pakistan for a war with India? Let us not invoke the military intelligence in defence. Let us

not rely on common sense. Let us ask the question, what if India had taken Pakistan by surprise and deception and launched an armed attack without provocation or ostensible cause. Would the Pakistan Military leaders be responsible or a Minister in the government of a Field Marshal who was considered to be the dictator of Pakistan?

The amusing part of coterie's propaganda against Mr. Zulfikar Ali Bhutto is that when it comes to taking credit even in the field of Foreign Policy, it is always said that Mr. Bhutto was only a Minister who executed the policies of the great Ayub Khan. Moreover when it comes to placing the blame, Mr Bhutto becomes the real power who started wars and took decisions on Kashmir in Moscow without bothering to consult Ayub Khan. Furthermore Ayub Khan was so helpless that he was led by the nose by Mr Bhutto into the war with India in 1965 and to Tashkent in 1966. Mr Bhutto is a leader of the people, he will not shun responsibility for his actions. He will not pass on the blame to others if he is at fault. Altaf Gauhar calls the Indo-Pakistan war of 1965 "Bhutto's war". If it is "Bhutto's war" we would say fair enough but we would also expect that Mr Bhutto be given the credit for it during the Defence Day celebrated with such aplomb on every third day of September, since the conclusion of the 1965 war. What we find on such days is that Mr. Bhutto is not even mentioned in passing or by accident by the official projections, celebrating whatever is celebrated on those occasion. It is not possible to have it both ways.

Altaf Gauhar states that after the Indo-Pakistan war of 1965 and some week before the Tashkent Conference. Mr Zulfikar Ali Bhutto was invited to Moscow where. Mr Bhutto agreed to a Conference at Tashkent without consulting Ayub Khan and without obtaining his approval. He further states that Ayub Khan himself had serious reservations on involving Moscow in the disputes between India and Pakistan preferring the Western powers to handle them, but that he went along with Mr Bhutto's point of view. Ayub Khan was not all that helpless. In December 1965 Ayub Khan visited Washington to hold consultations

with President Johnson. Mr Bhutto and Altaf Gauhar accompanied him. At the White House Ayub Khan repeatedly requested the official American team that came to call on him to keep the problem in American hands and not to pass it on to the Russians.

In sheer exasperation. Mr George Ball the under Secretary of State, in the State Department silenced Ayub Khan by telling him sarcastically that America does not want the Noble Peace prize for solving Indo-Pakistan disputes. In the official talks at the White House. President Johnson was equally firm. At the state banquet in honour of Ayub Khan and his delegation by President Johnson at the White House there was a pre-banquet discussion on the first floor of the White House. The top advisers of the two Presidents attended this meeting which lasted for half an hour. Towards the end of the discussions when President Ayub Khan mustered the courage to meekly ask President Johnson if the United States would help Pakistan on Kahsmir, President Johnson responded saying that he wanted to go to the toilet. On that he immediately got up and went to the lavatory. When he returned he simply said that it was time to go down to join the other guests. It was an astonishing insult and only Ayub Khan or someone like him could swallow it with such nonchalance.

A few months earlier but after the 1965 war the American Secretary of State. Mr Dean Rusk had invited Mr Zulfikar Ali Bhutto the Foreign Minister of Pakistan to the State Deparment for discussions. Perhaps it was in October 1965 when Mr Bhutto was in New York in connection with the Security Council meeting. Mr Rusk had his officials present and Mr Bhutto was accompanied by Mr. G. Ahmed the Ambassador of Pakistan to the United States. During the meeting the American Secretary of State informed the Foreign Minister of Pakistan that Mr. Andrea Gromyko, the Foreign Minister of the Soviet Union had asked Mr. Rusk if the United States would mind efforts of the Soviet Union to improve Indo-Pakistan relations. Mr Rusk added that he told Mr Gromyko that the United States would welcome it, because for the last sixteen years one dog was biting one

leg of the Americans and the other dog was biting the other leg of the Americans. The American officials giggled at these remarks of their Secretary of State.

Calmly Mr Bhutto said. " Mr Secretary, this time we will go much higher than the legs." Mr Rusk was speechless. Also before Mr Bhutto went to Moscow. Ayub Khan and Mr Bhutto had gone on a secret visit to Peking to discuss the Soviet proposal for a meeting at Tashkent and other connected matters. premier Chou-en-Lai told Ayub Khan that he could go to one Tashkent to a number of Tashkents. The important thing was not to capitulate.

Indeed, that was the important thing. Mr Bhutto went to Moscow armed with the knowledge of the views of Washington and Peking on the Soviet initiative. He had the prior concurrence of Ayub Khan to the positive response from Pakistan. Despite the concurrence as was the practice of Mr Bhutto he kept the President and his foreign office fully posted from Moscow. It is true that Mr Zulfikar Ali Bhutto supported the Tashkent initiative. There had to be a post-war conference to clear the debris of the war. This is so in the aftermath of all wars. What Mr Bhutto did not expect was the sudden collapse and capitulation of Ayub Khan at Tashkent. Mr Bhutto resisted this collapse at every stage and every time. On their return form Tashkent in sheer disgust. Mr Bhtto left for Larkana. Ayub Khan made the pilgrimage to Larkana to prevail upon Mr Bhutto to stand by him in the worst crisis of his life.

Coming to Mr Zulfikar Ali Bhutto's departure from the Government of Ayub Khan suffice it to say that Altaf Gauhar has as usual not been faithful to the truth. It is a long story but a Minister who is complimented in a official communiqués and is reported to be going to Europe on short leave for medical treatment is hardly the method of dismissing a Minister. Banquets were given in his honour. Altaf Gauhar was the host of one of the more lavish ones at Flashman's Hote. One wonders whether Altaf Gauhar remembers the tributes he paid to Mr Zulfikar Ali Bhutto in the speech he delivered on the occasion. But surely Altaf Gauhar could not have forgotten his journey to the railway

siding at Rawalpindi in the dead of the night to wish Mr Bhutto a happy journey in the saloon.

Altaf Gauhar should turn the page of his diary to that warm night in June 1966 and re-read what pledges he made to Mr zulfikar Ali Bhutto. In saying this we assume that Altaf Gauhar is true to himself and that unlike his business friends who keep two account books, this man keeps one diary.

Whether the Indo Pakistan war of 1965 was "Bhutto's War" fought for the Jagir of Bhutto or whether it was Pakistan's war fought for the honour of Pakistan and Kashmir's right of self-determination has been cloquently answered by time. Those in the know of things know very well that ever since the change in the policy of the United States after the Sino-Indian boundary conflict of 1962, ever since Nasser and Birogrove Conferences, the massive armament of India by the soviet Union and the huge diversion of India's own resources towards defences, it was only a matter of time for the balance of power to swing in India's favour. It was a foregone conclusion that the superiority of Pakistan especially in armour and in the air would not last beyond 1966, the scales would keep tilting in the direction of India and that a day would come when India would talk in the way Vajpai is talking today, if Pakistan did not take advantage in time of her dwindling military ratio. As it is Pakistan had missed the chance of her life in 1962 when India withdrew the bulk of her forces from Kahsmir facing Pakistan. Such chances do not come to Nations everyday. Pakistan had to decide whatever to redeem her pledge to the people of Jammu and Kashmir and complete the incomplete Pakistan, while the balance of military power was in her favour or whether to reconcile herself with a subsidiary position. There had been a surfeit of bold talk. The hour of brave action had struck and it would pass if a brave decision was not taken.

This is how the brave decision was taken in 1965. There was nothing wrong with the decision. There was everything wrong with the way it was implemented. But with all the errors, the tide would have turned decisively in

Pakistan's favour if the ceasefire had not been agreed to on the eye of the counter offensive. It was anticipated by the foreign military experts that Pakistan would go through India's defence like a knife through butter. The foreign journalists posted in New Delhi had sent their families to Bangkok. Although bridges collapsed and Generals quarreled and Murra was at his wits end the Armour of Pakistan went three times within the shadow of Amritsar and returned on each occasion due to lack of infantry support. For over a year. Mr. Muhammed shoaib the Finance Minister flatly refused to sanction a few million for one more infantry division that was being desperately sought. With that division, the Army of Pakistan would have been sitting in Delhi and Srinagar. No wonder Mr Zulfikar Ali Bhutto wept for Pakistan and not for his political career when his Master plan was sabotaged by the Shoaibs and the Gauhars. "Bhutto's War" was "Pakistan's War" because Bhutto and Pakistan are synonymous.

''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' کی تعارفی تقاریب کی روداد پاکستانی پریس کی زبانی

''بھٹو خاندان جہدِ مسلسل'' کی تقریب رونمائی 3 اکتوبر کو ہوگی

لاہور (پ ر) ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دیرینہ ساتھی اور بے نظیر بھٹو کے ترجمان بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہد مسلسل'' کی تقریب رونمائی 3 اکتوبر بروز جمعرات بوقت 3 بجے سہ پہر منعقد ہورہی ہے جس کی صدارت کے فرائض پی پی پنجاب کے صدر قاسم ضیاء انجام دیں گے جبکہ مقررین میں مہمان خصوصی اعتزاز احسن، آئی اے رحمان، حمید اختر، حسین نقی، میاں مصباح الرحمٰن اور منیر احمد خان شامل ہیں۔

روزنامہ ''ایکسپریس'' لاہور 3 اکتوبر 2002ء

لاہور پریس کلب میں بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' کی تقریب رونمائی

(لاہور (پ ر) ذوالفقار علی بھٹو کے دیرینہ ساتھی اور بے نظیر بھٹو کے ترجمان بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' کی تقریب رونمائی آج لاہور پریس کلب میں 3 بجے سہ پہر منعقد ہورہی ہے۔صدارت کے فرائض پی پی پنجاب کے صدر قاسم ضیاء انجام دیں گے جبکہ مہمان خصوصی اعتزاز احسن ہوں گے۔مقررین میں حمید اختر، آئی اے رحمٰن، حسین نقی، پروفیسر اعجاز الحسن، اسرار زیدی، میاں مصباح الرحمٰن اور منیر احمد خان شامل ہیں۔

روزنامہ ''جنگ'' لاہور 3 اکتوبر 2002ء

بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان ۔جہدِ مسلسل'' کی تقریب رونمائی

لاہور(پ ر) پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دیرینہ ساتھی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے ترجمان بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان ۔جہدِ مسلسل'' کی تقریب رونمائی آج لاہور پریس کلب میں مورخہ 3 اکتوبر بروز جمعرات بوقت 3 بجے سہ پہر منعقد ہو رہی ہے صدارت کے فرائض پی پی پنجاب کے صدر قاسم ضیاء انجام دیں گے جبکہ مہمان خصوصی اعتزاز احسن ہوں گے مقررین میں حمید اختر، آئی اے رحمٰن، حسین نقی، پروفیسر اعجاز احسن، اسرار زیدی، میاں مصباح الرحمٰن اور منیر احمد خان شامل ہیں۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' 3 اکتوبر 2002ء

پھانسی کے چار روز بعد مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کے نام بھیجے گئے سابق بھارتی وزیراعظم کے خط کی تفصیلات

بھٹو کو بچانے کے لیے ڈیسائی حکومت نے میری مدد نہیں کی۔اندرا گاندھی

میں نے دنیا بھر کی حکومتوں کے سربراہوں کو خطوط لکھے، سب نے میری ہمت بندھائی مگر میرے اپنے ملک کی حکومت نے مایوس کیا

میں کبھی خوش فہمیوں کا شکار نہیں رہتی مگر بہت پرامید تھی کہ آپ کے والد کی زندگی بچالی جائے گی مگر ایسا نہ ہوسکا

میرے رابطوں کے جواب میں عالمی رہنماؤں نے صدر ضیاء کو خطوط بھیجے مگر ہماری حکومت اندرونی معاملات میں مداخلت کے بہانے بناتی

پھانسی کی دردناک خبر سن کر سب سے پہلے میری پارٹی نے دہلی میں پاکستانی سفارتخانے کے باہر زبردست مظاہرہ کیا

بدترین واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے، آپ یقین کریں کہ میں خود اور بھارت کے کروڑوں عوام آپ کے غم میں شریک ہیں

میں آپ کی والدہ اور بہن کے بارے میں خاص طور پر سوچتی ہوں، آپ کی بہن سے تو میں شملہ میں ملی تھی

ہمارے برصغیر اور ہمارے پڑوس میں تاریکی چھائی ہوئی ہے مگر ہمیں دل چھوٹا نہیں کرنا، اپنے آپ کو آہنی بنانا ہے

لندن (عوام نیوز) سابق بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی بچانے کے لیے عالمی سربراہوں کو خطوط لکھ کر ان سے اپیل کی تھی کہ بھٹو کو پھانسی سے بچانے کے لیے پاکستان کے فوجی جنرل ضیاء الحق پر دباؤ ڈالا جائے، اس امر کا انکشاف لندن میں پاکستان کے نامور صحافی بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' میں کیا گیا ہے، سابق بھارتی وزیراعظم کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے چار روز بعد 8 اپریل 1979ء کو مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کے نام لکھے گئے خط میں کہا گیا ہے کہ مسز اندرا گاندھی نے بھٹو مرحوم کو پھانسی سے بچانے کے لیے عالمی سربراہوں کو خطوط لکھے مگر مرار جی ڈیسائی کی حکومت نے ان کی مدد نہ کی واضح رہے کہ جب پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو پھانسی دی گئی اس وقت بھارت کے موجودہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی وزیر خارجہ کے منصب پر فائز تھے مسز اندرا گاندھی نے اپنے خط میں لکھا کہ میں نے دنیا بھر کے سربراہوں کو خطوط لکھے سب نے میری ہمت بندھائی مگر میرے اپنے ملک نے مجھے مایوس کیا اور میری مدد نہیں کی گئی انہوں نے کہا میں کبھی خوش فہمیوں کا شکار نہیں رہتی مگر میں بہت پرامید تھی کہ ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی بچالی جائے گی مگر ایسا نہ ہوسکا انہوں نے اپنے خط میں لکھا کہ میرے رابطوں کے جواب میں عالمی رہنماؤں نے صدر ضیاء کو خطوط بھیجے مگر میرے اپنے ملک کی حکومت یہ بہانہ بناتی رہی کہ وہ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصول پر قائم ہے انہوں نے کہا کہ پھانسی کی دردناک خبر سن کر سب سے پہلے میری پارٹی کانگریس آئی نے نئی دہلی میں پاکستانی سفارتخانے کے باہر زبردست مظاہرہ کیا مسز گاندھی نے کہا کہ یہ بدترین واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور آپ یقین کریں کہ میں خود اور بھارت کے کروڑوں عوام آپ کے غم میں شریک ہیں انہوں نے کہا کہ میں آپ کی والدہ اور بہن کے بارے میں فکرمند ہوں آپ کی بہن سے تو میں شملہ میں ملی بھی تھی انہوں نے کہا

کہ ہمارے برصغیر اور ہمارے پڑوس میں تاریکی چھائی ہوئی ہے مگر ہمیں اپنے دل چھوٹے نہیں کرنے اور اپنے آپ کو آہن بنانا ہے واضح رہے کہ 22 سال پہلے جب بھٹو مرحوم کو پھانسی دی گئی تو بھارت میں بی جے پی برسراقتدار تھی اور پاکستان میں فوجی حکومت قائم تھی جبکہ بھارت میں کانگریس اور پاکستان میں پیپلز پارٹی اقتدار سے باہر تھیں۔

روزنامہ ''عوام'' کراچی 27 جولائی 2001ء

بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' شائع ہوگئی

کراچی (نامہ نگار خصوصی) لندن میں مقیم ممتاز صحافی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن محترمہ بےنظیر بھٹو کے ترجمان بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' شائع ہوگئی ہے۔ بشیر ریاض نے اپنی اس کتاب میں بھٹو خاندان سے اپنی 35 سالہ طویل رفاقت اور وابستگی کو سولہ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور اس میں دو درجن سے زائد نایاب تصاویر ہیں۔ کتاب کا پیش لفظ ممتاز صحافی ''مساوات'' لاہور کے سابق ایڈیٹر ایس جی ایم بدرالدین اور تعارف سابق وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کی تقریب رونمائی عنقریب لندن، اسلام آباد اور کراچی میں ہوگی۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی 25 جولائی

بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' شائع ہوگئی

کراچی (نیوز ڈیسک) لندن میں مقیم ممتاز صحافی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن محترمہ بےنظیر بھٹو کے ترجمان بشیر ریاض کی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' شائع ہوگئی ہے۔ بشیر ریاض نے اپنی اس کتاب میں بھٹو خاندان سے اپنی 35 سالہ طویل رفاقت اور وابستگی کو سولہ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور اس میں دو درجن سے زائد نایاب تصاویر ہیں۔ کتاب کا پیش لفظ ممتاز صحافی ''مساوات'' لاہور کے سابق ایڈیٹر ایس جی ایم بدرالدین اور تعارف سابق وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے تحریر کیا ہے۔ کتاب کی تقریب رونمائی عنقریب لندن، اسلام آباد اور کراچی میں ہوگی

روزنامہ ''جنگ'' کراچی 25 جولائی 2001ء

بینظیر اور مرتضیٰ میں فاصلوں کے ذمہ دار اپنے ہی لوگ تھے

یہ لوگ دونوں جانب سرگرم رہتے تھے تاکہ بہن، بھائی میں دشمنی کی بنیاد پڑ جائے

93 کے انتخابات میں نادان دوستوں کی وجہ سے دونوں میں تعلقات سانحہ کی شکل اختیار کر سکتے ہیں

مرتضیٰ کے قتل کی اطلاع ملی تو بینظیر غم سے نڈھال ہو گئیں، آنکھوں میں ویرانی چھا گئی

بینظیر بھٹو کے دست راست اور معروف صحافی بشیر ریاض کی لندن میں لکھی جانے والی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' سے اقتباسات

کراچی (قومی اخبار نیوز) لندن میں مقیم ممتاز پاکستانی صحافی اور سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے دست راست جناب بشیر ریاض نے اپنی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' میں انکشاف کیا ہے کہ بے نظیر بھٹو اور مرتضیٰ بھٹو کے درمیان فاصلے پیدا کرنے کے ذمہ دار ہمارے اپنے ہی لوگ تھے اور وہ دونوں طرف سرگرم رہتے تھے تاکہ بہن اور بھائی میں مستقل دشمنی کی بنیاد پڑ جائے لیکن پارٹی میں بعض ایسے افراد بھی تھے جو محبتوں کو بڑھانے کے لیے کام کر رہے تھے۔ بشیر ریاض نے لکھا ہے کہ اکتوبر 93ء کے عام انتخابات میں ''نادان دوستوں'' کی وجہ سے ایسا نازک مرحلہ بھی آ گیا کہ بھائی بہن کے تعلقات ''سانحہ'' کی شکل اختیار کر سکتے تھے جب مرتضیٰ بھٹو سے یہ اعلان کروا دیا گیا کہ وہ سندھ کی اٹھارہ نشستوں پر الیکشن میں حصہ لیں گے۔ بعد ازاں بیگم نصرت کی مداخلت کے بعد انہیں اس بات پر قائل کیا جا سکا کہ وہ ایک یا دو نشستوں پر الیکشن لڑیں، بشیر ریاض کے مطابق وہ بھی مرتضیٰ بھٹو سے ملاقات کرتے تھے، مرتضیٰ بھٹو اپنی بہن بے نظیر بھٹو کا ذکر ان سے آپ کی لیڈر کہہ کر کرتے تھے بشیر ریاض کے مطابق مرتضیٰ بھٹو کے قتل سے صرف دو روز قبل ہی ان کی سالگرہ تھی، 18 ستمبر کو کراچی فون کر کے جب میں نے انہیں سالگرہ کی مبارکباد دی تو مرتضیٰ بھٹو نے بڑے خوشگوار موڈ میں کہا کہ ''آپ کی لیڈر نے کیک بھیجا ہے۔'' بشیر ریاض کے مطابق 20 ستمبر کو جب مرتضیٰ کے قتل کی خبر بے نظیر بھٹو کو ملی تو وہ غم سے

بالکل نڈھال تھیں اور بڑے بڑے بحرانوں کا مقابلہ کرنے والی بے نظیر بھٹو اندر سے ٹوٹ چکی تھی اور خالی ویران آنکھوں سے ہر طرف دیکھ رہی تھی"بشیر ریاض نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جولائی 1987ء میں بے نظیر بھٹو کی منگنی کے اعلان کے بعد ہمیں لندن میں اطلاع ملی کہ مرتضٰی بھٹو ایک لبنانی لڑکی سے شادی کررہے ہیں بے نظیر بھٹو یہ سن کر بے چین ہوگئی، بے نظیر بھٹو فوراً دمشق روانہ ہوگئیں رات کو مرتضٰی بھٹو نے شیریٹن میں ہمیں ڈنر دیا، انہوں نے بتایا کہ فاطمہ اپنی لبنانی ٹیچر سے بہت قریب ہوگئی ہے اسی وجہ سے میں اس سے شادی کا سوچ رہا ہوں، بے نظیر بھٹو نے مرتضٰی کو سمجھایا کہ کسی غیر ملکی لڑکی سے شادی کرنے کا دوسرا تجربہ ٹھیک نہیں ہے۔

بشیر ریاض قابل اعتماد دوست ہیں بینظیر بھٹو کا کتاب میں دیباچہ

کراچی (قومی اخبار نیوز) سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو نے اپنے دست راست اور معروف صحافی بشیر ریاض کی کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بشیر ریاض قابل اعتماد دوست اور ساتھی ہیں ان کی اوران سے دشمنی لوگوں پر بھاری پڑتی ہے مگر وہ دل میں کچھ نہیں رکھتے انہوں نے لکھا کہ بشیر ریاض کی صحافتی اور سیاسی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے 1977ء میں پیشنگوئی کی تھی کہ میں ایک دن پاکستان کی وزیراعظم بنوں گی۔ بینظیر کے مطابق بشیر ریاض نے یہ کتاب رقم کرکے پاکستانی قوم اور آنے والے نسلوں کے لیے ایسا بیش بہا کام کردکھایا ہے جس پر قوم کو ان پر فخر ہوگا۔

الطاف گوہر غیر ملکی خفیہ ایجنسی سے رابطوں پر گرفتار ہوئے

گرفتاری کے بعد الطاف گوہر کی اہلیہ نے کراچی میں بھٹو سے ملاقات کرکے غیر مشروط معافی مانگی

الطاف گوہر کو ان سرگرمیوں پر دوبارہ گرفتار کیا گیا، ان کے اہل خانہ نے قرآن پاک کی قسمیں کھائیں

جب بھٹو کو یقین ہو گیا کہ الطاف گوہر بزنس مین بن گئے ہیں تو روٹی پلانٹ کے لائسنس سے نواز دیا

کراچی (قومی اخبار نیوز) بشیر ریاض نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بھٹو حکومت میں اس وقت کے وزیر اطلاعات عبدالحفیظ پیرزادہ کے خلاف مشہور دانشور الطاف گوہر کی اشتعال انگیز تحریروں کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا، لیکن جب حکومت کو اطلاع ملی کہ الطاف گوہر کا ایک بڑے ملک کی خفیہ ایجنسی سے رابطہ ہو گیا ہے، تو انہیں گرفتار کر لیا گیا، بعدازاں الطاف گوہر کی بیگم نے 70 کلفٹن کراچی میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کی اور الطاف گوہر کے لیے غیر مشروط معافی مانگی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ انہیں آئندہ قابو میں رکھیں گی اس کے بعد الطاف گوہر کو رہا کر دیا گیا بعدازاں الطاف گوہر کو ان کی سرگرمیوں کی بنا پر دوبارہ گرفتار کر لیا گیا، دوسری بار ان کے اہل خانہ نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں کہ آئندہ الطاف گوہر ایسی سرگرمیوں سے باز رہیں گے اور اپنی زندگی کا نیا باب شروع کریں گے چنانچہ ایک دفعہ انہیں پھر رہا کر دیا گیا، جس کے بعد الطاف گوہر نے اپنے بھائی تجمل حسین کے ہمراہ کلفٹن میں بھٹو سے ملاقات کی جب وزیراعظم بھٹو کو یقین ہو گیا کہ الطاف گوہر بزنس مین بن گئے ہیں تو وزیراعظم بھٹو نے انہیں راولپنڈی طلب کیا اور انہیں لاہور، کراچی اور دوسرے بڑے شہروں میں روٹی پلانٹ لگانے کا لائسنس دے دیا جس کے ذریعے الطاف گوہر نے پچاس ملین کا منافع کمایا اس کے علاوہ وزیراعظم بھٹو نے الطاف گوہر کے بھائی تجمل حسین کو ملائیشیا میں پاکستان کا سفیر بھی تعینات کر دیا۔

پھانسی کے بعد

بھٹو کی تقریر کی ریکارڈنگ سن کر شاہنواز بھٹو نے دیوار سے سر ٹکرا دیا

مرتضیٰ نے کہا کہ میں انتقام ضرور لوں گا

کراچی (قومی اخبار نیوز) لندن میں مقیم پاکستانی صحافی بشیر ریاض نے اپنی کتاب میں بھٹو کی پھانسی کے حوالے سے بھی کئی ابواب لکھے ہیں مصنف کے مطابق جب ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کی اطلاع کے بعد ہم سب نے شام کو لندن کے فلیٹ کے اداس ماحول میں بھٹو مرحوم کی تقریر سننے کا فیصلہ کیا بھٹو صاحب کی آواز سن کر ہم سب ہمہ تن گوش ہو گئے جیسے جیسے بھٹو صاحب کی تقریر

آ گے بڑھتی گئی کمرے میں سناٹا مزید گہرا ہوتا گیا مرتضیٰ بھٹو کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے 4 اپریل کے بعد میں نے پہلی بار مرتضیٰ بھٹو کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے ہم سب اشکبار تھے اور صنم بھٹو کا رونا ایک دردناک منظر پیش کر رہا تھا اسی دوران شاہنواز بھٹو اٹھا اور دیوار کے ساتھ زور زور سے اپنا سر ٹکرانے لگا شاہنواز بھٹو کی یہ حالت دیکھ کر صنم بھٹو اپنا غم بھول گئی اور اپنے بھائی کو دلاسہ دینے لگی شاہنواز بھٹو کا سنبھلنا مشکل ہو رہا تھا چھوٹے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر مرتضیٰ بھٹو اٹھا اور گلے لگاتے ہوئے کہا ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے والد کا انتقام ضرور لوں گا۔''

روزنامہ ''قومی اخبار'' کراچی 26 جولائی 2001ء

''مرتضیٰ بھٹو کے قتل پر بےنظیر اندر سے بالکل ٹوٹ چکی تھیں''

بیگم بھٹو نے لندن سے مرتضیٰ کے لیے سالگرہ کے تحفے خریدے تھے، وہ اس سانحہ سے بےخبر تھیں

بہن بھائی میں اختلاف ختم ہو رہے تھے مگر سازشی مہرے متحرک ہو چکے تھے

بےنظیر نے مرتضیٰ سے کہا ایک بھائی کھو چکی ہوں اب تمہیں کھونا برداشت نہیں کر سکوں گی

کشمیری عوام بھٹو سے جنون کی حد تک عشق کرتے تھے، بشیر ریاض کی کتاب میں روداد

کراچی (نامہ نگار خصوصی) اپنے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد بےنظیر بھٹو اندر سے بالکل ٹوٹ چکی تھیں 20 ستمبر کی رات نصف شب کے بعد بےنظیر نڈھال حالت میں اسلام آباد سے کراچی گئیں پرائم منسٹر ہاؤس میں کہرام برپا تھا۔ان الفاظ میں پی پی پی کی چیئرپرسن بےنظیر بھٹو کے دست راست ممتاز صحافی بشیر ریاض نے بھٹو خاندان پر اپنی کتاب ''بھٹو خاندان۔جہدِ مسلسل'' میں بےنظیر بھٹو کے دور حکومت میں بھٹو خاندان کے آخری مرد مرتضیٰ بھٹو کے قتل کی اندوہناک واردات کا احوال بیان کیا ہے۔بشیر ریاض نے اپنی کتاب میں بھٹو خاندان سے اپنی طویل رفاقت اور وابستگی کو 16 ابواب میں بیان کیا ہے بشیر ریاض کے مطابق بیگم بھٹو نے لندن سے مرتضیٰ کے لیے سالگرہ کے تحفے خریدے تھے وہ کراچی کے لیے روانہ ہو گئی تھیں اس سانحہ سے

بے خبر تھیں۔انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بہن بھائی میں اختلافات ختم ہو رہے تھے دونوں ایک دوسرے کے قریب آ رہے تھے مگر پیپلز پارٹی کی حکومت میں حکومت کے اندر اور باہر کے مہرے ایک بڑی سازش کے لیے متحرک ہو گئے تھے۔مصنف نے انکشاف کیا کہ جولائی 1987ء میں بے نظیر بھٹو کی منگنی کے اعلان کے بعد ہمیں لندن میں اطلاع ملی کہ مرتضیٰ دمشق میں ایک لبنانی لڑکی سے شادی کر رہے ہیں بے نظیر یہ سن کر بے چین ہو گئی تھیں مرتضیٰ نے بتایا کہ فاطمہ اپنی لبانی ٹیچر سے بہت قریب ہو گئی ہے میں اس سے شادی کا سوچ رہا ہوں بے نظیر نے اس پر مرتضیٰ کو سمجھایا کہ کسی غیر ملکی لڑکی سے شادی کا تجربہ ٹھیک نہیں ہے انہوں نے کہا میں ایک بھائی (شاہنواز) کو کھو چکی ہوں اب تمہیں کھونا برداشت نہیں کر سکوں گی بھٹو خاندان پر کتاب میں انکشاف کیا گیا ہے کہ کشمیری لیڈر شیخ عبداللہ سمجھتے تھے کہ جنرل ضیاء نے بھٹو کو پھانسی دے کر کشمیریوں کے حق خودارادیت کو پھانسی دے دی ہے ایک انٹرویو میں اندرا گاندھی نے اس پروپیگنڈے کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا کہ 1972ء میں شملہ میں کشمیر پر کوئی خفیہ معاہدہ طے پایا تھا مصنف کے مطابق کشمیر کاز کے لیے جدوجہد پر کشمیری عوام بھٹو سے جنون کی حد تک عشق کرنے لگے تھے۔

روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی 24 جولائی 2001ء

ملک تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے
بینظیر کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہیں تھی۔نثار کھوڑو
ملک کی بقاء وسلامتی کا واحد راستہ پیپلز پارٹی کی قیادت کے پاس ہے، بشیر ریاض کی کتاب کی تقریب رونمائی سے خطاب
موجودہ حالات میں تمام سیاسی قوتوں کو اعتماد میں لیا جائے، ملک کو خطرناک سمت کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔منور سہروردی

کراچی (اسٹاف رپورٹر) پیپلز پارٹی سندھ کے صدر نثار کھوڑو نے کہا ہے کہ موجودہ حالات اور بین الاقوامی دباؤ میں ملک کو بھٹو جیسی قیادت کی ضرورت ہے پاکستان کو بے نظیر بھٹو کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہیں تھی ملک تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے ملک کی بقاء و